بُستانُ العارفین

(اردو)

تصنیف لطیف

عالم عامل، شیخ کامل، فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی (م ۳۷۳ھ)

ترجمہ و تحقیق

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی

داعی یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

کاوش

طلبۂ طالبات فضیلت [illegible] شمس العلوم گھوسی، مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اِسلام کے اِعتدال و توازن (Balance) کی سچی ترجمانی کرنے والی
اور عوام و خواص ہر ایک کے لیے یکساں اِفادیت کی حامل ایک لاجواب کتاب

(1000) ہزار سال کے بعد پہلی بار اُفق اِشاعت پر ضیابار

بستان العارفین

{اُردو}

تصنیف لطیف

عالم عامل، اُستاذ کامل، محدث و متصوف، فقیہ النفس
شیخ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی (م ۳۷۵ھ)

:- ترجمہ و تحقیق -:

محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بِأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : **بستان العارفين للسَّمرقندي**

موضوع : اِسلام کے معتدلانہ نظام کا رواج اور تصورِ یُسر و آسانی کا فروغ

تالیف : اِمام الہدیٰ فقیہ ابواللیث سمرقندی حنفی علیہ الرحمہ (م ۳۷۵ھ)

ترجمہ : ابورفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی.....................

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
پرنسپل: جامعۃ المصطفیٰ، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
afrozqadri@gmail.com

تصویب : علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری - مدظلہ النورانی -

تحریک : رفیق گرامی قدر محمد ثاقب رضا قادری - زیدت معالیہ -

صفحات : پانچ سو بارہ (۵۱۲)

اِشاعت : 2015ء - ۱۴۳۶ھ

تقسیم کار :

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِيْعُ العَلِيْمُ o

فہرست موضوعات

کلماتِ ناشر 13

فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمہ 14

کچھ اس کتاب کے بارے میں 18

خطبہ آغازِ کتاب 23

باب نمبر 1 : طلب علم کی فضیلت 24

باب نمبر 2 : علم لکھ کر محفوظ کیا جائے 30

باب نمبر 3 : فتویٰ کے بیان میں 35

باب نمبر 4 : فتویٰ کون دے؟ 39

باب نمبر 5 : اِختلاف کا اِسلامی تصور 42

باب نمبر 6 : حدیث کی روایت بالمعنی 45

باب نمبر 7 : حدیث کی روایت اور اجازت 47

باب نمبر 8 : علم کن سے سیکھے؟ 49

باب نمبر 9 : مجلسِ وعظ منعقد کرنا کیسا؟ 51

باب نمبر10 : واعظ وخطیب کیسا ہو؟	55
باب نمبر11 : سامعین کیسے ہوں؟	58
باب نمبر12 : طلب علم کی ترغیب، اور فقہ کی	60
باب نمبر13 : علم مناظرہ کا بیان	64
باب نمبر14 : علم کیسے سیکھا جائے؟	67
باب نمبر15 : عہدۂ قضا قبول کرے یا نہ کرے	74
باب نمبر16 : قاضی کیسا ہو؟	77
باب نمبر17 : قرآن سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت	79
قرآن پر نقطے اور اِعراب لگانے کا مسئلہ	85
باب نمبر18 : سبع مثانی کی تفسیر	86
باب نمبر19 : مکہ و مدینہ میں کتنا کتنا قرآن اُترا؟	88
باب نمبر20 : سورۂ براءت کی تحقیق	89
باب نمبر21 : صاحب قرآن کی قراءتِ قرآن	90
باب نمبر22 : قصیدہ خوانی کا بیان	92
باب نمبر23 : کیا سرکار ﷺ نے شعر کہے؟	96
باب نمبر24 : خواب کی تعبیر کا بیان	99
باب نمبر25 : سچے خواب اور اچھی تعبیروں کا بیان	101

باب نمبر26 : تعویذ و دَوا کا بیان	106
باب نمبر27 : دوا آمیز غذاؤں کا بیان	111
باب نمبر28 : عربی زبان کی دیگر زبانوں پر فضیلت	114
باب نمبر29 : قرآن کا سات حرفوں پر نزول	118
باب نمبر30 : تفسیر قرآن کی بحث	121
باب نمبر31 : حسن معاشرت اور معرفت حقوق	125
باب نمبر32 : دوستوں کی ملاقات	127
باب نمبر33 : سلام کرنے کا بیان	131
باب نمبر34 : بچوں کو سلام کرنا کیسا؟	135
باب نمبر35 : ذِمی کافروں پر سلام کا حکم	136
باب نمبر36 : گھر میں داخل ہوتے وقت سلام	139
باب نمبر37 : لباس کیسا ہونا چاہیے؟	140
باب نمبر38 : جمال و نظافت کا بیان	143
باب نمبر39 : کیا پہنے اور کیا نہ پہنے؟	147
باب نمبر40 : ریشمی فرش کا بیان	149
باب نمبر41 : دیبا اور ریشمی فرش کا بیان	151
باب نمبر42 : سرخ کپڑا پہننا کیسا؟	152

باب نمبر43 : درندوں کے چمڑے کا بیان	154
باب نمبر44 : گوشت کھانے کا بیان	155
باب نمبر45 : فالودہ کھانا کیسا؟	158
باب نمبر46 : قسم قسم کے کھانے	160
باب نمبر47 : لہسن کھانا کیسا؟	163
باب نمبر48 : مروّت کیا چیز ہے؟	165
باب نمبر49 : عقل و دانش کی بابت اقوال	170
باب نمبر50 : اَدب کی اہمیت	173
باب نمبر51 : وضو و نماز کے آداب	174
آداب استنجا	174
آدابِ وضو	177
آدابِ نماز	180
باب نمبر52 : سونے کے آداب	182
باب نمبر53 : کھانے کے آداب	184
باب نمبر54 : دعوت قبول کرنے کا بیان	193
باب نمبر55 : میہمانی کے آداب	196
باب نمبر56 : خلال کرنے کا بیان	201

باب نمبر57 : پانی پینے کا بیان	202
باب نمبر58 : دائیں کو بائیں پر فضیلت	204
باب نمبر59 : گھر سے نکلنے اور دوست کی سنگت کا بیان	207
باب نمبر60 : خرید و فروخت کا بیان	210
باب نمبر61 : حکام کی اطاعت کا بیان	214
باب نمبر62 : حاکموں سے تحفہ یا وظیفہ لینا کیسا؟	218
باب نمبر63 : دوسروں کے گھر میں جھانکنے کی ممانعت	221
باب نمبر64 : تہمت کی جگہ سے بچنے کا بیان	223
باب نمبر65 : ہر کام میں نرمی برتنی چاہیے	225
باب نمبر66 : عصا رکھنے کی فضیلت	229
باب نمبر67 : مؤمن کو دنیا کم ملتی ہے	230
باب نمبر68 : قیامت کی نشانیاں	232
باب نمبر69 : سلیقۂ گفتگو	236
باب نمبر70 : تصاویر کی ممانعت	239
باب نمبر71 : بدکار عورت سے نکاح کا مسئلہ	240
باب نمبر72 : افضل کون؟ فقیر یا غنی	243
باب نمبر73 : قرض لینے کی فضیلت	249

باب نمبر74 : عزل کا بیان	252
باب نمبر75 : رونا میت کے لیے باعثِ مصیبت	253
باب نمبر76 : مردے پر رونا کیسا؟	255
باب نمبر77 : اصحابِ فضل وشرف کی تعظیم کا بیان	258
باب نمبر78 : غیرت کا بیان	261
باب نمبر79 : جود وسخا کا بیان	264
باب نمبر80 : سفارش کا بیان	267
باب نمبر81: قصداً قتل کرنے کا بیان	270
خودکشی کرنا کیسا؟	272
باب نمبر82: بچوں کو چومنا کیسا؟	274
باب نمبر83: دف بجانے کا اِسلامی تصور	277
باب نمبر84 : اَمر بالمعروف کا بیان	281
باب نمبر85 : نکاح کا بیان	283
باب نمبر86 : کسب (پیشے) کا بیان	287
باب نمبر87 : طب وحکمت کا بیان	290
باب نمبر88 : نقصان دہ چیزوں سے پرہیز	294
باب نمبر89 : جماع (ہم بستری) کا بیان	299

باب نمبر90 : غسل کرنے کا بیان	302
باب نمبر91 : پچھنے(سینگی) لگوانے کا بیان	304
باب نمبر92 : بیت الخلا کے آداب	306
باب نمبر93 : تنہائی کی تباہی؟	308
باب نمبر94 : نگہبان ملائکہ کا بیان	311
باب نمبر95 : ٹڈی مارنے کا بیان	313
باب نمبر96 : مسجد کی نقش ونگاری	315
باب نمبر97 : مسجد کے اندر تھوکنا کیسا؟	318
باب نمبر98 : غلبہ نیند کے وقت نماز پڑھنا کیسا؟	320
باب نمبر99 : علم واَدب کا بیان	322
باب نمبر100 : انگوٹھی پہننے کا بیان	326
باب نمبر101 : انگوٹھی پر نقش وتحریر بنوانا	329
باب نمبر102 : ذومعنی کلام کا مسئلہ	331
باب نمبر193 : مکہ ومدینہ میں کتنا کتنا قرآن اُترا؟	333
باب نمبر104 : خوش طبعی کا بیان	335
باب نمبر105 : فوائدِ مختلفہ	338
باب نمبر106 : دوشوہر والی بیوی کا مسئلہ	343
باب نمبر107 : مشرکین کے بچوں کا حکم	345

بابِ نمبر108 : تذکرۂ اَنبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	347
بابِ نمبر109 : ذِکرِ مخلوقاتِ الٰہی کا	357
بابِ نمبر110 : آسمان وزمین کی اِبتدا	360
بابِ نمبر111 : جنت اور دوزخ کے نام	364
بابِ نمبر112 : سرکار ﷺ کا نسب، اولاد اور ازواج	369
بابِ نمبر113 : خلفا و حکماے اُسلام	373
بابِ نمبر114 : نام کیسا رکھے؟	375
بابِ نمبر115 : دنوں اور مہینوں کا ذِکر	380
بابِ نمبر116 : اِنسانی طبیعتوں کا بیان	383
بابِ نمبر117 : گھڑسواری اور تیراندازی کا بیان	385
بابِ نمبر118 : کتا پالنے کی ممانعت	386
بابِ نمبر119 : شکلوں کا مسخ ہونا	388
بابِ نمبر120 : ایمان اور اِن شاء اللہ!	390
بابِ نمبر121 : کیا ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے؟	393
بابِ نمبر122 : ایمان کی مختلف تعریفیں	396
بابِ نمبر123 : ایمان مخلوق ہے یا قدیم؟	399
بابِ نمبر124 : قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟	400
بابِ نمبر125 : دیدارِ الٰہی	403
بابِ نمبر126 : صحابہ کرام کی بابت	405

باب نمبر127 : تقدیر کا بیان	409
باب نمبر128 : رافضی کون ہیں؟	412
باب نمبر129 : پہلے نماز یا کھانا؟	414
باب نمبر130 : سفر سے رات میں لوٹنا کیسا؟	415
باب نمبر131 : بارش کے وقت نماز کا حکم	416
باب نمبر132 : گھنٹی کی کراہت	417
باب نمبر133 : تعزیت کا بیان	418
باب نمبر133 : گھڑ دوڑ کا بیان	419
باب نمبر135 : خوشی کے موقع پر شکر بکھیرنا کیسا؟	422
باب نمبر136 : تحفہ لینے دینے کا بیان	424
باب نمبر137 : چھینک کا جواب	438
باب نمبر138 : خاطر و مدارات	440
باب نمبر139 : مثل اور محاورے کا بیان	433
باب نمبر140 : تعمیرات کا بیان	442
باب نمبر141 : کافروں سے معاملات	445
باب نمبر142 : سرِ صبح کھانا کھانے کا بیان	447
باب نمبر143 : داناؤں کی باتیں	448
باب نمبر144 : کھڑے ہو کر پیشاب کرنا	453
باب نمبر145 : حیوانات کو خصی کرنے کا بیان	455

بابِ نمبر 146 : عشا کے بعد گفتگو کرنا کیسا؟	457
بابِ نمبر 147 : قرآن کی سورتوں کی تعداد	458
بابِ نمبر 148 : قرآن کی آیات وسور کی تعداد	459
بابِ نمبر 149 : حروفِ قرآن کی تعداد	460
بابِ نمبر 150 : ثلث، نصف اور ربع قرآن	463
بابِ نمبر 151 : معلّمین کی فضیلت	464
بابِ نمبر 152 : کم کھانے کا بیان	468
بابِ نمبر 153 : سلام وتحیت کا بیان	471
بابِ نمبر 154 : کچھ نکاح کے بارے میں	473
بابِ نمبر 155 : اَمرِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آغاز	477
بابِ نمبر 156 : ہجرتِ نبوی کا بیان	480
بابِ نمبر 157 : غزواتِ رسول ﷺ	484
بابِ نمبر 158 : ناپسندیدہ باتیں	493
بابِ نمبر 159 : دعاؤں کا بیان	495
کتابیات	504
مترجم کتاب مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی کی چند مطبوعہ کتب	509

عرضِ ناشر

نحمده ونصلي ونسلم علیٰ حبیبه الکریم وعلیٰ آله وصحبه أما بعد!

جماعتی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے والے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ اِدھر ماضی قریب میں ہمارے سنی مدارس کے باذوق طلبہ نے علماے اہل سنت وجماعت کی مستند کتب کی طباعت واِشاعت کا ایک مبارک سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے -ماشاء اللہ- ایک سے بڑھ کر ایک قدیم ونایاب کتابیں منظرعام پر آ گئیں۔ اس صالح اِقدام اور قابل فخر پیشکش کی جتنی بھی حوصلہ اَفزائی کی جائے کم ہے۔ طلبہ کے اِس طباعتی رجحان کو دیکھ کر ہماری آرزوؤں نے بھی انگڑائی لی، اور ہم نے جواں سال وباکمال عالم ربانی نازشِ علم وعلما مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی سے اس کا اِظہار کیا تو انھوں نے کچھ قدیم کتابوں کی نشان دہی کی؛ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ 'میں آپ لوگوں کو ایک ایسی کتاب کی اِشاعت کا مشورہ دے رہا ہوں جسے ہزار سال سے چھپنا نصیب نہیں ہوا، اور جو علما وطلبہ اور خواص وعوام سب کے لیے یکساں نفع رساں ہے۔ پھر انھوں نے چوتھی صدی کے مشہور بزرگ صاحب تنبیہ الغافلین شیخ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ کی نایاب کتاب 'بستان العارفین' کا تعارف پیش کیا۔ ہمیں کتاب بہت پسند آئی، اور ہم نے اس کی طباعت کی ٹھان لی؛ مگر اتنی ضخیم عربی کتاب کا اُردو ترجمہ کرنا ہمارے لیے جوے شیر لانے سے کم نہ تھا، جس کی ہمیں معاً فکر لاحق ہوگئی؛ مگر مولانا موصوف نے ہماری اِس فکر کو دور کرتے ہوئے اپنے زودرقم قلم سے اِس کا نہایت ہی شگفتہ ورواں ترجمہ فرمادیا۔ مولانا کے لیے شکروسپاس کے جو جذبات واِحساسات ہمارے دلوں میں موجزن ہیں اُن کی تعبیر' حرف وصوت سے ممکن نہیں۔ بس خداوند جلیل اُن کی دینی وعلمی خدمات کا انھیں دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ اور ہمیں توفیق مزید سے نوازتا رہے تاکہ بیش از بیش علمی سرمایوں کو ہم منظرعام پر لانے میں اپنا طالب علمانہ کردار اَدا کرتے رہیں۔ **محمّد اظہر شمسی**

طالبین دعاوکرم

جمیع طلبہ وطالباتِ جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو۔ شنبہ، ۷/دسمبر ۲۰۱۴ء

فقیہ ابو اللیث سمرقندی

امام ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمہ اِسلام کی اُن مقتدر و معتبر اوائل ہستیوں میں ہیں جن سے علم و فضل کی نہریں پھوٹی ہیں، تقویٰ و ورع کے ماحول سازگار ہوئے ہیں، اور تصوف و معرفت کے چمنستان بہار آشنا ہوئے ہیں۔ علم و شعور کی جو بنیادیں اُن اَساطین اُمت نے فراہم کیں، آنے والی صدیوں کا سارا علمی اَثاثہ اسی پر اُستوار ہوا ہے۔

آج میکدۂ تصوف میں جو جامِ معرفت بٹ رہے ہیں اور علم و فقہ کی شاخیں جو اتنی ثمر بار نظر آ رہی ہیں تو یہ دراصل انھیں سلف صالحین کے فیوض و برکات ہیں جنھوں نے شجر اِسلام کی آبیاری کے لیے اپنے لہو کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر قربان کر دیا تھا۔

شیخ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمہ کے نام سے آج شاید ہی کوئی ہو جو واقف نہ ہو۔ علمی جلالت، بے مثال تقویٰ و طہارت، تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کے حوالے سے آپ کی معرکۃ الآرا خدمات چہار دانگ عالم میں عقیدت و اِحترام کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہیں۔ خصوصاً 'تنبیہ الغافلین' کے ذریعہ آپ کو جو شہرت و ناموری ملی ہے وہ حد بیان سے باہر ہے۔

آپ کا پورا نام نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم بن خطاب سمرقندی توزی بلخی ہے۔ ولادتِ باسعادت ازبکستان کے معروف علمی شہر 'سمرقند' میں ہوئی۔ اسے 'ماوراء النہر' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس کی مساجد و مدارس آج بھی اس کی روشن تاریخ اور شہرت تابندگی کی بھرپور غمازی کر رہی ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم وطن مالوف ہی میں ہوئی۔ پھر علم کی لگن اور خدمت دین کے

جذبے نے آپ کو بہت سے اِسلامی شہروں کا چکر لگوایا؛ چنانچہ دنیا جہان کے فقہا و مشائخ سے آپ نے بھرپور علمی اِستفادہ کیا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف اور معقول و منقول کے تمام چشموں سے اپنی تشنگی شوق بجھائی۔ اور پھر اسلامی دنیا کے عظیم مفسر، جلیل القدر محدث، بے مثال فقیہ، اور قابل رشک صوفی بن کر اُبھرے۔

تصوف کی اُمہات الکتب آپ کو اَزبر تھیں؛ کیوں کہ طبعی رجحان صوفیانہ تھا۔ قلب و باطن کے تزکیہ اور فکر و مزاج کی تعمیر میں خداے بخشندہ نے آپ کو ملکہ تامہ عطا کیا تھا، اور آپ نے اس سلسلے میں اپنے پیچھے اَنمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ زمانہ آج تک اُن سے فیض یاب ہورہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مؤطا امام محمد، اور اَمالی اِمام ابو یوسف بھی آپ کو حفظ تھیں۔

اَئمہ اَحناف میں آپ کا شمار صف اوّل میں ہوتا ہے۔ فقیہ، علامہ اور امام الہدیٰ آپ کے معروف اَلقاب ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آپ اپنے نام سے زیادہ اپنے اَلقاب اور اپنی کنیت 'ابواللیث سمرقندی' سے مشہور و معروف ہیں۔

آپ نے علوم و فنون کی تحصیل میں بہت سے اَساتذۂ وقت کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی جن میں چند کے اَسماے گرامی یہ ہیں: فقیہ ابوجعفر ہندوانی، مفسر شہیر محمد بن فضل بلخی، خلیل بن احمد قاضی۔ جب کہ زیادہ تر علم اپنے والد گرامی محمد بن ابراہیم التوزی علیہم الرحمہ سے حاصل کیا، اور ان کی علمی وراثت کو پوری دیانت کے ساتھ آگے بڑھایا۔

پھر جب آپ نے مسند تدریس بچھائی تو تشنہ کامانِ علم دور دراز سے آ آ کر آپ کے علمی پنگھٹ سے سیراب ہوئے۔ ان میں چند مشاہیر کے نام یہ ہیں: لقمان بن حکیم فرغانی، ابوسہل احمد بن محمد، اور محمد بن عبدالرحمٰن زبیری وغیرہ۔

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گذرا، اور جس موضوع پر بھی آپ نے قلم اُٹھایا حق اَدا کر دیا اور پچھلوں کے لیے نشانِ راہ قائم فرما دیا۔ آپ کی اکثر کتابیں آج بھی اہل علم کے زیر مطالعہ ہیں، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی درس گاہ سجی ہوئی ہے اور آپ اَسرار و نکاتِ علمی کے دریا بہا رہے ہیں۔ آپ کی معروف تصانیف یہ ہیں:

تفسیر القرآن ، تنبیه الغافلین ، بستان العارفین ، خزانة الفقه ، خزانة الأكمل ، حصر المسائل فی الفروع ، دقائق الأخبار فی ذکر الجنة والنار ، شرح الجامع الصغیر فی الفروع ، عیون المسائل ، فتاویٰ وتراجم ، مبسوط فی الفروع ، مختلف الروایة فی مسائل الخلاف ، مقدمة فی الفقه ، نوادر الفقه ، النوازل فی الفقه ، مقدمة الصلوٰة ، تأسیس النظائر الفقهیه ، قرة العیون ومفرح القلب المحزون ، عمدة العقائد ، فضائل رمضان ، شرعة الإسلام ، رسالة فی أصول الدین وغیره .

آپ کے اقوالِ زرّیں آپ کی کتب ومعارف میں ہیرے موتی کی مانند بکھرے ہوئے ہیں۔ جویانِ علم ان پر بخوبی آگاہ ہیں۔ ایک مقام پر آپ نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے روز - ان شاء اللہ - میرے نامہ اعمال میں کوئی عبث چیز نہ ملے گی۔ اور جب سے مجھے اپنے دائیں بائیں ہاتھ کی تمیز آئی ہے، میں نے جھوٹ سے خود کو پاک رکھا ہے۔ اور نہ کسی کے ساتھ قصداً کوئی برائی کی ہے۔

ایمان کی کہیے تو یہ باتیں وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے عرفانِ ذات اور مقامِ خودی نصیب ہوگیا ہو، اور پھر معرفت نفس سے معرفت خداوندی کا فاصلہ ہے ہی کتنا! ۔ جیسے جیسے عرفان وتقرب میں اِضافہ ہوتا جاتا ہے اُس کی خدا خوفی بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور علما تو درحقیقت ہوتے ہی وہ ہیں جن کی زندگی خشیت اَیزدی کی آئینہ دار ہو۔

چنانچہ آپ کے تقویٰ وطہارت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ تجارت کی غرض سے نکلے۔ راستے میں رہزنوں نے آپ کا قافلہ لوٹ لیا۔ اور جب بوجھ کھولا تو کئی ایک بوجھ ایسا پایا کہ ان میں صرف اور صرف ڈھیلا بھرا ہوا تھا۔

وہ حیران ہوکر اہل قافلہ سے اس کی وجہ دریافت کرنے گئے تو انھوں نے کہا کہ فقیہ ابواللیث سے اس کا ماجرا پوچھو؛ کیوں کہ ڈھیلے انھوں نے ہی لادے تھے۔

چنانچہ جب رہزنوں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ڈھیلے ہم نے اِستنجا کے واسطے اپنی مملوکہ زمین سے لا دلیے تھے؛ تاکہ کسی غیر کی زمین سے اِستنجا کے لیے ہمیں ڈھیلے اُٹھانے کی نوبت نہ آئے۔

آپ کی اس بات میں اِتنا دم تھا کہ رہزن سنتے ہی بے دم ہوگئے اوران پر ایسا خوفِ خدا طاری ہوا کہ اپنے پیشے سے تائب ہوکر جادۂ مستقیم پر گامزن ہوگئے، اور قافلہ والوں کا سارا مال واپس کر دیا۔ مردِ سیالکوٹی نے سچ کہا ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ کی تاریخ وصال میں اختلاف ہے۔ الجواہر المضیۃ، الاعلام زرکلی، اور تاج التراجم کے مطابق آپ کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی۔ اور علامہ داؤدی نے طبقات المفسرین میں آپ کا وصال ۳۸۳ھ میں لکھا ہے۔ جب کہ سیر اعلام النبلاء کی شہادت کے مطابق آپ کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ اور یہی عندالعلما معروف ہے۔ اور ہم نے بھی اسی درمیانی سن کا اِعتبار کرتے ہوئے کتاب کے سرورق پر مصنف کی تاریخ وفات درج کی ہے۔

آپ کی وفات کل عالم اسلام کے لیے ایک عظیم خسارہ تھی۔ آپ کے جانے سے ایک عہد سونا ہوگیا۔ کہتے ہیں: **موتُ العالِم موتُ العَالَم** . (یعنی ایک عالم ربانی کی موت دنیا کے مرجانے کی مانند ہے)۔ ظاہر ہے ایسے نابغۂ دہر کے اُٹھ جانے سے سمرقند کے باسیوں پر کیا بیتی ہوگی، وہ بس وہی بتا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سمرقند نے آپ کی وفات حسرت آیات کے غم میں کوئی ایک ماہ اپنی دکانوں کو بند رکھا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔(۱)

---

(۱) فقیہ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے یہ کتابیں دیکھیں:
سیر اعلام النبلاء: ۳۲۲/۱۶...... تاج التراجم: ۳۰۵...... ہدیۃ العارفین: ۴۹۰/۲...... مفتاح السعادۃ: ۱۳۹/۲......الجواہر المضیۃ: ۵۴۵/۳......معجم المولفین: ۹۱/۱۳......الفوائد البہیۃ: ۲۲۰۔ -چریاکوٹی-

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ اَمر مسلم ہے کہ تزکیۂ نفس اور تقویٰ وطہارت کے حصول کے لیے بہت زیادہ تحقیق وتفتیش اور کتابوں کی تسوید وتصنیف کی ضرورت نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ کوئی لکھنے لکھانے کی چیز نہیں بلکہ کرنے اور اپنانے کا کام ہے۔ آج امام غزالی علیہ الرحمہ کی اخلاق وتصوف کا درس دینے والی ساری کتابیں تحقیق کے چولے پہن کر مارکیٹ میں آ گئی ہیں۔ ابن قیم کے فکر آخرت جگانے والے رسائل ہر جا دستیاب ہیں۔ ابن جوزی کی لاجواب تصانیف بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مقبولیت کے مدارج طے کر رہی ہیں۔ اور صوفیہ کرام کے سارے علمی کارنامے ہمارے سامنے ہیں؛ مگر اس کے ساتھ ہی- بدقسمتی سے- زہد وورع، اِیثار وللّٰہیت، دلوں کی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس ناپید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آخر کیوں!۔ یہ ایک چبھتا ہوا سوال ہے جس پر بہت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ذرا سوچیں کہ آج ہم غضِ بصر (نگاہیں نیچے رکھنے) پر گرما گرم بحثیں کرتے ہیں؛ لیکن جب غضِ بصر کا موقع آتا ہے تو ڈھیر اور فیل ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی زہد وقناعت اور ذکر الٰہی کی اہمیت وفضیلت تو خوب بیان کی جاتی ہے؛ لیکن ہماری عملی زندگیاں ٹھیک اس کے اُلٹ ہیں۔ معاشرے کے جس طبقے کو عوام کے لیے اُسوۂ حسنہ بننا تھا وہ بھی صرف گفتار کا غازی بن پایا ہے؛ نہ معلوم کردار کا غازی کب بنے گا؟۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے ہمارے لیے عملی زندگیاں پیش کی تھیں، اور ان کا سارا اِرتکاز عمل پر تھا۔ وہ جو کچھ سیکھتے اسے فوراً رنگ عمل دیتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان کے پاس صرف اللہ کی ایک کتاب تھی اور اس کی عملی تفسیر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ۔ بس یہی دو چیزیں تھیں جنھوں نے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔

لیکن آج ہم لائبریریوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور کتابوں کے ہجوم میں رہنے کے باوجود دنیا کی کایا تو کیا خود اپنے من کی کایا نہیں پلٹ پائے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس سب کچھ ہے، اگر نہیں ہے تو بس ایک 'دولت عمل' نہیں ہے۔ اور اسی ایک کمی نے 'سب کچھ' پر پانی پھیر کر ہمیں مفلس وقلاش کر ڈالا ہے۔

لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں لوگوں کو فکر وعمل کی ترغیب دی جائے اور ان کی عملی تربیت کی جائے؛ وہیں اس سے پہلے خود کو بھی عملی سانچے میں ڈھالا جائے؛ کیوں کہ زبان وگفتار کی تبلیغ کا اَثر اپنی جگہ؛ تاہم کردار کی تبلیغ اس سے کہیں زیادہ سریع الاثر مانی گئی ہے۔

آپ کبھی اس پر غور فرمائیں کہ صحابۂ کرام علم واِدراک اور فضل وکمال کی کس بلندی پر فائز تھے؛ لیکن انھیں تلامیذ النبی نہیں کہا جاتا، گرچہ وہ خوانِ علم نبوت ہی کے خوشہ چیں تھے؛ مگر وہ ایسے کسی لقب پر راضی نہ ہوئے، ایک ہی عنوان اپنے لیے سرمایۂ حیات جانا، اور وہ تھا 'صحابی'۔ کیوں کہ انھوں نے معلم کائنات محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور عمل سے فیض پایا اور یہی وصف اُن پر تاحیات غالب رہا۔

زبان دانی سے لوگوں کو وقتی طور پر مرعوب تو کیا جاسکتا ہے؛ لیکن پاکیزہ اِنقلاب صرف زبان سے نہیں آیا کرتے، اس کے لیے مضبوط علم واِرادہ، غیر متزلزل عزم ویقین، مسلسل حرکت وعمل اور قلب ونظر کو موہ لینے والی بے لوث محبت کی ضرورت ہوا کرتی ہے ؂

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

فقیہ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ کی جملہ تصنیفات وتالیفات کتاب وسنت کی آئینہ دار، فقہ وتصوف کی ترجمان، ترغیب وترہیب کا پیکر مجسم اور اہل اسلام کی خیر خواہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کا اندازِ تحریر اچھوتا اور دل چھوتا ہے۔ آپ خواہ مخواہ فلسفہ وکلام کا

سہارا نہیں لیتے۔ نفس مسئلہ بیان کرتے ہیں اور اسے نصوصِ قرآنی، احادیث نبوی، اقوالِ صحابہ اور ائمہ و مجتہدین کی تائیدات سے مزین کرتے ہیں۔

زیرنظر کتاب 'بستان العارفین' بھی وہی رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے۔ یہ کتاب ہمیں عمل پر مہمیز کرتی ہے، کردار کا غازی بنانا چاہتی ہے، احکامِ اسلام کے چہرے پر جمی ہوئی گرد کو جھاڑتی ہے، اور دینی اَقدار پر جمے رہنے کی حکیمانہ راہ ہموار کرتی ہے۔ نیز چھوٹے بڑے بہت سے مسائل جن کی اِباحت و کراہت پر ہم بازارِ اختلاف گرم کردیتے ہیں اُن کا فقیہانہ حل بھی پیش کرتی ہے؛ اس لیے یہ کتاب عوام و خواص ہر ایک کے لیے یکساں اِفادیت کی حامل ہے۔ مصنف نے متنوع عناوین کے ذریعہ دین اِسلام کے اہم گوشوں کو ان میں سمیٹ دینے کی بہترین اور قابل تحسین کوشش کی ہے۔

اس انداز کی کتاب ذخائر کتب میں مجھے کم دیکھنے کو ملی۔ مصنف نے اس کتاب میں دیگر اہم موضوعات کے علاوہ اِسلام کے معتدلانہ نظام اور تصورِ یسر و آسانی کے مفہوم کے ساتھ اُمت وسط کی شان و عظمت جس حسن و خوبی سے بیان کی ہے وہ یقیناً انھیں کا حصہ ہے۔ مزاجِ شریعت کی اتنی خوبصورت تفسیر اور اختلافِ علمی کی ایسی جاندار تعبیر و تشریح شاید کہیں آپ کو کھوجے سے ملے!۔

یہ کتاب ایک زمانے تک 'تنبیہ الغافلین' کے حاشیے پر قدیم طرز پر چھپتی رہی ہے؛ لیکن نہ معلوم کیوں پھر 'تنبیہ الغافلین' کو اس سے معریٰ کرکے شائع کیا جانے لگا۔ اور صدیوں سے اس کی طباعت و اِشاعت پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب مطبع تو مطبع لوگوں کے حاشیۂ خیال سے بھی نکل گئی۔ آج جب بستان العارفین کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً اِمام نووی کی کتاب کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے؛ کیوں کہ ہم نے اسے ہی دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس کا نہ تو نام سنا اور نہ کام دیکھا۔ خود میں نے پہلی بار جب اس کا نام بستان للسمرقندی سنا تو شش و پنج میں پڑ گیا؛ لیکن پھر حقیقت منکشف ہوگئی۔

جس وقت یہ کتاب ہمیں مکتبہ شاملہ کی مدد سے ملی، تو ہم نے پہلی فرصت میں جستہ

جستہ اس کا مطالعہ کیا، اوراس کی بھرپور اِفادیت کے پیش نظراس کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کی ٹھان لی، اس نیت کے ساتھ کہ ایسی کتاب یقیناً شیدائیانِ اُردو کے لیے عظیم علمی اَرمغان ثابت ہوگی۔ اس کے بعد پھر المصطفیٰ ویب پیج سے تنبیہ الغافلین کے حاشیے پر موجود بستان کا قدیم نسخہ بھی دستیاب ہوگیا، جس سے مقابلے میں ہمیں بڑی آسانی ہوگئی۔ چوں کہ مکتبہ شاملہ کا معاملہ بھی ماشاءاللہ ہی ہے۔

جمادی الاوّل ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء کی کسی شب کو ہم نے توکلاعلی اللہ ترجمے کا آغاز کیا، اور علمی نکات سے محظوظ ہوتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اس دوران بہت سے مشکل اور مغلق مقامات بھی آئے؛ مگر بحمداللہ اُن کی تحلیل کی صورت بھی نکل آئی۔ اس طرح -دیگر بہت سے کاموں کے ساتھ- ایک سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۰/ جون ۲۰۱۳ء کو یہ کتاب تکمیل آشنا ہوگئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اوراب نظر ثانی کرنے کے بعد جامعہ شمس العلوم، گھوسی کے باذوق طلبہ کے اِصرار پر یہ مرحلہ طباعت سے گزرنے جارہی ہے۔

مصنف نے روایتوں کے اندراج میں کافی اِحتیاط سے کام لیا ہے اور بھرپور صحت کا خیال رکھا ہے؛ اسی لیے بیشتر احادیث صحیحین اور صحاحِ ستہ سے نقل کی ہیں۔ احادیث کی تخریج وتحقیق کا کام میں نے اپنی علمی پونجی کے مطابق جہاں تک ہوسکا کردیا ہے، جو احادیث نہیں مل سکیں وہ مصنف کی صواب دید اور حسن نیت پر چھوڑ دی ہیں۔ واللّٰہ من ورَاء القصْدِ وهو يهدى السبيل .

ایک ایسے وقت میں جب کہ دین کی تعبیر وتشریح -اس کے مزاج وتعلیم کے خلاف- سختی وتنگی کے ساتھ کی جارہی ہو اور مسلمانوں کو ایک منظّم سازش کے تحت شریعت بیزاری اور تنفر دینی کے طوفانِ بدتمیزی کی طرف ڈھکیلا جارہا ہو، اِس قسم کے صالح لٹریچر اور سنجیدہ کتابوں کو فروغ دینے کی اہمیت واِفادیت صدآتشہ ہوجاتی ہے۔

تو لیجیے کتاب حاضر خدمت ہے، مطالعہ فرمایئے اوراس کے شاہدِ معنی سے محظوظ ہویئے،

’صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے‘۔ نیز دوستوں کو ہدیۂ پیش کیجیے کہ یہ بھی خدمت علم ہی ہے، اور مصنف ومترجم وناشر کو اپنی دعاؤں میں یاد کرنا نہ بھولیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو، اور اپنے حفظ وامان کی چادر ہم پر سدا سایہ کناں رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

اخیر میں شکرگزار ہوں ان جملہ احباب کا جنھوں نے مجھے اس ترجمہ کی تسوید تک حوصلہ افزائی کی گھنی چھاؤں عطا کی، اور اس کتاب کی تکمیل میں اپنا گراں قدر علمی وفکری تعاون پیش کیا، اور کارِ خیر پر معاونت ہی دراصل ان کا شیوہ ومسلک ہے۔ خدا میرے ان محسنوں اور کرم فرماؤں کی عمر وعلم میں بے پایاں برکتیں اُتارے۔

خصوصاً محبّ گرامی قدر محمد ثاقب رضا قادری صاحب صمیم قلب سے مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے ازاوّل تا آخر مجھے تحریک دیتے ہوئے میرے حوصلے کو توانا رکھا۔ رفیق بے مثال مولانا کمال شمسی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جن کی تحریک سے جامعہ شمس العلوم گھوسی کے طلبہ نے اس کی اِشاعت کو یقینی بنایا۔ خدا انھیں جگ جگ سلامت رکھے۔

انسانی کوشش میں کوتاہی اور کمی رہ جانا عین ممکن ہے؛ اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی کتاب کی صحتِ تمام کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا قارئین باتمکین سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں ترجمے میں کوئی سقم وخطا نظر آئے یا کوئی مفید مشورہ ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں؛ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ وماتوفیقی اِلا باللہ العلیم الکریم، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہ وصحابتہ اجمعین۔

ناکارۂ خلائق

محمد افروز قادری چریاکوٹی

جمعرات: ۱۳؍شعبان ۱۴۳۴ھ ...... ۲۱؍جون ۲۰۱۳ء

جامعۃ المصطفیٰ؍دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
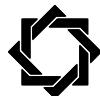
وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۂ ذاریات:۵۱/۵۵)

اور آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بے شک نصیحت مؤمنوں کو فائدہ دیتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمد لہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، ولا حول ولا قوة إلا باللّٰہ العلی العظیم، وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین، وعلی آلہ الطیبین، وعلی جمیع الأنبیاء والمرسلین، وعلی عباد اللّٰہ الصالحین من أھل السموات والأرضین .

یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع۔ تمام خوبیاں اُسی کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (اچھی) عاقبت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، جو بڑا بزرگ و برتر ہے۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں حضور سیدنا محمد ﷺ پر۔ جو کہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ اور اُن کی آلِ اطہار پر، ساتھ ہی آسمان وزمین میں موجود جملہ انبیا و مرسلین اور بندگانِ صالحین پر بھی۔

حضرت فقیہ زاہد ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں علم کے ایسے شہ پارے جمع کر دیے ہیں کہ جن کو جانے بغیر نہ کسی عالم کا گزارا ہے، اور نہ ہی عام و خاص کا۔ یہ جواہر پارے میں نے بہت سی کتابوں سے اَخذ کیے ہیں، اور اس میں قارئین و شائقین کی علمی دلچسپی کا ہر ممکن سامان کیا ہے۔ اور ہر بات قرآن وحدیث اور اخبار و آثار کی روشنی میں مدلل کی ہے۔

ہاں! سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے پیچیدہ بحثوں، اور حدیث کی طویل سندوں کو میں نے قصداً حذف کر دیا ہے کہ قارئین دورانِ قراءت کسی الجھن کے شکار نہ ہوں، اور بیش از بیش لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ خدائے بخشندہ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ مجھے اس کا پورا پورا اَجر عطا فرمائے گا۔ اور میں نے اس کتاب کا نام 'بستان العارفین' رکھا ہے۔ اور میں اللہ ہی سے توفیق خیر کا سوال کرتا ہوں، جس کا عطا کر دینا اسے بہت آسان ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور وہ بہترین حامی و ناصر ہے۔

باب نمبر 1 : طلب علم کی فضیلت

یاد رہے کہ علم کا اِس حد تک سیکھنا کہ جس سے دینی اُمور بخوبی انجام دیے جا سکیں ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے؛ مثلاً وضو، نماز اور دیگر عبادات و معاملات کے اَحکام۔ اس کے علاوہ دیگر چیزوں کا علم حاصل کرنا فرض نہیں ہے، ہاں افضل ہے؛ لیکن اگر نہ بھی سیکھے تو اُس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ 'بقدرِ حاجت علم سیکھنا فرض ہے' اس پر دلیل قرآن کریم کا یہ اِرشاد ہے :

فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ نحل:۱۶/۴۳...... سورۂ انبیاء:۲۱/۷)

تو تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو، اگر تم (خود) نہ جانتے ہو۔

نیز دوسری آیت میں کفار کی حکایت میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (سورۂ ملک: ۶۷/۱۰)

اور کہیں گے: اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں (شامل) نہ ہوتے۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں بتایا کہ وہ جہنم رسید اپنی جہالت کی وجہ سے ہوئے۔

حضرت مکحول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة . (۱)

یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد (اور عورت) پر فرض ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں یوں اِرشاد ہے :

اطلبوا العلم ولو بالصين فان طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة . (۲)

یعنی علم کو طلب کرو اگر چہ چین جانا پڑے؛ کیونکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں :

عليكم بالعلم قبل أن يقبض وقبضه أن يذهب أصحابه، و عليكم بالعلم فإن أحدكم لا يدرى متى يفتقر اِليه . (۳)

یعنی علم کو حاصل کرو اس سے پہلے کہ وہ اُٹھالیا جائے۔ اور علم کا اُٹھایا جانا یہ ہے کہ اس کے جاننے والے (علما) رخصت ہو جائیں۔ اور تمہیں اس لیے بھی علم سیکھنا چاہیے کہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کب اُسے علم کی ضرورت پڑ جائے۔

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱/۸۱ حدیث: ۲۲۴...... شعب الایمان: ۱/۲۵۳ حدیث: ۱۶۶۳۔

نوٹ: بہت سی اُمہاتِ کتب حدیث میں یہ روایت آئی ہے؛ لیکن اس کم سواد کو کہیں بھی ’**ومسلمة**‘ کا لاحقہ نہیں ملا۔ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس..... **على كل مسلم** تک ہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی نے تشریح حدیث کے طور پر ’**ومسلمة**‘ کے لفظ کا اِضافہ کیا ہوگا، اور پھر وہ آگے چل کر اس لاحقے کے ساتھ ہی روایت ہوتا چلا گیا۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ -چریاکوٹی-

(۲) شعب الایمان بیہقی: ۴/۱۷۴ حدیث: ۱۶۱۲...... جمع الجوامع سیوطی: ۱/۳۹۲۶ حدیث: ۴۲۔

نوٹ: یہ روایت بھی ’ومسلمۃ‘ کے لاحقے کے بغیر اُمہات کتب حدیث میں موجود ہے۔ -چریاکوٹی-

(۳) مسند دارمی: ۱/۱۶۵ حدیث: ۱۴۵...... مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۵۲ حدیث: ۲۰۴۶۵۔

ضرورتِ شرعیہ سے زیادہ علم سیکھنے میں اہل علم کی مختلف آرا ہیں :

بعضوں نے کہا کہ ضرورت بھر علم سیکھ لینے بعد اُسے چاہیے کہ اب اس کو رنگ عمل دینے کی کوشش کرے، اور مزید سیکھنے کی طلب ترک کردے۔

اور کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ضرورتِ شرعیہ سے زیادہ سیکھنا اس شرط کے ساتھ افضل ہے کہ اس کے فرائض کی اَدائیگی میں نقصان نہ آنے پائے۔ اور یہی قولِ صحیح ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل یہ روایت ہے کہ جعفر بن برقان نے میمون بن مہران سے روایت کیا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

ویل للذی لا یعلم مرۃ وویل للذی یعلم ولا یعمل بہ سبع مرات . (۱)

یعنی اگر کسی کو کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس کے لیے ایک بار ہلاکت ہے، اور اگر علم ہو؛ مگر اس پر عمل پیرا نہ ہو تو پھر اس کے لیے سات بار ہلاکتیں ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

من عمل بما یعلم شغلہ اللّٰہ تعالیٰ عما لا یعلم .

یعنی اپنے علم پر عمل کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ مزید علم سے بے نیاز کردے گا۔

یعنی اس کے لیے وہی علم کافی ہوجائے گا۔ اس لیے کہ عمل کرنے میں اپنی ذات کا نفع ہے، اور زیادہ سیکھنا غیر کے لیے ہوتا ہے؛ لہٰذا دانائی اسی میں ہے کہ اپنی ذات کے نفع میں مشغول ہوا جائے؛ اور اپنی گردن کو (آتش جہنم سے) بچانے کی تدبیر کی جائے۔

دوسرے گروہ کی دلیل بھی فرمانِ خداوندی ہے :

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۲۳۵ حدیث: ۳۵۶۲۳۔ لیکن مصنف کی اس روایت میں سبع کی بجائے ست کا لفظ وارد ہوا ہے۔ یعنی ایسے شخص کے لیے چھ بار ہلاکتیں ہیں۔ -چڑیا کوٹی-

فَلَولاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ o (سورۂ توبہ:۹/۱۲۲)

تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقُّہ (یعنی خوب فہم وبصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ اُن کی طرف پلٹ کر آئیں۔

سورۂ زمر میں ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ o (سورۂ زمر:۳۹/۹)

فرمادیجیے: کیا جولوگ علم رکھتے ہیں اور جولوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں؟۔

سورۂ آلِ عمران میں ہے :

وَلٰكِنْ كُوْنُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ o (سورۂ آلِ عمران:۳/۷۹)

بلکہ (وہ تو یہ کہے گا) تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔

مفسرین یہاں پرُ ربانیین‘ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ُفقہا اور علما ہوجاؤ‘۔

حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

فضل العلم خير من فضل العبادة و ملاک دينكم الورع.(۱)

یعنی علم کا زیادہ ہونا عبادت کے زیادہ ہونے سے بہتر ہے، اور اِس دین کا دارومدار پرہیزگاری پر ہے۔

(۱) مستدرک حاکم:۱/۳۰۵حدیث: ۲۸۹......معجم اوسط طبرانی:۹/۱۶۰حدیث: ۴۱۰۷......شعب الایمان بیہقی:۱۰/۱۸حدیث:۸۲۴۵......مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۲۸۴حدیث:۲۶۱۱۵۔

حضرت حسن بصری بیان فرماتے ہیں :

من العمل أن يتعلم الرجل العلم فيعلمه الناس .

یعنی یہ بھی عمل ہی کی ایک قسم ہے کہ علم سیکھ کر دوسروں کو سکھایا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

افضل العمل أن يتعلم الرجل العلم فيعلمه الناس .

یعنی افضل عمل یہ ہے کہ علم سیکھ کر پھر دوسروں کو سکھایا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں :

تذاكر العلم ساعة من الليل أحب إلى الله من إحياء ها .

یعنی رات (کی تنہائی) میں گھڑی بھر کا علمی مذاکرہ اللہ کے نزدیک ساری رات جاگنے (یعنی نماز وغیرہ پڑھنے) سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عوف بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ میرا اِرادہ علم سیکھنے کا ہے؛ لیکن اس بات کا خوف ہے کہ میں کہیں اسے ضائع نہ کردوں اور اس پر عمل نہ کرسکوں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً اِرشاد فرمایا :

انک إن تتوسد بالعلم خير لک من أن تتوسد بالجهل .

یعنی تیرا علم کو تکیہ بنالینا اِس سے کہیں بہتر ہے کہ تو جہالت کو تکیہ بنائے۔

پھر وہ شخص حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہی سوال کیا، تو حضرت ابوالدردا نے فرمایا :

إن الـناس يبعثون يوم القيامة من قبورهم على ما ماتوا عليه، العالم عالما والجاهل جاهلا .

یعنی لوگ اپنی اپنی قبروں سے اسی حالت میں قیامت کو اُٹھیں گے جس

حالت پر مرے تھے، گویا عالم، عالم اور جاہل، جاہل (ہی اُٹھے گا)
پھر اس شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بعینہٖ یہی سوال پوچھا تو آپ نے فرمایا :

كفى بتركه ضياعها .

یعنی علم کا ترک کرنا اس کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے۔
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں :

الناس رجلان عالم رباني ومتعلم على سبيل النجاة وسائرهم همج رعاع أتباع كل ناعق يميلون مع كل ريح، والعلماء باقون ما بقي الدهر وأعيانهم مفقودة وأمثالهم في القلوب موجودة .

یعنی دنیا میں نجات کے راستے پر دو ہی طرح کے لوگ ہیں: عالم ربانی۔اور متعلّم۔ اور باقی کمینے، نالائق، ہر آواز دینے والے کے پیچھے لگ جانے والے، اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ جھک جانے والے ہیں۔اور اہل علم رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔اُن کی ذاتیں اگرچہ مفقود ہیں مگر اُن کے مثل دلوں میں موجود ہیں۔

اور یہ اس لیے بھی کہ عمل کا فائدہ خاص اس کی اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے؛ مگر علم کی اِفادیت اپنے بیگانے سب کے لیے ہوتی ہے۔بس اسی لیے یہ افضل ہے۔
یہی وجہ ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

خير الناس من ينفع الناس . (۱)

یعنی لوگوں میں بہتر وہ ہے جو دوسروں کے لیے نفع رساں ہے۔

---

(۱) کنز العمال:۱۲۸/۱۶......جامع الاحادیث سیوطی:۴۳۰/۳۴۔

نیز روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟۔

آپ نے فرمایا: **العلم**. یعنی علم۔

پوچھنے والے نے یہی سوال تین مرتبہ پوچھا، اور تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر مرتبہ وہی پہلا جواب مرحمت فرمایا۔

پھر اُس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں عمل کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا :

هل يقبل الله الأعمال الا بالعلم

یعنی اللہ تعالیٰ اعمال کو علم کے ساتھ ہی قبول فرماتا ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن أفضل ما يتصدق به العبد أن يتعلم العلم و يعلمه غيره .

یعنی ایک شخص کے حق میں افضل صدقہ یہ ہے کہ وہ علم کو سیکھ کر دوسروں کو سکھائے۔

علم کی اہمیت وفضیلت میں اور بھی بہت سی احادیث آئی ہیں۔

باب نمبر 2 : علم لکھ کر محفوظ کیا جائے

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض علما نے کتابت علم کو مکروہ بتایا ہے؛ جب کہ جمہور اہل علم نے اس کے مباح ہونے کا قول کیا ہے۔

کتابت علم کو مکروہ بتانے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت حسن بصری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں

عرض کیا: یارسول اللہ! یہودی ہم سے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا (ہم) ان میں سے بعض باتیں لکھ نہ لیا کریں؟۔

یہ سن کر آپ نے حضرت عمر فاروق کی طرف کچھ ناراضگی سے دیکھا اور فرمایا :

أ متھوکون أنتم کما تھوکت الیھود والنصاری، لقد جئتکم ببیضاء نقیة، و لو کان موسٰی حیا ما وسعه إلا اتباعی . (۱)

یعنی تم بھی (اپنے دین میں) اسی طرح حیران و ششدر ہو جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے دین میں متحیر تھے۔ یاد رہے کہ میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف دین لایا ہوں۔ اور اگر (آج) حضرت موسیٰ (حیاتِ ظاہری کے ساتھ) زندہ ہوتے تو میری اِتباع کے بغیر انہیں چارہ نہ ہوتا۔

کسی نے حضرت حسن بصری سے دریافت کیا کہ '**المتھوکون**' کے کیا معنی ہیں؟ تو فرمایا: '**المتحیرون**' یعنی متحیر و متردد لوگ۔

حضرت عطا بن یسار' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتابت علم کی اجازت مانگی؛ مگر انھیں اجازت ملی نہیں۔

حضرت حسن بن مسلم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کتابت علم سے منع کرتے ہوئے فرماتے تھے :

إنما ضل من کان قبلکم بالکتابة .

یعنی پہلی امتیں کتابت کی وجہ سے گمراہ ہوئیں۔

ابن ابی الدردا اپنے والد حضرت ابوالدردا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی بارگاہ میں ان کے شاگرد آ کر عرض کرنے لگے کہ ہم نے جو آپ

(۱) شعب الایمان بیہقی:۱/۱۹۴ حدیث:۱۷۳......شرح السنۃ بغوی:۱/۱۱۶......جمع الجوامع سیوطی:۱/۱۶۲۱۶۔

سے علم لکھا ہے، کیا اسے دوبارہ آپ کے سامنے پیش کریں؛ تاکہ آپ ہمیں اس کی تشریح فرمائیں؟۔

فرمایا: ہاں!۔ چنانچہ جب وہ اس کو لے کر آئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے کتاب لے کر پانی سے دھوڈالی اور پھر ان کو واپس کردی۔

حضرت فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں راز یہ تھا کہ کتاب کی موجودگی میں کہیں یہ لوگ اسی پر اعتماد نہ کر بیٹھیں، اور حفظ وضبط کرنا چھوڑ دیں۔ پھر اگر وہ کتاب کسی وجہ سے گم ہو جائے تو علم سے تہی دامن رہ جائیں گے۔ اور اس لیے کہ کتاب میں زیادتی اور تغیر ممکن ہے؛ لیکن حفظ اور یادداشت میں کوئی زیادتی وتغیر نہیں کرسکتا۔ نیز یہ کہ حافظ یقین کے ساتھ کلام کرتا ہے؛ مگر کتاب سے باتیں بتانے والا بلا حفظ؛ محض ظن وتخمینہ کا سہارا لے کر خبر دیتا ہے۔

کتابت علم کو جائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کوئی صحابی مجھ سے زیادہ نہیں جانتا تھا سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو کے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت ابن جریج بن معرور سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جو آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا انہیں لکھ لیا کریں؟۔ فرمایا: **نعم**. ہاں (لکھ لیا کرو)۔

میں نے عرض کی کہ خوشی کے وقت کی یا غصہ کے وقت کی؟۔

فرمایا: **نعم، فإني لا أقول فيها إلا حقا.** ہاں (دونوں وقتوں کی) کیونکہ میں تو دونوں وقتوں میں حق ہی کہتا ہوں۔(۱)

---

(۱) معجم کبیر طبرانی: ۹۶/۲۰ حدیث: ۱۴۲۷...... معجم اوسط طبرانی: ۱۷/۴ حدیث: ۱۶۱۱۔

حضرت معاویہ بن قرۃ فرماتے ہیں :

من لم يكتب علماً فلا يعد علمه علماً .

یعنی جو اپنے علم کو لکھ کر محفوظ نہیں کرتا تو اس کا علم، علم ہی شمار نہیں کیا جاتا۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے قرونِ اولیٰ کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی خبر دیتے ہوئے یوں فرمایا :

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى o (سورۂ طہٰ: ۵۲/۲۰)

(موسیٰ نے) فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں (محفوظ) ہے، نہ میرا رب بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

حضرت ربیع بن ابی انیس اپنے دادا زید وزیاد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں حضرت سلمان کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سلمان رات بھر حدیثیں بیان کرتے رہے اور یہ دونوں صبح تک لکھتے رہے۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں :

لايعجزن أحدكم أن يكون عنده كتاب من هٰذا العلم .

یعنی تم میں سے کسی کو یہ بات عاجز نہ کردے کہ اس کے پاس ان علوم کی کتابیں ہوں۔

نیز یہ کہ کتابت میں سب مبتلا ہیں، اب اگر کوئی شخص نہیں لکھتا تو اس سے علم جاتا رہے گا۔ اور اگر لکھتے رہنے کا فائدہ یہ ہے کہ بھول چوک کی صورت میں فوراً کتاب سے دیکھ لیا کرے گا۔

امام ابو یوسف کی مشہور حکایت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جب وہ امام محمد پر کتابت علم کی وجہ سے خفا ہوئے تو امام محمد نے جواب میں فرمایا :

إنـي خفت ذهاب العلم لأن النساء لا يلدن مثل ابي يوسف، و لأن الأمة قـد تـوارثـت كتـابة الـعلـم ولأن صـاحب الخط مسرور و صاحب الحفظ مفرور.

یعنی میں تو علم کے جاتے رہنے سے ڈرتا ہوں؛ اس لیے کہ عورتیں ہمیشہ ابو یوسف جیسے بچے نہیں جنیں گی۔ اور اس لیے بھی کہ امت ہمیشہ سے علم کو لکھتی رہی ہے۔ نیز یہ کہ کتاب والا (اپنی کتاب پر) مسرور رہتا ہے اور حفظ والا اپنی یاد پر مفرور رہتا ہے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مـا رأه الـمسـلـمـون حسـنـا فهـو عند اللّٰه حسن، و ما رآه المسلمون شيناً فهو عند اللّٰه شين . (۱)

یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :

لاتجتمع أمتي على الضلالة أبداً . (۲)

یعنی میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

نیز یہ کہ جب وہ کتاب نسلاً بعد نسل چلتی رہے گی تو وہی حق الیقین کے ساتھ سبیل المومنین قرار پائے گی۔ اسی مفہوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں پیش فرمایا ہے:

أصحابي كالنجوم الزاهرة بأيهم اقتديتم اهتديتم .(۳)

(۱) مستدرک حاکم:۱۰/۲۵۷حدیث:۴۴۳۹...... مسند طیالسی:۱/۲۵۵حدیث: ۲۴۰...... مسند احمد بن حنبل:۸/۱۹۴حدیث:۳۶۶۷......معرفۃ السنن والآثار بیہقی:۱/۳۷......شرح السنۃ:۱/۹۹۔

(۲) مستدرک حاکم:۱/۳۸۰حدیث:۳۶۰......معجم کبیر طبرانی:۱۱/۷۸حدیث:۱۳۴۴۸۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح:۳/۳۱۰حدیث: ۶۰۰۹ ......الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ:۲/۲۲۰حدیث: ۷۰۹۔ 'الزاہرۃ' کا لفظ حدیث کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ -چریاکوٹی-

یعنی میرے صحابہ چمکتے ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جن کی بھی پیروی کر لی جائے ہدایت نصیب ہو جائے گی۔

حضرت نافع، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اکتبوا هذا العلم من كل غني وفقير، ومن كل صغير وكبير، ومن ترك العلم من أجل أن صاحب العلم فقير أو أصغر منه سناً فليتبوأ مقعده في النار .

یعنی اِس علم (کی روایت) کو امیر و غریب، اور چھوٹے بڑے ہر کسی سے لکھو۔ کیوں کہ اگر کسی نے علم کو صاحبِ علم کی غربت یا صغر سنی کے باعث ترک کر دیا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

باب نمبر 3 : فتویٰ کے بیان میں

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علما نے فتویٰ دینے کو مکروہ کہا ہے، جب کہ جمہور اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ شخص فتویٰ دینے کا اہل ہو۔

پہلا گروہ دلیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پیش کرتا ہے :

أجرؤكم على النار أجرؤكم على الفتوى . (۱)

یعنی تم میں سے آگ پر زیادہ جرأت والا وہ شخص ہے جو فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہے۔

---

(۱) سنن دارمی: ۱/۱۸۰ حدیث: ۱۵۹؛ مگر الفاظ حدیث یوں ہیں: أجرؤكم على الفُتيا أجرؤكم على النار ۔ اور دیگر کتب میں بھی یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں: کنز العمال: ۱۰/۱۸۴ حدیث: ۲۸۹۶۱...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱/۳۹۱ حدیث: ۶۱۵۔ -چڑیا کوٹی-

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا :

ھذا خیر لکم و شر لی .

یعنی یہ تمہارے حق میں بہتر، اور میرے واسطے برا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام کو اس حال میں پایا کہ ان میں سے کوئی محدث تھا تو اس کی تمنا یہ ہوتی کہ میری بجائے کوئی اور بھائی حدیث بیان کرے۔ اور مفتی کو یہ خواہش ہوتی کہ میری جگہ کوئی دوسرا ساتھی فتویٰ دے۔ حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے فرمایا :

إنـمـا يـفتي الناس أحد ثلاثة من يعلم ما نسخ من القراٰن، أو أمير لا يجد بداً من ذٰلک، أو أحمق متكلف .

یعنی فتویٰ دینا صرف تین لوگوں میں سے ایک کا کام ہے: یا تو وہ شخص جو قرآنِ مجید کے ناسخ و منسوخ کو جانے، یا امیر کہ اس کو فتویٰ دیے بغیر کوئی چارہ نہیں، یا احمق تکلف کرنے والا۔

چنانچہ حضرت ابن سیرین سے جب بھی کوئی فتویٰ پوچھتا تو فرماتے :

لست بأحد هٰذين و أكره أن أكون الثالث .

یعنی میں پہلے دونوں میں سے تو ہوں نہیں، اور تیسرا بننا نہیں چاہتا!۔

فتویٰ دینے کو جائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ، زید بن خالد اور شبل بن معبد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم تینوں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اتنے میں ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق فرما دیں۔

یہ سن کر اس کا مدمقابل کھڑا ہوا جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا، اور بولا: اس نے سچ کہا ہے۔ آپ ہمارے مقدمہ میں کتاب اللہ کے موافق حکم ارشاد فرمائیں، اور اجازت دیں

تا کہ مقدمہ کی پوری صورتحال آپ کے سامنے پیش کروں۔

آپ کی اجازت پا کر وہ یوں گویا ہوا: (یارسول اللہ!) میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدوری کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کر لی ہے۔

میں اس کے بدلہ میں اس کو سو بکریاں اور ایک غلام دے چکا ہوں۔ پھر میں نے علما سے اس بابت دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے، اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أنا والذی نفسی بیده لأقضین بینکما بکتاب اللّٰه تعالىٰ، أما غنمک وخادمک فرد إلیک، وجلد ابنه مائة جلدة وغربة عام .

یعنی مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اب میں تمہارے مقدمے میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرتا ہوں۔ تیری بکریاں اور غلام تو تیری طرف واپس ہیں، اور اس کے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

پھر آپ نے حضرت ناجیہ اسلمی کو حکم فرمایا کہ کسی دوسرے شخص کی بیوی سے جا کر پوچھو، اگر وہ واقعتاً اقرارِ زنا کرے تو اس کو رجم کیا جائے۔(۱)

اس حدیث میں فتویٰ دینے کے جواز کی دلیل ہے کہ اس شخص نے عرض کی: میں نے علما سے پوچھا، اور انہوں نے مجھے فتویٰ دیا، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فتویٰ دینے پر انکار بھی نہیں فرمایا۔

---

(۱) مسند شافعی:۱۸۳/۲حدیث:۷۴۰...... مصنف عبدالرزاق:۳۱۱/۷حدیث:۱۳۳۱۰......مستخرج ابن عوانہ:۳۸۱/۱۲حدیث:۵۰۸۹......صحیح ابن حبان:۳۷۳/۱۸حدیث:۴۵۱۴......سنن کبریٰ بیہقی:۲۱۲/۸۔

نیز اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ فتویٰ دینا جائز ہے، اگر چہ اس مفتی سے زائد علم رکھنے والا شخص موجود ہو۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ اگر محرم (یعنی احرام کی حالت میں) کوئی شخص شتر مرغ کا انڈا توڑ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔ فرمایا: ہر انڈے کے بدلے ایک اونٹ کا بچہ قربان کرے۔

پھر وہی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور اسی مسئلے کے بارے عرض گزار ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

قد قال لک علی سمعت و لکن هلم إلی الرخصة فعلیک بکل بیضة إطعام مسکین . (۱)

یعنی جو کچھ علی نے کہا میں نے سن لیا ہے؛ لیکن تو رخصت اور آسانی کی طرف آ۔ جا تجھ پر بس اتنا ہے کہ ہر انڈے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بحرین میں کسی نے ان سے سوال کیا کہ اگر حلال (یعنی غیر محرم) نے شکار کو ذبح کیا اور محرم اسے کھالے، تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

فرمایا: جائز ہے۔

جب حضرت ابو ہریرہ؛ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔

اس پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو قلت غیر هٰذا لفعلت بک کذا و کذا .

(۱) مصنف عبدالرزاق:۴/۴۲۰ حدیث:۱۳۳۱۰......معرفۃ السنن والآثار بیہقی:۹/۲۵ حدیث: ۳۳۰۱......مسند احمد بن حنبل:۴۴/۴۷۳ حدیث:۲۱۱۲۴......سنن دار قطنی :۶/۳۴۷ حدیث:۲۵۸۶۔

یعنی اگر تو اس کے علاوہ کچھ اور کہتا تو میں تیرے ساتھ ایسا ایسا کرتا، (یعنی سختی سے پیش آتا)۔

یوں ہی صحابۂ کرام حوادث میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور یہی (صدیوں سے) مسلمانوں کا طریقہ چلتا آرہا ہے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ o (سورۂ نحل:۱۶/۴۳...... سورۂ انبیاء:۲۱/۷)

تو تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو، اگر تم (خود) نہ جانتے ہو۔

تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کو اہل علم سے پوچھنے کا حکم فرمایا ہے، یوں ہی علما کو بھی حکم ہے کہ جب کوئی ان سے مسئلہ دریافت کرے تو فوراً سوال کا جواب دیں۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے تین عقل مند لوگوں کو اکٹھا کیا، تا کہ پتا چل سکے کہ ان میں سب سے زیادہ دانش ور کون ہے۔ چنانچہ اس بات پر اتفاق ہوا کہ سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو وہی باتیں بتائے جو اسے معلوم ہیں۔

باب نمبر 4 : فتویٰ کون دے؟

فقیہ ابواللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کسی شخص کو اس وقت تک فتویٰ دینے کی اجازت نہیں، جب تک اسے اقوالِ علما یعنی امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کے اقوال کی معرفت نہ ہو۔ نیز اسے یہ بھی پتا ہو کہ علما نے اس بات کا اِستخراج کہاں سے کیا ہے، مستزاد یہ کہ وہ لوگوں کے معاملات پر بھی آگاہی رکھتا ہو؛ کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو علما کے اقوال اور ان کے مذاہب کو تو خوب جانتے ہیں؛ مگر لوگوں کے معاملات سے نابلد ہوتے ہیں۔

اب اگراس سے کسی ایسے مسئلے کی بابت پوچھا گیا جس کا علم اسے ہے کہ ائمہ مذاہب اس پر متفق ہیں، تو اس کے اسے 'جائز' یا 'ناجائز' کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کا یہ قول علی سبیل الحکایۃ شمار ہوگا۔

لیکن اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں علما نے اختلاف کیا ہے، اور پھر وہ یوں کہے کہ 'یہ فلاں امام کے نزدیک جائز ہے اور فلاں امام کے نزدیک ناجائز'، تو اس میں بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی عالم کے قول کو بغیر اس کی دلیل جانے اختیار کر لے۔

حضرت عصام بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ میں ماتم میں تھا، جہاں امام اعظم ابو حنیفہ کے چار شاگرد زفر بن ہذیل، ابو یوسف، عاقبہ بن یزید اور ایک اور شخص۔ بعضوں نے کہا: وہ حسن بن زیاد تھے۔ تو وہ سب جمع ہوگئے، اور سب نے بالاتفاق یہ فرمایا کہ کسی شخص کو ہمارے قول پر ہماری دلیل جانے بغیر فتویٰ دینا حلال نہیں۔

حضرت ابراہیم بن یوسف' امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا .

یعنی کسی شخص کو ہمارے قول پر فتویٰ دینا حلال نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

حضرت عصام بن یوسف سے کسی نے کہا کہ آپ ابو حنیفہ کا بہت خلاف کرتے ہیں۔ فرمایا: ہاں اس لیے کہ ابو حنیفہ کو جو علم تھا وہ ہم کو نصیب نہیں، اور جو اُن کا فہم تھا وہ ہم کو میسر نہیں، ہم کو جتنی فہم دی گئی ہے وہ ظاہر ہے اور جب تک کہ ان کے قول کو سمجھ نہ لیں، فتویٰ نہیں دے سکتے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مفتی ہو، یا مسلمانوں کے کسی کام کا متولی ہو، یا مخلوق اس کی معتقد ہو، تو اس کو چاہیے کہ مخلوق کی حاجت روائی کرے اور (نامراد) انھیں واپس نہ پھیرے، اِلا یہ کہ کوئی عذر ہو، تاہم نرمی اور حلم کا مظاہرہ کرے۔

حضرت قاسم بن محمد‘ ابن ابی مریم سے روایت کرتے ہیں اور ان کو صحابہ کرام کی معیت میسر تھی، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من ولی من أمور المسلمین شیئا واحتجب دون خلتهم و حاجتهم و فاقتهم احتجب اللّٰه یوم القیمة دون خلته و حاجته و فاقته . (۱)

یعنی جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا انچارج ہو، اور وہ لوگوں کی حاجت اور تنگی اور فاقہ کی تدبیر نہ کرے، اور خلوت میں بیٹھا رہے تو قیامت میں اللہ اس کی تنگی، تکلیف اور حاجت کی کچھ پرواہ نہ کرے گا۔

لٰہذا ایک مفتی کو چاہیے کہ متواضع اور نرم خو ہو، جابر و تندخو، درشت رو اور سخت دل نہ ہو؛ اس لیے کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا ہے :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ؕ (سورۂ آل عمران:۳/۱۵۹)

(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی:۲۲/۹ حدیث:۲۴۱۴۸......کنزالعمال:۶/۱۸ حدیث:۱۴۶۴۵۔

باب نمبر 5 : اِختلاف کا اِسلامی تصور

فقیہ ابواللیث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علما نے مختلف فیہ مسائل میں کلام کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں قولِ صواب ہیں اور یہ فرقہ معتزلہ کا قول ہے۔ جب کہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ ایک قولِ صواب ہے اور دوسرا خطا؛ مگر خطا کرنے والے پر گناہ نہیں۔ اور یہی قول درست ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کے کھجور کے باغ کو کاٹ ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ابولیلیٰ مازنی چن چن کر عجوہ کھجور کے درخت کاٹتے تھے، اور عبداللہ بن سلام دوسری قسم کے۔

ابولیلیٰ سے کسی نے پوچھا کہ آپ عجوہ ہی کیوں کاٹ رہے ہیں؟ فرمایا: اس لیے کہ اس میں دشمنوں کا نقصان زیادہ ہے۔ اور عبداللہ بن سلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ دوسری قسم کی کھجور کیوں کاٹ رہے ہیں، تو انھوں نے فرمایا: اس لیے کہ یہ درخت اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہو گئے؛ سو میرا جی چاہتا ہے کہ عجوہ جو عمدہ کھجور ہے، باقی رہے، تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی :

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفَاسِقِيْنَ o (سورۂ حشر:۵/۵۹)

(اے مومنو! یہود بنونضیر کے محاصرہ کے دوران) جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا تم نے انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ سب) اللہ ہی کے حکم سے تھا اور اس لیے کہ وہ نافرمانوں کو ذلیل و رسوا کرے۔

تو اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دونوں کا فعل پسند کیا۔

دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ اِن دونوں میں فیصلہ کرؤ۔

یہ سن کر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کے ہوتے ہوئے میں فیصلہ کروں؟ فرمایا: ہاں۔ انھوں نے پھر عرض کی: یارسول اللہ! اس میں مجھے کیا فائدہ ہے؟۔ اِرشاد فرمایا :

علی انک إن أصبت فلک عشر حسنات و إن أخطأت فلک أجر واحد . (۱)

یعنی تیرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر تیرا فیصلہ حق واقع ہوا تو تمہیں دس نیکیاں ملیں گی، اور اگر خطا ہوا تو ایک نیکی ملے گی۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان سے آشکارا ہوگیا کہ مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ، فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَانَ ... o (سورۃ انبیا:۲۱/۷۸تا۷۹)

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کا قصہ بھی یاد کریں) جب وہ دونوں کھیتی (کے ایک مقدمہ) میں فیصلہ کرنے لگے۔ جب ایک قوم کی بکریاں اس میں رات کے وقت بغیر چرواہے کے گھس گئی تھیں (اور اس کھیتی کو تباہ کر دیا تھا)، اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ چنانچہ ہم ہی نے سلیمان (علیہ السلام) کو وہ (فیصلہ کرنے کا طریقہ) سکھایا تھا۔

(۱) مستدرک حاکم:۱۶/۳۲۶ حدیث:۷۱۰۴......جامع الاحادیث سیوطی:۳۲۲/۵ حدیث:۴۲۱۶۔

تو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سمجھ کی تعریف کی؛ اس لیے کہ حضرت سلیمان نے اپنے فہم سے وہ اَمر دریافت فرمایا جو حضرت داؤد علیہ السلام دریافت نہ کر سکے۔ اور اگر دونوں حکم برابر مبنی بر صواب ہوتے تو حضرت سلیمان کی سمجھ لائق تعریف نہ ہوتی۔

اور جب دونوں قول میں سے ایک قول خطا ہو تو خطا کرنے والے پر گناہ نہیں؛ کیونکہ اس کو شارع علیہ السلام سے اجازتِ اجتہاد حاصل تھی۔

موسیٰ بن جہنی، طلحہ بن مطرف سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے سامنے جب کبھی اختلاف کا ذکر آتا تو یوں فرماتے :

لاتقولوا الاختلاف ولكن قولوا السعة .

یعنی اسے 'اختلاف' نہ کہو بلکہ اس کو 'وسعت' کہو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ما أحب أن يكون لي باختلاف أصحاب رسول الله ﷺ من حمر النعم .

یعنی مجھ کو صحابۂ کرام کا اختلاف سرخ اونٹنیوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر صحابہ اختلاف نہ کرتے تو صحابہ کے بعد پھر کسی کے لیے اختلاف جائز نہ ہوتا، اور جب اختلاف جائز نہ ہوتا تو عوام پر بڑی تنگی آجاتی۔

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں :

اختــلاف الصحابة كان رحمة للمسلمين .

یعنی صحابہ کرام کا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے۔

باب نمبر 6 : حدیث کی روایت بالمعنی

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کے بالمعنی روایت کرنے میں بعض بھی علمانے اختلاف کیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی جائز ہی نہیں۔ جب کہ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں،اور یہی صحیح ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضور رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

نضر اللّٰہ امرأ سمع مني حديثاً فبلغه كما سمع . (۱)

یعنی اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور جیسی سنی ویسی ہی آگے پہنچادی۔

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دعا سکھاتے ہوئے،دعا کے آخر میں یہ لفظ ارشاد فرمائے :

اٰمنت بكتابک الذي أنزلت ونبيک الذی أرسلت . (۲)

یعنی میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور اس نبی پر جو تو نے بھیجا۔

اس آدمی نے 'نبیک' کی جگہ 'رسولک' کہا تو آپ نے فرمایا کہ 'نبيک الذي أرسلت' پڑھو۔اور آپ نے لفظ کو بدلنے سے منع فرمایا۔

دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) سنن ترمذی:۱۰/۱۶۳حدیث:۲۸۶۹......مسند الصحابة فی الکتب التسعة:۴۸۲/۲۵حدیث:۱۰۹......شعب الایمان بیہقی:۲۵۸/۴حدیث:۱۶۹۴......مسند ابویعلی موصلی:۳۸۶/۱۰حدیث:۵۰۰۰۔

(۲) صحیح مسلم:۳۴۵/۱۷حدیث:۷۰۵۷......مشکل الآثار طحاوی:۱۳۵/۳حدیث:۹۵۸۔

ألا فليبلغ الشاهد الغائب . (١)

یعنی حاضر غائب کو پہنچا دے۔

گویا آپ نے ہمیں مطلقاً تبلیغ کا حکم فرمایا۔اور ظاہر ہے کہ ہر قوم اپنی زبان میں تبلیغ کے فرائض انجام دے گی۔صحابیِ رسول واثلہ بن الاسقع فرماتے ہیں :

إذا حدثناكم حديثا بالمعنىٰ فحسبكم .

یعنی جب ہم تم سے حدیث کو بالمعنی روایت کریں تو تم کو کافی ہے۔

ابن عوف فرماتے ہیں کہ ’ابراہیم نخعی، شعبی اور حسن بصری حدیث کو بالمعنی روایت کیا کیا کرتے تھے‘۔

وکیع بن الجراح فرماتے ہیں :

لو لم يكن بالمعنى واسعاً لهلک الناس .

یعنی اگر حدیث بالمعنی روایت کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تو مخلوق ہلاک ہوجاتی (یعنی مشقت میں پڑ جاتی)۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ ’اگر میں تم سے کہوں کہ میں اسی طرح حدیث بیان کرتا ہوں جس طرح میں سنتا ہوں تو میری تصدیق نہ کرو؛ اس لیے کہ اللہ نے فرمایا ہے :

فَلَولاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ o (سورۂ توبہ:۹/۱۲۲)

تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقُّہ (یعنی خوب فہم و بصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ اُن کی طرف پلٹ کر آئیں۔

(١) صحیح بخاری:۱/۱۲۹حدیث: ٦٧ ...... صحیح مسلم:۱۱/۲٦۸حدیث: ۴۴۷۸ ...... سنن ترمذی:۳/۳۷۵ حدیث:۸۱۴ ......سنن نسائی:۹/۳٦۱حدیث:۲۸۸۹۔

لہٰذا اگر کوئی قوم ایسی ہو کہ زبانِ عربی نہ سمجھتی ہو تو یہ ضروری ہے کہ ان کی زبان میں بیان کیا جائے، پس ثابت ہوا کہ اِعتبار معنوں کا ہے نہ کہ لفظوں کا۔

باب نمبر 7 : حدیث کی روایت اور اجازت

فقیہ ابواللیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: روایت حدیث اور اجازت میں بھی علما نے اختلاف کیا ہے کہ اگر 'حدثنا' کی جگہ 'اخبرنا' کہا، یا 'اخبرنا' کی جگہ 'حدثنا' کہا تو جائز ہے یا نہیں؟۔

بعض محدثین کا کہنا ہے کہ جب آپ نے کسی محدث کو حدیث پڑھ کر سنائی اور پھر روایت کا ارادہ کیا تو آپ کو 'اخبرنا فلاں' کہنا چاہیے۔ اور اگر حدیث آپ کو پڑھ کر سنائی جائے تو آپ کو 'حدثنا فلاں' کہنا چاہیے۔ جب کہ اکثر علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں، اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ حدیث کو پڑھ کر سنائیں یا سنیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ 'حدثنا' کہیں، خواہ 'اخبرنا' اور چاہیں تو 'سمعتہ من فلاں' کہیں۔

ابو مطیع بلخی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ 'حدثنا' کہوں، یا 'اخبرنا' کہوں؟۔ فرمایا: مرضی ہے، جی چاہے تو 'حدثنا' کہیں یا 'اخبرنا' کہیں۔

یہی بات شعبہ بن الحجاج نے بھی بیان کی کہ جی چاہے تو 'اخبرنا' کہیں، یا 'حدثنا' کہیں، یا 'انبأ نا' کہیں۔

اور جب کوئی محدث یہ کہے کہ میں نے آپ کو اجازت دی کہ آپ حدیث کی روایت مجھ سے آگے کریں، تو آپ کو جائز نہیں کہ 'حدثنا' یا 'اخبرنا' کہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں محدث نے مجھ کو اجازت دی ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی خلیل بن احمد رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ انہوں نے ابوطاہر احمد بن سفیان الدیامی کو کہتے سنا ہے کہ محدث یہ کہے: میں نے اجازت دی کہ آپ مجھ سے حدیث روایت کریں، تو گویا انھوں نے کہا کہ میں نے آپ کو اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت دی۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی محدث نے حدیث لکھ بھیجی، یا اپنی کتاب آپ کو دیتے ہوئے کہا کہ مجھ سے حدیث بیان کی فلاں نے ساری اس چیز کی جو اس کتاب میں ہے تو اَب آپ کے لیے 'اخبرنی فلاں' کہنا جائز ہے، لیکن 'حدثنا' کہنا آپ کے لیے اب بھی درست نہیں؛ اس لیے کہ کتابت خبر ہے اور حدیث آمنے سامنے ہوتی ہے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ 'فلاں کو فلانی خبر دوں گا' پھر وہی خبر لکھ بھیجی تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر قسم کھائی حدیث نہ کرنے کی، پھر لکھ بھیجا تو قسم نہیں ٹوٹی، جب تک آمنے سامنے ہو کر حدیث نہ کرے۔

ابوضمرۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے ابن شہاب کو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی کتاب لائی گئی، اور ان سے کہا گیا کہ یہ آپ کی کتاب ہے آپ اسے پہچانتے ہیں؟۔

فرمایا: ہاں۔ پھر وہ اس سے ایسے خوش ہوئے جیسے کہ وہ اگر اس کتاب کو ان پر پڑھتے اور پھر وہ لوگ لکھتے اس کو اور دوسروں کو اس کی خبر دیتے۔

عبدالعزیز بن ابان بیان کرتے ہیں کہ شعبہ نے فرمایا: منصور بن منعم نے میرے پاس ایک حدیث لکھ کر بھیجی۔ پھر جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو اس حدیث کے بارے میں میں نے پوچھا: تو فرمانے لگے کہ کیا وہ حدیث میں نے آپ کو لکھ نہیں بھیجی تھی۔

میں نے کہا کہ کیا لکھ بھیجنا حدیث کرنے کے برابر ہے۔ تو فرمایا: اور کیا۔ پھر میں نے یہ ماجرا ایوب سختیانی سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: سچ تو ہے کہ جب اس نے حدیث لکھ

بھیجی تو گویا حدیث بیان کر دی۔

امام محمد بن حسن رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی عالم کا آپ کے پاس کچھ لکھ بھیجنا اور آپ کا اس سے خود سننا برابر ہے۔ اور آپ کے لیے اس سے روایت کرنی جائز ہے۔ اگر اس نے آپ کو کچھ لکھ کر بھیجا تو یہ بھی ایسے جائز ہے جیسے آپ نے اس سے کچھ سنا۔ اور یہ دونوں لفظ روایت میں مختلف ہوں گے۔

باب نمبر 8 : علم کن سے سیکھے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک طالب علم کو چاہیے کہ وہ ہر شخص سے علم حاصل نہ کرے بلکہ امانت دار اور دیانت دار سے سیکھے؛ اس لیے کہ دین کا قیام علم سے ہے؛ لہٰذا چاہیے کہ اپنے دین کو ایسے شخص کے پاس امانت رکھے جس کو امانت دار سمجھے۔

عباد بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تحدثوا ممن لا تقبلون شهادته . (۱)

یعنی ایسے شخص سے حدیث روایت نہ کرو جس کی شہادت قابل قبول نہ ہو۔

حضرت محمد بن سیرین فرمایا کرتے تھے :

إن هٰذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم .

یعنی یہ علم، دین ہے جن سے علم سیکھو پہلے ان کی جانچ پڑتال کر لو۔

حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں :

من قال قولاً حسناً وعمل عملاً سيئاً فلا تأخذوا عنه علماً ولا تعتمدوا عليه .

(۱) ذخیرۃ الحفاظ: ۲۵۹۳/۵ حدیث: ۶۰۲۸۔

یعنی جو شخص دوسروں کو حق بات بتائے اور خود برا عمل کرے، اس سے کوئی علم نہ سیکھو، اور نہ اس پر اعتماد کرو۔

یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا :

العلم ضالة المؤمن حيث ما وجده أخذه . (۱)

یعنی علم، مومن کی گم شدہ چیز ہے، تو جہاں کہیں اس کو پائے، فوراً لے لے۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی ثقہ ہو تو اس سے علم سیکھے اور جو ثقہ نہ ہو تو نہ سیکھے۔

اب اگر کسی شخص نے کوئی حدیث یا کوئی مسئلہ سنا، اور وہ حدیث یا مسئلہ اصولِ دین کے موافق ہے تو اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر قائل ثقہ نہ ہو تو اس شخص کے لیے روا نہیں کہ اس کے قول کو قبول کرے۔ ہاں، اگر وہ قول اصولِ دین کے موافق ہے تو قبول کرے اور اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی حدیث لکھی ہوئی مل گئی، یا کوئی مسئلہ مل گیا تو اگر وہ حدیث و مسئلہ اُصول کے موافق ہو تو اس پر عمل بھی جائز ہے، اور اگر موافق نہیں تو (ہرگز) جائز نہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من حدث بحديث وهو يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين. (۲)

یعنی جو مجھ سے کوئی حدیث روایت کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۲۰۹/۱۰ حدیث: ۲۹۰۳ میں الفاظ کے ذرا سے اختلاف کے ساتھ ایک روایت یوں آئی ہے: **الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها ۔** مشکوٰۃ المصابیح: ۴۷/۱ حدیث: ۲۱۶۔ -چریاکوٹی-

(۲) شعب الایمان بیہقی: ۱/۱...... معرفۃ السنن والآثار: ۲۶/۱ حدیث: ۲۱...... مسند احمد: ۳۴۰/۳۹ حدیث: ۱۸۷۰۳...... مسند ابن الجعد: ۹۳/۱ حدیث: ۵۴۱...... علل دارقطنی: ۲۷۰/۳ حدیث: ۳۹۹۔

باب نمبر 9 : مجلسِ وعظ منعقد کرنا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علما نے وعظ کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کو بھی مکروہ کہا ہے؛ مگر بعض نے کہا کہ اگر وعظ اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں کہ اس سے وہ شریعت کی بہت سی باتیں معلوم کرلے گا، اور یہی قول صحیح ہے۔

جن علما نے مجلس وعظ کو مکروہ بتایا ہے، ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن شعیب نے اپنی سند کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا یعظ الناس إلا أمیر أو مأمور أو مراءٍ . (۱)

یعنی مخلوق کو نصیحت کرنے کا حق امیر کو ہے یا اس کے نائب کو یا پھر ریاکار کو۔

حضرت تمیم داری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہر ہفتہ کے دن وعظ کہنے کی اجازت مانگی، تو آپ نے فرمایا: اس وعظ سے تمہارا مقصد کیا ہے؟۔ عرض کی: لوگوں کو نصیحت کرنا۔ فرمایا :

ذکر إن شئت واعلم أنه الذبح .

یعنی ٹھیک ہے، چاہو تو نصیحت کرو؛ لیکن یاد رکھنا کہ وعظ کہنا ذبح ہونے کے برابر ہے۔

حضرت عمر فاروق کا یہ قول دراصل اس فرمانِ رسالت سے مطابقت رکھتا ہے :

من استقضٰی فقد ذبح بغیر سکین .

یعنی جس نے منصب قضا طلب کیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۳۲۹/۱۱ حدیث: ۳۸۸۵......مسند احمد بن حنبل: ۳۵۰/۱۴ حدیث: ۶۸۲۱ ...... معجم اوسط طبرانی: ۴۸۸/۲ حدیث: ۹۸۹ ...... جامع الاحادیث سیوطی: ۲۲۴/۱۷ حدیث: ۱۸۰۰۹۔ لیکن جملہ کتب حدیث میں لا یعظ کی بجائے ’لا یقصُّ‘ کا کلمہ وارد ہوا ہے۔ -چریاکوٹی-

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

القاص ينتظر المقت، والمستمع ينتظر الرحمة . (۱)

یعنی واعظ اللہ کے غضب کا اِنتظار کرتا ہے ، اور سننے والا رحمت کا منتظر ہوتا ہے۔

حضرت ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ نماز سے فارغ ہوئے تو اچانک ایک شخص آکر وعظ کہنے لگا تو آپ نے فرمایا :

إنما أنت حمار ناهق و تروى نهاقاوإن عدت إلينا لنؤدبنک.

یعنی تو حمارِ ناہق ہے اور جو کچھ روایت کرتا ہے گدھے کی آواز ہے۔ اگر تو دوبارہ ہمارے ہاتھ چڑھ گیا تو ہم تجھے اچھا سبق سکھائیں گے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ میں وعظ کو تین آیتوں کی وجہ سے ناپسند جانتا ہوں۔ پہلی آیت، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَ تَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۴۴)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو!۔

دوسری آیت یہ ہے :

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o (سورۂ صف:۶۱/۲)

تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو!۔

اور تیسری آیت یہ ہے :

وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ o (سورۂ ہود:۱۱/۸۸)

---

(۱) مسند شہاب قضاعی:۲/۱۸......معجم کبیر طبرانی:۱۱/۵۶ حدیث:۱۳۳۹۱......مجمع الزوائد:۱/۲۳۴ حدیث: ۹۱۴......کنز العمال:۱۵/۶۰۹ حدیث:۴۲۴۱۸۔

اور میں یہ (بھی) نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے لگ کر (حق کے خلاف) خود وہی کچھ کرنے لگوں جس سے میں تمہیں منع کر رہا ہوں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحی بھیجی جس میں فرمایا :

عظ نفسک فإن اتعظت فعظِ الناس وإلا فاستح مني . (۱)

یعنی پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو، جب وہ نصیحت قبول کر لے، تب دوسروں کو نصیحت کرو؛ ورنہ مجھ سے حیا کرو۔

مجلس وعظ کو جائز بتانے والوں کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ o (سورۂ ذاریات: ۵۱/۵۵)

اور آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بیشک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔

دوسری آیت پاک میں ہے :

وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ o (سورۂ توبہ: ۹/۱۲۲)

اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں؛ تاکہ وہ (گناہوں اور نافرمانی کی زندگی سے) بچیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

یا معشر القصاص! لا تقصوا فقد فقه الناس .

یعنی اے گروہِ واعظین! اب وعظ نہ کہو؛ اس لیے کہ لوگ سمجھدار ہو گئے ہیں۔

---

(۱) جامع الاحادیث القدسیہ: ۱/۵۰ حدیث: ۹۱۶...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱۰/۲۴۹ حدیث: ۹۵۴۴...... کنز العمال: ۱۵/۷۹۵ حدیث: ۴۳۱۵۶...... حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۸۲۔

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لوگ انجان (کم علم اور کم فہم) ہوں تو وعظ کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کی شام کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے، اور متعدد دعائیں بھی مانگا کرتے تھے۔

عطا بن یسار نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا :

من كتم على الناس علما يعلمه ألجم بلجام من نار يوم القيامة .

یعنی جو صاحب علم لوگوں سے اپنے علم کو چھپائے، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث بھی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

لو لا اٰية من كتاب الله ما جلست للناس وهي قوله تعالى :
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى o (سورۃ بقرہ:۱۵۹/۲)

یعنی اگر کلام الٰہی میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں لوگوں کی تعلیم کے لیے یوں (ہرگز) نہ بیٹھا کرتا، اور وہ یہ ہے: بیشک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کر دیا ہے....

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

بلغوا عني ولو اٰية، وحدثوا عن بني إسرائيل فإن فيهم الأعاجيب ولا حرج، ومن كذب علي متعمّدا فليتبوأ مقعده

من النار . (۱)

یعنی میری طرف سے (لوگوں کو) پہنچا دو اگر چہ تمہارے پاس ایک ہی آیت ہو۔ اور اسرائیلی روایات نقل کیا کرو کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ اس میں عجیب وغریب قصے ہوے ہیں۔ اور اگر جان بوجھ کر کسی نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کر لے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

لو لا العلماء لصار الناس كلهم مثل البهائم .

یعنی اگر علما نہ ہوتے تو سارلوگ جانوروں کی طرح ہو جاتے۔

باب نمبر 10 : واعظ وخطیب کیسا ہو؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلی چیز یہ کہ نصیحت کرنے والا (واعظ وخطیب) نیک ہو؛ اس لیے کہ اگر وہ خود نیک نہ ہوگا تو سمجھدار لوگ اس کے پاس نہ آئیں گے، اور صرف بے وقوف ہی اس کے پیچھے پیچھے لگے رہیں گے، جس سے فتنہ و فساد پیدا ہوگا، اور انجام کار ایسے شخص کا کلام لوگوں کے دلوں پر مطلقاً اَثر نہ کرے گا۔

دوسری چیز یہ کہ نصیحت کرنے والے (واعظ وخطیب) کے لیے یہ ضروری ہے کہ پرہیز گار ہو۔ اور لوگوں سے کوئی ایسی حدیث بیان نہ کرے جو درجۂ صحت سے گری ہوئی ہو؛ اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(۱) صحیح بخاری: ۱۲/۴/۱۷ حدیث: ۳۴۶۱......سنن ترمذی: ۱۰/۱۸۱/۱ حدیث: ۲۸۸۱......سنن دارمی: ۲/۹۸ حدیث: ۵۵۱......مصنف عبد الرزاق: ۶/۱۰۹ حدیث: ۱۰۱۵۷......صحیح ابن حبان: ۲۶/۵۰ حدیث: ۶۳۶۲۔

من حدث بحديث وهو يرىٰ أنه كذب فهو أحد الكذابين. (۱)

یعنی جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور جانتا ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

تیسری چیز یہ کہ واعظ کو اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ مجلس طویل نہ ہونے پائے؛ ورنہ لوگ گھبرا جائیں گے، اور مجلس علم کی برکات جاتی رہیں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

إن للقلوب نشاطا وإقبالا وإن لها تولية وإدبارا فحدث القوم ما أقبلوا عليک .

یعنی ایک وقت دلوں کے خوش ہونے اور لگنے (قبول کرنے) کا ہوتا ہے، اور ایک وقت دلوں کی گھبراہٹ اور اکتاہٹ کا ہوتا ہے؛ لہٰذا لوگوں کو اس وقت تک نصیحت کرو جب تک اُن کا دل لگا رہے۔

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

روحوا القلوب ساعة فساعة . (۲)

یعنی دلوں کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد راحت دیتے رہو۔

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک واعظ تھا جو کہ بہت طویل وعظ کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ لوگ اکتا جایا کرتے؛ انجام کار وہ واعظ اور سب اکتانے والے لعنت کیے گئے۔

چوتھی چیز یہ کہ واعظ کو چاہیے کہ وہ متواضع، اور نرم دل ہو۔ متکبر، سخت گو اور سخت دل

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۱/۱...... معرفۃ السنن والآثار: ۱/۲۶ حدیث: ۲۱...... مسند احمد: ۳۹/۳۴۰ حدیث: ۱۸۷۰۳...... مسند ابن الجعد: ۱/۹۳ حدیث: ۵۴۱...... علل دار قطنی: ۳/۲۷۰ حدیث: ۳۹۹۔

(۲) مسند شہاب قضاعی: ۳/۵۳ حدیث: ۶۲۹...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱۳/۱۴۸ حدیث: ۱۲۷۸۹...... کنز العمال: ۳/۳۷ حدیث: ۵۳۵۴۔

ہرگز نہ ہو؛ اس لیے کہ تواضع اور نرمی رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ o (سورۂ آل عمران:۳/۱۵۹)

(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

پانچویں چیز یہ کہ واعظ کا یہ فرض بنتا ہے کہ جب نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کے فضائل لوگوں سے بیان کرے تو اس سے پہلے وہ خود ان پر عمل پیرا ہو؛ تاکہ اس آیت کا مصداق نہ بنے :

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۴۴)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو!۔

حضرت ابراہیم نخعی فرمایا کرتے تھے کہ میں وعظ کہنے کو تین آیتوں کی وجہ سے اچھا نہیں سمجھتا۔ اور وہ تینوں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں۔

چھٹی چیز یہ کہ واعظ کو تفسیر قرآن، احادیث رسول، اور اقوالِ فقہا وعلما پر دسترس حاصل ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو وعظ کہتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ 'کیا تو ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہے؟' اس نے جواب دیا: 'نہیں' اس پر آپ نے فرمایا :

هلكت وأهلكت .

یعنی تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

ساتویں چیز یہ کہ ایک اچھے واعظ کا وصف یہ ہوتا ہے کہ جب وہ لوگوں کو نصیحت

کرے تو کسی خاص آدمی کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ سب کی طرف اپنی نگاہِ توجہ کرے۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں کہ 'مسنون طریقہ یہ ہے کہ واعظ کسی خاص شخص کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ سب کی طرف توجہ کرے۔

آٹھویں چیز یہ کہ واعظ حریص ولالچی نہ ہو؛ اس لیے کہ حرص آدمی کو ذلیل کر کے چھوڑتی ہے اور چہرہ کی رونق اور علم کی برکت غارت کر کے رکھ دیتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بِن کچھ مانگے تحفہ بھیجے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

نویں چیز یہ کہ واعظ خوف اور اُمید دونوں کو اپنا موضوعِ سخن بنائے۔ صرف خوف یا صرف اُمید کے موضوع پر بیان نہ کرے؛ کیونکہ ایسا کرنا ممنوع ہے۔

دسویں چیز یہ کہ واعظ اگر مجلس وعظ کو طول دینا چاہے تو اس میں کچھ ظریفانہ کلام بھی کرے جس سے لوگوں کے دل کھلیں؛ اور طویل مجلس اکتاہٹ کا باعث نہ بنے؛ کیونکہ ایسے کلام سے انسان کا دل خوش ہوتا ہے اور مزید وعظ سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ معمول یہ تھا کہ جب وہ لوگوں کو آخرت کی طرف رغبت اور دنیا سے نفرت دلانے کے لیے مجلس وعظ منعقد فرماتے تو اگر محسوس کرتے کہ لوگ اکتائے ہوئے ہیں تو درخت لگانے اور مکان بنانے کا ذکر شروع کر دیتے، پھر جب محسوس فرماتے کہ لوگوں کا دل لگ گیا ہے تو اَب آخرت کا ذکر چھیڑتے تھے۔

باب نمبر 11 : سامعین کیسے ہوں؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سب سے پہلی چیز یہ کہ سامعین کو چاہیے کہ ہمہ تن گوش ہو کر واعظ کی طرف متوجہ ہوں، اور بیدار دل کے ساتھ اس کی باتیں سنیں۔ اور کوئی ایسا شغل نہ کریں جو سماع و توجہ میں خلل کا باعث بنے۔ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من سمع مسألة أوحديثا فعمل بذلک فإنه حی ومنجی، ومن سمع حديثا فلم يعمل به فإنه يهلک .

یعنی کامیاب اور نجات یافتہ وہی ہے جس نے کوئی مسئلہ یا حدیث سن کر اس پر عمل کرلیا؛ ورنہ حدیث سن کر اسے رنگ عمل نہ دینے والا بڑے نقصان اور خسارے میں ہے۔

دوسری چیز یہ کہ سامعین کا یہ اخلاقی فرض بنتا ہے کہ جہاں بیانِ حدیث میں کچھ وقفہ ہو وہاں **صدقت** یا **أحسنت** کے حوصلہ افزا جملے کہیں؛ تاکہ واعظ وخطیب مزید رغبت وشوق کے ساتھ حدیث بیان کرے۔

تیسری چیز یہ کہ جب بھی نام '**محمد**' سامعین کے کانوں سے ٹکرائے 'صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' کہنا نہ بھولیں۔

چوتھی چیز یہ کہ سامعین شیطان کے سارے وسوسوں سے اپنے دل کو پاک صاف کر کے مجلس کا حصہ بنیں۔

پانچویں چیز یہ کہ سامعین دورانِ مجلس نیند یا اونگھ کے شکار نہ ہوں۔ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضمن میں فرمایا ہے :

من نام عند المجلس فقد خاب من رحمة اللّٰه تعالیٰ وكان حبيب الشياطين .

یعنی جو دورانِ مجلس سو جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، اور شیطانوں کا منظورِ نظر بن جاتا ہے۔

باب نمبر 12 : طلب علم کی ترغیب، اور فقہ کی دیگر علوم پر فضیلت و بزرگی

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انسان کو چاہیے کہ علم سیکھے اور جہل پر قناعت نہ کرے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ o (سورۂ زمر:۹/۳۹)

فرما دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں؟۔

اس آیت میں صاف محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل علم کو بے علموں پر کیسی اعلیٰ فضیلت بخشی ہے!۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا خير فيمن لم يكن عالما أو متعلما .

یعنی عالم و متعلّم (یعنی سکھانے اور سیکھنے والے) کے سوا کسی شخص میں کوئی بھلائی نہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ما لي أرى علماء كم يموتون وجهالكم لايتعلمون، تعلموا قبل أن يرفع العلم بذهاب العلماء .

یعنی بڑی عجیب بات ہے کہ میں علما کو دیکھتا ہوں کہ مرتے جا رہے ہیں اور جاہل لوگ علم سیکھتے نہیں۔ (لوگو!) علم کو سیکھو اس سے پہلے کہ علم اٹھ جائے اور علم کا اٹھنا یہی ہے کہ علما نہ رہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

یا بني تعلموا فإن تكونوا صغار قوم فعسى أن تكونوا كبار قوم آخرين، وما أقبح علي من شيخ لم يكن عنده علم .

یعنی اے میرے بیٹو! علم حاصل کرو، اگر اپنی قوم میں چھوٹے ہو گے تو کبھی نہ کبھی کسی اور قوم کے بڑے شمار ہو گے۔ اور مجھے وہ بوڑھا بہت برا لگتا ہے جو عالم نہ ہو۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں :

لو أن رجلا سافر من أقصى الشام إلى أقصى اليمن فحفظ كلمة تنفعه فيما يستقبل من عمره رأيت أن سفره لم يضع .

یعنی اگر کسی شخص نے ملک شام کے ایک کونے سے ملک یمن کے دوسرے کونے تک کا سفر کیا، اور کچھ ایسی بات یاد کر لی جو آئندہ اس کو نفع دے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا یہ سفر ضائع نہیں ہوا۔

(فضیلت علم کو جان لینے کے بعد) اب آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ علم کئی طرح کا ہوتا ہے، اور ہر ایک اللہ کے نزدیک اچھا ہے؛ مگر فقہ کی بات ہی کچھ اور ہے؛ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ فقہ کے سیکھنے کو زیادہ اہمیت دے۔ کیوں کہ فقہ سیکھ لینے کے بعد بقیہ جملہ علوم آسان ہو جاتے ہیں۔ اور فقہ دین کی اصل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما عبد اللّٰه بشيئ أفضل من فقه في الدين ولفقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد . (۱)

یعنی دینی فقہ سے بڑھ کر کسی اور چیز سے اللہ کی کما حقہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ اور اکیلا ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت تر ہے۔

---

(۱) جمع الجوامع: ۱/۲۰۹۶۰ حدیث: ۸۰۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

لأن أجلس فأتفقه ساعة أحب إلى اللّٰه إحياء ليلة بلا فقه .

یعنی فقہ سیکھنے کے لیے میرا ایک گھڑی بیٹھنا اللہ کے نزدیک ساری رات جاگنے سے بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من يرد اللّٰه به خيرًا يفقهه في الدين . (۱)

یعنی اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا اِرادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

تفقهوا قبل أن تسودوا .

یعنی دین میں سمجھ حاصل کرو اس سے پہلے کہ تم سردار بنائے جاؤ۔

فقہ میں دسترس وکمال حاصل کر لینے کے بعد انسان کو چاہیے کہ اَب علم زہد وحکمت کی طرف بھی توجہ کرے، اور صلحا کے احوال پر نگاہ مرکوز کرے؛ کیونکہ علم زہد وحکمت کے بغیر فقہ محض کی تحصیل قلبی قساوت کا باعث ہوسکتی ہے۔ اور سخت دل انسان کا اللہ کے یہاں کوئی گزر نہیں۔

اور اگر انسان علم نجوم کو اس قدر سیکھ جائے جس سے رات دن کا حال معلوم ہو جائے اور قبلہ کا اندازہ سمجھ میں آجائے تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن اس سے زیادہ نہ سیکھے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا :

(۱) صحیح بخاری: ۱/۱۳۰ حدیث: ۱۰...... صحیح مسلم: ۶/۳۹۳ حدیث: ۲۴۳۶...... سنن ترمذی: ۱۰/۱۴۵ حدیث: ۲۸۵۷...... سنن ابن ماجہ: ۱/۲۶۵ حدیث: ۲۲۵...... مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۰۳ حدیث: ۳۰۸۵۱...... مسند عبد بن حمید: ۱/۴۷۸ حدیث: ۴۱۵۔

وَعَلامَاتٍ وَّ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ o (سورۂ نحل:۱۶/۱۶)

اور (دن کو راہ تلاش کرنے کے لیے) علامتیں بنائیں، اور (رات کو) لوگ ستاروں کے ذریعہ (بھی) راہ پاتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ o (سورۂ انعام:۶/۹۷)

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعے بیابانوں اور دریاں کی تاریکیوں میں راستے پاسکو۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

تعلموا من النجوم مقدار ما تعرفون به أمر قبلتكم، وتعلموا من الأنساب ما تصلون به أرحامكم .

یعنی علم نجوم کو اس قدر سیکھو جو قبلہ کے حالات معلوم کرنے میں کام آئے اور علم انساب کو اتنا سیکھو جس سے رشتوں کو جوڑ سکو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم نجوم سیکھنے کو منع فرمایا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے میمون بن مہران سے فرمایا:

لا تتبع علم النجوم فإنه يؤدي إلى السحر والكهانة .

یعنی علم نجوم کے پیچھے نہ لگو؛ اس لیے کہ وہ جادو اور کہانت کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

باب نمبر 13 : علم مناظرہ کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **بعض علما فن مناظرہ اور علم میں بحث ومباحثہ کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، اور دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں :**

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلاًo (سورۂ زخرف:۴۳/۵۸)

وہ آپ سے یہ بات محض جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلاً o (سورۂ کہف:۱۸/۵۴)

اور انسان جھگڑنے میں ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مجادلہ ومباحثہ پر اُن کی مذمت فرمائی۔

ام المومنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میرے سرتاج صاحب اسراومعراج صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أبغض الناس إلى الله تعالىٰ الألد الخصم . (۱)

یعنی اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ سرکش اور جھگڑالو ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه إلا أتوا الجدل . (۲)

(۱) صحیح بخاری: ۱۲۴/۹ حدیث:۲۴۵۷...... صحیح مسلم:۲۱۷/۱۷ حدیث: ۶۹۵۱ ...... سنن ترمذی:۲۱۱/۱۱ حدیث:۳۲۴۲...... سنن نسائی:۴۰۲/۱۶ حدیث:۵۴۴۰۔

(۲) سنن ترمذی:۲/۱۲ حدیث: ۳۵۶۲...... سنن ابن ماجہ:۵۸/۱ حدیث: ۵۰...... مسند احمد بن حنبل: ۲۷۱/۴۸ حدیث:۲۲۸۲۱......شعب الایمان بیہقی:۳۴۱/۶ حدیث:۸۴۳۸۔

یعنی کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہوئی۔ اگر ہوئی تو جھگڑنے کے باعث۔

ایک مقام پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

دع المراء و إن كنت محقا . (۱)

یعنی جھگڑا چھوڑ دو اگرچہ تم حق پر ہو۔

نیز ارشاد فرمایا :

لايجد أحدكم حقيقة الإيمان حتى يدع المراء وهو محق. (۲)

یعنی تم میں سے کوئی بھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا نہ چھوڑ دے۔

وجہ یہ ہے کہ جھگڑا دشمنی کا باعث ہوتا ہے اور مسلمانوں کی باہمی عداوت حرام ہے۔

جب کہ اکثر اہلِ علم کا کہنا یہ ہے کہ اگر مناظرہ سے اظہارِ حق مقصود ہو تو اس میں کچھ مضائقہ و حرج نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ o (سورۂ نحل:۱۲۵/۱۶)

اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجیے جو نہایت حسین ہو۔

نیز فرمایا :

فَلاَ تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِراً o (سورۂ کہف:۲۲/۱۸)

سو آپ کسی سے ان کے بارے میں بحث نہ کیا کریں سوائے اس قدر وضاحت کے جو ظاہر ہو چکی ہے۔

---

(۱) کنز العمال:۸۹۵/۱۵ حدیث:۴۳۵۳۸...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۴۵/۱۳ حدیث:۱۳۰۲۹۔ لیکن ان کتب حدیث میں دع المراء کی بجائے وترک المراء آیا ہے۔ -چڑیا کوٹی-

(۲) جمع الجوامع سیوطی:۱۹۱۴۹/۱ حدیث:۱۵۷۱...... الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ:۱۵۷/۲ حدیث:۶۴۷...... شعب الایمان بیہقی:۲۳۲/۱۱ حدیث:۵۰۱۷...... کنز العمال:۶۴۶/۳ حدیث:۸۳۱۶۔

مزید فرمایا :

اَلَمْ تَـرَ اِلَـى الَّـذِىْ حَآجَّ اِبْرَاهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖ –اِلیٰ قوله – فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۵۸)

(اے حبیب!) کیا آپ نے اس شخص کونہیں دیکھا جواس وجہ سے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی ابراہیم (علیہ السلام) سے (خود) اپنے رب (ہی) کے بارے میں جھگڑا کرنے لگا–......آخر تک......سووہ کافر دہشت زدہ ہوگیا۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کررہے تھے کہ جس شکار کوحلال (یعنی غیر محرم) نے ذبح کیا ہواس کا کھانا محرم کو جائز ہے یا نہیں؟، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آرام فرمارہے تھے۔ جب ہماری آواز بلند ہوئی تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا :

فماذا تتنازعون ؟.

یعنی تم کس چیز میں جھگڑرہے ہو؟۔

ہم نے سارا ماجرا عرض کردیا۔تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم فرمایا۔اور آپ نے اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کرنے پرکسی کو کچھ نہیں کہا۔

مناظرہ کا فائدہ یہ ہےاس سے حق وباطل میں تمیز ہوجاتی ہے۔اورطلب حق کی غرض سے مناظرہ کرنا مباح ہے۔اوپر جوحدیثیں مناظرہ کی ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں،ان سے مراد دراصل ایسے آدمی ہیں جوخوامخواہ جھگڑا کریں،یا پھرمناظرہ سے اپنے آپ کو بڑا جتلانا منظور ہو۔خودسرکارِگرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نےفرمایاہے :

مـن تـعـلـم العلم لثلاث فهو فی النار: أن يباهی به العلمآء أو يماري به السفهآء أو يصرف به وجوه الخلق إلى نفسه .

یعنی جو کوئی علم کو اِن تین کاموں کے لیے حاصل کرے تو وہ دوزخی ہے:۱- یا تو اس لیے کہ علماء میں بڑائی کرے۔۲- یا بے وقوفوں سے جھگڑا کرے۔۳- یا لوگوں کو اپنا معتقد بنائے۔(۱)

باب نمبر 14 : علم کیسے سیکھا جائے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اوّل، علم سیکھنے والے کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنی نیت درست کرے؛ تاکہ خود بھی نفع اٹھائے اور جو لوگ اس سے علم حاصل کریں وہ بھی نفع پائیں۔ جب درستگی نیت کا وقت آئے تو چار چیزوں کی نیت کرے :

پہلی یہ کہ علم حاصل کر کے جہل سے نجات پاؤں گا؛ کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَيَعْلَمُوْنَ o (سورۃ زمر:۳۹/۹)

فرمادیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں؟۔

دوسری یہ کہ مخلوق کی نفع رسانی مقصود ہو؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشادِ مبارک ہے :

خير الناس من ينفع الناس . (۲)

یعنی لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔

---

(۱) یہ مفہوم حدیث ہے۔ اصل حدیث مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے: سنن ابن ماجہ:۱/۳۱۷ حدیث: ۲۷۱...... مسند شامیین: ۲/۲۱۶ حدیث:۱۲۱۶......معجم اوسط طبرانی: ۱۲/۴۴۷ حدیث: ۵۸۶۹...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۰/۱۶۷۔ -چریا کوٹی-

(۲) جامع الاحادیث سیوطی:۳۴/۴۳۰......کنز العمال:۱۶/۱۲۸۔

تیسری یہ کہ علم کو سیکھنے سے علم کو زندہ کرنے کی غرض ہو؛ کیونکہ اگر سب لوگ علم کو چھوڑ دیں گے تو علم جاتا رہے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

تعلموا العلم قبل أن يرفع العلم .–ورفعه بذهاب العلماء–

یعنی علم کو اس کے اٹھ جانے سے قبل سیکھ لو۔ اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اہل علم اٹھ جائیں۔(۱)

چوتھی یہ کہ علم سیکھنے سے مقصود اس پر عمل کرنا ہو، نہ کہ کچھ اور؛ کیوں کہ علم، عمل کا آلہ ہے، اور اگر آلہ طلب کر لے اور عمل نہ کرے تو پھر بے مقصد ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ علم کے بغیر عمل کرنا بے سود ہے۔

اس تعلق سے بڑی پیاری بات کہی گئی ہے کہ عمل کے بغیر علم وبال (تباہی) ہے۔ اور علم کے بغیر عمل ضلال (گمراہی) ہے۔

طالب علم پر یہ بھی لازم ہے کہ علم سیکھنے سے اس کا مقصود اللہ کی رضا اور آخرت کا حصول ہو، محض دنیا طلبی نہ ہو؛ کیوں کہ جب علم کی غرض وغایت رضائے الٰہی اور آخرت کی بہتری ہوگی تو اسے یہ دونوں چیزیں بیک وقت مل جائیں گی۔ ارشادِ رب العزت ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (سورۂ شوریٰ:۳۹/۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں مزید اضافہ فرما دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے (تو) ہم اس کو اس میں سے کچھ عطا کر دیتے ہیں، پھر اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں رہتا۔

---

(۱) سنن دارمی:۱/۱۶۴ حدیث:۱۴۴......جامع الاحادیث سیوطی:۳۸/۳۱۶ حدیث:۴۱۵۶۸۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مـن کـانـت نيته الدنيا فرق اللّٰه تعالیٰ عليه أمره وجعل فقره بين عينيه ولم يأته من الدنيا إلا ماكتب اللّٰه له، ومن كانت نيته الآخـرة جمع اللّٰه شمله وجعل غناه في قلبه، وأتته الدنيا وهي راغمة ذليلة . (۱)

یعنی جو کوئی علم کو دنیا کے لیے طلب کرتا ہے اللہ اُس کے سب کاموں کو پریشان کر دیتا ہے، اور مفلسی سے اس کا سامنا کرا دیتا ہے، اور دنیا تو اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے لکھی گئی ہے، اور جو کوئی علم کو آخرت کے لیے طلب کرے تو اللہ اس کو جمعیت (قلبی) عطا کر کے اس کا دل غنی کر دیتا ہے، اور پھر دنیا اُس کے سامنے ذلیل ہو کر ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔

اور اگر طالب علم نیت درست نہ کر سکے، تب بھی علم کا سیکھنا اس کے لیے افضل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علم کو سیکھنے کے بعد نیت کے درست ہونے کی اُمید ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے :

مـن طـلب العلم لغير وجه اللّٰه تعالیٰ لم يخرج من الدنيا حتى يـأتـي عـلـيـه الـعلم، واذا طلب وجه اللّٰه تعالٰى فانه ينال الأمرين جميعا .

یعنی جو کوئی علم کو اللہ کی رضا کے سوا کسی اور نیت سے حاصل کرے تو وہ مرے گا نہیں جب تک اس کو حاصل نہ کر لے۔ اور اگر وہ اس سے اللہ کی رضا کا طلب گار ہوگا تو دین اور دنیا دونوں حاصل کر لے گا۔

---

(۱) معجم کبیر طبرانی:۵/۵۹حدیث: ۴۷۵۹ ...... بغیۃ الحارث: ۱/۳۲۷حدیث:۱۰۹۹ ...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۱/۴۳۱حدیث:۲۳۶۸۲ ......شرح السنۃ بغوی:۷/۲۶۵۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں :

طلبنا هٰذا العلم وما لنا فيه كثير من النية ثم رزقنا اللّٰه فيه النية .

یعنی ہم نے مدتوں علم کو بغیر کسی نیت کے سیکھا، پھر جب اللہ نے علم دیا تو نیت بھی درست ہوگئی۔

جب سیکھنے والا سفر کا اِرادہ کرلے تو بہتر یہ ہے کہ ماں باپ سے اجازت لے۔ اگر اجازت نہ لے تو بھی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ اس کی خدمت کے محتاج نہ ہوں۔ اور سیکھنے والے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی فرض کو ترک کرے، یا وقت پر اسے اَدا نہ کرے، اس طرح علم کی برکت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یہ بھی اسے زیبا نہیں کہ علم کے سیکھنے میں کسی کو تکلیف پہنچائے، اور اس طرح علم کی برکت جاتی رہے۔

یہ بھی اسے لائق نہیں کہ علم کے باب میں کسی بخل سے کام لے۔ یعنی کوئی شخص اگر کوئی کتاب مستعار مانگے تو نہ دے، یا کوئی شخص کوئی مسئلہ یا علم کی بات پوچھے تو نہ بتائے۔ اسے کبھی کوئی چیز بتانے میں بخل نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ اگر طلب علم سے اس کا مقصد مخلوق کی نفع رسانی تھا تو اس میں کمی کیوں کرتا ہے؟۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں :

مـن بـخـل بعلمه ابتلى بإحدى ثلاث: إما أن يموت فيذهب علمه، أو يبتلى بسلطان جائر، أو ينسى العلم الذي حفظه .

یعنی جو کوئی علم میں بخل سے کام لے تو وہ تین آفتوں میں سے ایک میں ضرور گرفتار ہوگا۔ ۱: یا تو وہ جلد مر جائے گا اور یوں اس کا علم جاتا رہے گا۔ ۲: یا بادشاہِ وقت کے غضب میں گرفتار ہو جائے گا۔ ۳: یا علم ہی کو بھول جائے گا۔

طالب علم کے اوپر لازم ہے کہ وہ علم کی عزت کرے۔ یہ نہ ہو کہ کتاب کو مٹی کے ڈھیر

پر رکھ دے۔ جب استنجا کر کے نکلے تو چاہیے کہ پہلے وضو کرے یا ہاتھ دھولے پھر کتاب کو ہاتھ لگائے۔

طالب علم کو یہ بھی چاہیے کہ رُوکھی سوکھی روٹی اور موٹے کپڑوں پر قناعت کرے۔ عورتوں سے دور بھاگے۔ کھانا پینا اور سونا چونکہ ہر شخص کی ضرورت ہے؛ اس لیے ان کو بالکل نہ چھوڑ دے۔ لوگوں سے کم ملا کرے۔ عورتوں اور بچوں سے حتی الوسع الگ رہا کرے۔ اور بے فائدہ باتوں میں مشغول نہ ہو۔ مشہور مثل ہے :

من اشتغل بما لايعنيه فاته ما يعنيه .

یعنی جو شخص بے فائدہ باتوں میں مشغول ہوتا ہے تو وہ فائدہ مند باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ رُتبہ ٔبلند کیسے ملا؟۔ آپ نے فرمایا :

بصدق الحديث وأداء الأمانة وترک ما لا يعنيني .

یعنی سچی بات کہنے، امانت کے اَدا کرنے، اور بے فائدہ کاموں کے چھوڑ دینے سے۔

طالب علم کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ مسلسل کتاب کا مطالعہ، اور تن تنہا یا اپنے ہم سبقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کرتا رہے۔

حضرت یزید رقاشی؛ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے حدیث بیان فرما کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے، اور ہم آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ نے ہمارے دلوں میں بیج بو دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر کیا :

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ o (سورۂ شوریٰ:۱۹/۱۲)

یعنی اے یحییٰ! (ہماری) کتاب (تورات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

مطلب یہ تھا کہ کتاب کو ہمیشہ پڑھتے رہو۔مثل مشہور ہے :

علیک بالدرس فإن الدرس هو الغرس .

یعنی پڑھنے (اور مطالعہ کرنے) کو اپنے اوپر لازم کرلو؛ اس لیے کہ پڑھنا گویا درخت بونا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو علم میں یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟۔فرمایا :

بلسان سؤول وقلب عقول وفؤاد غيرملول وكف بذول .

یعنی سوال کرنے والی زبان، سمجھ دار دل، بے ملول طبیعت، اور خرچیلی ہتھیلی سے۔

بعض روایتوں میں مزید یہ بھی آیا ہے کہ رنج وراحت پر صبر کرنے والے بدن سے (میں علم کی اس بلندی پر پہنچا)۔

شعبی فرماتے ہیں :

من رق وجهه رق علمه .

یعنی جس کا چہرہ محنت کی وجہ سے پتلا ہو جاتا ہے اس کا علم بھی نازک اور لطیف ہوتا ہے۔

شیخ بزرجمہر سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟۔فرمایا :

ببكور كبكور الغراب وتملق كتملق الكلب وتضرع كتضرع السنور وحرص كحرص الخنزير وصبر كصبر الحمار.

یعنی صبح سویرے اٹھنے سے' جیسے کوّا اٹھتا ہے۔ایسی خوشامد سے جیسی کتا میں ہوتی ہے۔ایسی ڈھیٹ سے جیسی بلی میں ہوتی ہے۔ایسی حرص سے جیسی سور میں ہوتی ہے۔اور ایسی برداشت سے جیسی برداشت گدھا رکھتا ہے۔

طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی جاہل سے کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو نرمی اور انصاف سے کام لے؛ تا کہ اس میں اور جاہل میں فرق ہو؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مـا دخل الرفق فی شیئ إلا زانه وما دخل الخرق في شيئ إلا شانه . (۱)

یعنی نرمی جب بھی کسی چیز میں داخل ہوتی ہے اسے زینت عطا کر دیتی ہے۔
اور سختی جب بھی کسی چیز میں داخل ہوتی ہے اسے بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

ایک طالب علم کا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ اپنے اَساتذہ کی تعظیم کرے؛ تا کہ اس کے سبب سے علم کی برکات اسے نصیب ہوں۔ اور بے تعظیمی کے باعث علم کی برکتیں اُٹھ جاتی ہیں۔

طالب علم کا یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ لوگوں کی خاطر مدارات کرے۔ کسی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ سب سے اچھا شخص وہ ہے جو لوگوں سے خاطر مدارات کے ساتھ پیش آئے۔ اور بدترین وہ شخص ہے جو اُن سے الجھے اور جھگڑے کرے۔

یہ بھی مثل مشہور ہے کہ طالب علم عالم کے کلام سے اسی صورت میں نفع پاتا ہے جب اس میں تین خصلتیں ہوں۔ ۱: اس کے مزاج میں تواضع ہو۔ ۲: علم کا شوق ہو۔ ۳: اس کے دل میں عالم کی عظمت ہو۔

تو اس طرح تواضع کے ذریعہ علم اس کے دل میں گھر اور اَثر کرے گا۔ شوق اور حرص کی وجہ سے علم کی باتیں پوچھے گا۔ اور تعظیم کی وجہ سے اُستاتذۂ کرام کا منظورِ نگاہ بنے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۲/ ۴۸۷ حدیث: ۴۶۹۸ ...... سنن ابوداؤد: ۶/ ۴۷۸ حدیث: ۲۱۱۹ ...... سنن ترمذی: ۷/ ۲۴۲ حدیث: ۱۸۹۷ ...... سنن ابن ماجہ: ۱۲/ ۲۲۳ حدیث: ۴۱۷۵۔

باب نمبر 15 : عہدۂ قضا قبول کرے یا نہ کرے

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منصب قضا کے قبول کرنے میں علما کا اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک منصب قضا کا قبول کرنا بہتر نہیں۔جبکہ بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس منصب کا اہل ہے اور بغیر طلب کے اس کو پیش کیا جائے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اور یہی قول ہمارے علما کا ہے۔

منصب قضا کے قبول کرنے کو مکروہ بتانے والوں کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اِرشاد ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یـجـاء بقاضي العادل یوم القیـمة فیلقی من شدة الحساب ما یو د أن لم یکن قضی بین اثنین . (۱)

یعنی قیامت کے دن قاضیِ عادل کو حاضر کیا جائے گا اور وہ قاضی حساب کی سختی کی وجہ سے آرزو کرے گا کہ کیا یہی اچھا ہوتا اگر میں دو آدمیوں پر بھی قاضی نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم نورمجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من جعل قاضیاً فکأنما ذبح بغیر سکین . (۲)

یعنی جو شخص قاضی بنایا گیا گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

حضرت شریک، حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص قاضی بن جاتا تو وہ اُس کے نبی بننے سے نا اُمید ہو جاتے تھے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان:۱۴۶/۲۱حدیث:۵۱۴۶......سبل السلام:۴۱۰/۶حدیث:۱۳۰۸۔

(۲) سنن ابوداؤد:۴۳۳/۱۰حدیث: ۳۵۷۴......سنن ابن ماجہ:۱۹۰/۷حدیث: ۲۳۹۶...... مسند احمد: ۳۷۵/۱۵حدیث:۷۳۴۴......سنن دار قطنی :۳۱۲/۱۰حدیث:۴۵۱۶۔

حضرت ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوقلابہ کو منصب قضا کی پیشکش ہوئی تو وہ وہاں سے ملک شام بھاگ گئے۔ اتفاقاً وہاں کا قاضی بھی معزول ہو چکا تھا تو آپ شام سے چھپتے چھپاتے نکل کر یمامہ چلے آئے۔ ایک بار جب میری اُن سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا :

ما وجدت مثل القضاء إلا كمثل سابح في البحر فلم يحسن أن يسبح حتى غرق.

یعنی عہد قضا (قاضی) کی مثال اُس تیراک کی سی ہوتی ہے جو سمندر میں تیرتا پھرے؛ لیکن اگر وہ اچھا تیراک نہ ہو تو بالآخر وہ ڈوب کر ہی رہے گا۔

حضرت سفیان ثوری کو منصب قضا کے لیے طلب کیا گیا تو آپ بھاگ کر بصرہ میں چلے گئے، اور وہیں روپوش ہوگئے۔ بادشاہِ وقت نے لوگوں کو تلاش کے لیے بھیجا؛ لیکن آپ نہ مل سکے؛ یہاں تک کہ اسی روپوشی کی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بادشاہ نے تازیانے (کوڑے) بھی مارے، اور قید بھی کیا؛ مگر آپ نے منصب قضا کو قبول نہ فرمایا اور بالآخر قید خانے میں ہی اِنتقال فرما گئے۔

عہدۂ قضا کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہ جاننے والوں کی دلیل حضرت انس بن مالک کی وہ روایت ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من ابتغى القضاء وسأل عليه الشفعاء وكل إلى نفسه، ومن أكره عليه نزل عليه ملك ياخذ بيده يسدده . (۱)

یعنی جو کوئی خود منصب قضا کو طلب کرتا ہے اور لوگوں سے (اس کے لیے) سعی کرواتا ہے تو وہ اپنے نفس کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ اور جو شخص مجبوراً (دباؤ

(۱) سنن ترمذی:۲۹۶/۵ حدیث: ۱۳۷۴...... سنن بیہقی کبریٰ:۱۰/۱۰۰ حدیث: ۲۰۰۳۷...... کنز العمال: ۹۴/۶ حدیث:۱۴۹۹۴...... جامع الاحادیث سیوطی:۴۲۰/۴۱ حدیث:۴۵۵۸۷۔

یا کسی اور جائز وجہ سے) اسے قبول کرتا ہے تو اس کی مدد کو فرشتہ مامور کر دیا جاتا ہے جو اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور کام کو انصاف اور درستگی سے کرواتا ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں :

كان يقال لأجر حكم عدل يوماً واحداً أفضل من أجر رجل يصلي في بيته سبعين سنة .

یعنی حاکم عادل کے ایک دن کا ثواب اُس شخص کے ثواب سے کہیں افضل ہے جو اپنے گھر میں ستر برس نماز پڑھے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو فرمایا :

لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها، وإن أعطيتها عن غير مسأله أعنت عليها . (۱)

یعنی حکومت طلب نہ کر۔اس لیے کہ اگر طلب کرنے پر ملی تو تو حکومت ہی کے سپرد کر دیا جائے گا۔اور اگر بے طلب کے حکومت ملے گی تو عالم بالا سے تیری مدد ہوتی رہے گی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ دو شخص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ آپ ہمیں کسی کام پر مامور فرما دیجیے کہ ہم سچے، دیانت دار اور نیک انسان ہیں۔آپ نے اِرشاد فرمایا :

إنا لا نستعمل على عملنا من أراده وطلبه .

یعنی ہم ایسے لوگوں کو کسی کام پر مقرر نہیں فرماتے جو خود اس (منصب) کے آرزومند اور سوالی ہوں۔

---

(۱) صحیح بخاری:۳۶۶/۲۳ حدیث: ۷۱۴۶......صحیح مسلم:۱۴۰/۱۱ حدیث:۴۳۷۰......سنن نسائی: ۳۳۴/۱۶ حدیث:۵۴۰۱......سنن ابوداؤد:۱۴۵/۲......حدیث:۲۹۲۹......سنن دارمی:۲۲۷/۷ حدیث:۲۴۰۱۔

باب نمبر 16 : قاضی کیسا ہو؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہیے کہ مدعی اور مدعا علیہ کو بٹھانے، اشارہ کرنے، اور اُن کی طرف دیکھنے وغیرہ میں برابری کا خیال رکھے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا :

إذا ابتلى أحدكم بالقضاء فليسو بين الخصمين في المجلس والإشارة والنظر ولا يرفع صوته على أحد الخصمين أكثر مما على الآخر . (۱)

یعنی جب تم میں سے کوئی قاضی بن آئے تو اُس کو چاہیے کہ فریقین کو بٹھانے، اشارہ کرنے اور نظر کرنے میں برابری کا خیال رکھے۔ اور فریقین میں سے کسی ایک پر آواز بلند نہ کرے بلکہ دونوں کے ساتھ یکساں آواز میں بات کرے۔

قاضی کو چاہیے کہ فیصلہ کرتے وقت دل کو دیگر قضیوں سے فارغ کرلے۔ (کسی دباوٴ یا غصہ وغیرہ کا کچھ بھی اثر نہ ہو) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا يقض القاضي إلا وهو شبعان ريان . (۲)

یعنی قاضی اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک کہ بھوک پیاس سے فراغت حاصل نہ کرلے۔

---

(۱) مسند ابویعلی موصلی:۱۲۲/۱۲ حدیث:۵۷۳۴...... کنز العمال:۱۰۲/۶ حدیث:۱۵۰۳۴۔

(۲) سنن دار قطنی:۳۱۹/۱۰ حدیث:۴۵۲۳...... سنن بیہقی:۱۰۶/۱۰...... بغیۃ الحارث:۱۴۸/۱ حدیث:۴۶۰۔

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو- جو کہ سیستان میں قاضی تھا- یہ لکھ کر بھیجا کہ فریقین کے درمیان کبھی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا؛ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے :

لا یقض القاضی بین اثنین و ھو غضبان . (۱)

یعنی قاضی غصہ کی حالت میں کبھی دو اشخاص کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکام کو تین باتوں کا پابند کیا ہے۔۱: وہ اپنی ہوا و ہوس کے پیرو نہ ہوں۔۲: صرف اللہ سے ڈریں، مخلوق سے نہیں۔ ۳: اور اللہ کی آیتوں کو قلیل کے عوض فروخت نہ کردیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ o (سورۃ ص:۲۶/۳۸)

اے داوٗد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں (اپنا) نائب بنایا سو تم لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلے (یا حکومت) کیا کرو، اور خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ (یہ پیروی) تمہیں راہِ خدا سے بھٹکا دے گی۔

پھر یہ آیت مبارکہ پڑھی :

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَناً قَلِیْلاً o

(سورۃ مائدہ:۴۴/۵)

پس تم (اقامتِ دین اور احکامِ الٰہی کے نفاذ کے معاملے میں) لوگوں سے مت ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرا کرو، اور میری آیات (یعنی احکام) کے بدلے (دنیا کی) حقیر قیمت نہ لیا کرو۔

(۱) سنن ابن ماجہ:۲۰۲/۷حدیث: ۲۴۰۵...... مسند احمد:۲۷۰/۴۴حدیث: ۲۰۹۲۶...... مسند شافعی:۳/ ۱۹۵حدیث:۱۲۳۹......صحیح ابن حبان:۱۶۲/۲۱حدیث:۵۱۵۴۔

اس کے بعد یہ آیت پاک تلاوت فرمائی :

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ وَ کُنَّا لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ، فَفَہَّمۡنٰہَا سُلَیۡمٰنَ ... o (سورۂ انبیا:۷۸/۲۱تا۷۹)

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کا قصہ بھی یاد کریں) جب وہ دونوں کھیتی (کے ایک مقدمہ) میں فیصلہ کرنے لگے۔ جب ایک قوم کی بکریاں اس میں رات کے وقت بغیر چرواہے کے گھس گئی تھیں (اور اس کھیتی کو تباہ کر دیا تھا)، اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ چنانچہ ہم ہی نے سلیمان (علیہ السلام) کو وہ (فیصلہ کرنے کا طریقہ) سکھایا تھا۔

اس کے بعد حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اگر یہ دونوں اُمر جو اللہ نے اِرشاد فرمائے ہیں، نہ ہوتے تو میں سمجھتا کہ قاضی سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے؛ لیکن اللہ نے اس کی اس کے علم کے سبب تعریف فرمائی، اور اس کو اس کے اِجتہاد کی وجہ سے معذور رکھا۔

باب نمبر 17 : قرآن سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن پڑھنے والے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ بسا اوقات قرآن پاک کی تلاوت ترک کر دے، بلکہ جتنا زیادہ پڑھے اتنا ہی افضل ہے۔ پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

أفضل الناس الحال المرتحل .

یعنی لوگوں میں سے افضل 'الحال المرتحل' ہے۔

لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ 'الحال المرتحل' کیا ہے؟ ۔فرمایا :

الخاتم المفتتح صاحب القرآن يقرأ من أوله إلى آخره كلما حل ارتحل . (۱)

یعنی قرآن کاختم کرنے والا، اور پھر فوراً شروع کردینے والا۔قرآن کا قاری' جواوّل سے آخرتک پڑھتاہےاورختم کرتے ہی فوراً شروع کردیتا ہے۔

قرآن کی تلاوت کرنے والے کا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ اگرزیادہ نہ ہوسکے توکم ازکم ایک سال میں دومرتبہ قرآن پاک مکمل پڑھ لیا کرے۔

حضرت حسن بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا :

من قرأ القراٰن فی السنة مرتين فقد ادىٰ حقه .

یعنی جس نے سال بھر میں دومرتبہ قرآن پاک (مکمل) پڑھ لیا، سمجھواُس نےقرآن پاک کاحق اَداکردیا۔

اِس لیے کہ سالِ وصال میں نبی اکرم نورمجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کودومرتبہ پوراقرآن پاک سنایا تھا۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عرضت علي أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الإنسان من المسجد فلم أر خيرا أعظم من قراء ة القرآن، وعرضت علي ذنوبا أمتى فلم أرذنبا أعظم من اٰية أوسورة أوتيها رجل فنسيها . (۲)

---

(۱) کنزالعمال:۶۱۲/۱ میں اسے عبداللہ ابن مبارک کے واسطے سے محمد بن نصر کا قول بتایا گیا ہے۔ہاں اس مفہوم کی مشہور ومعروف حدیث مندرجہ ذیل کتب میں وارد ہوئی ہے:سنن ترمذی:۱۶۵/۱۱ حدیث: ۳۲۰۰......سنن دارمی:۴۳۳/۱۰ حدیث:۳۵۴۰......شعب الایمان بیہقی:۱۳/۵حدیث:۱۹۴۵۔

(۲) سنن ابوداؤد:۱۲۳/۲ حدیث:۴۶۱......سنن ترمذی: ۱۱۱/۱۱حدیث: ۳۱۶۶......صحیح ابن خزیمہ:۲۷۱/۲ حدیث:۱۲۹۷......مصنف عبدالرزاق:۳۶۱/۳حدیث:۵۹۷۷۔

یعنی میری اُمت کی نیکیاں میرے سامنے پیش کی گئیں یہاں تک کہ اس تنکے کا اَجر بھی- جو کہ کسی انسان نے مسجد سے نکال کر پھینک دیا- تو میں نے قرآن کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی نیکی نہ دیکھی۔ یوں ہی میری اُمت کے گناہ میرے سامنے پیش ہوئے۔ تو میں نے کسی گناہ کو اس سے بڑھ کر نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے کوئی آیت یا سورت یاد کر کے بھلا دی ہو۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

خیر کم من تعلم القرآن وعلمه . (۱)

یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔

پھر آگے حضرت ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ بس اسی بات نے تو مجھے یہاں لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے لیے بٹھا رکھا ہے۔ اور آپ کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی پڑھانے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت ذوالنون مصری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کر رہا ہے :

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوْراً o (سورۂ انسان:۲۱/۷۶)

اور اُن کا رب انھیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔

وہ مسلسل اس آیت کریمہ کو پڑھتا جاتا اور اپنے ہونٹ کو چوستا جاتا محسوس یوں ہو رہا تھا جیسے واقعی وہ کچھ پی رہا ہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھ دیا کہ اے اللہ کے بندے! تم پی رہے ہو یا پڑھ رہے ہو؟۔

(۱) صحیح بخاری: ۲۷/۱۷ حدیث: ۵۰۲۷ ...... سنن ابوداؤد: ۴۵۷/۴ حدیث: ۱۴۵۴ ...... سنن ترمذی: ۹۵/۱۱ حدیث: ۳۱۵۴ ...... سنن دارمی: ۲۶۲/۱۰ حدیث: ۳۴۰۰۔

اس نے جواب دیا کہ اے فرزانے! مجھے اس کی تلاوت سے ہر بار اتنا مزا اور کیف وسرور آ رہا ہے جیسے میں واقعتاً (اپنے رب کے ہاتھوں پاکیزہ شراب) پی ہی رہا ہوں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام بڑے خوش آواز ہیں۔ جب وہ اپنی لَے میں قرآن پڑھنا شروع کر دیتے ہیں تو فرشتے اُس کی سماعت کے شوق میں اپنی نمازیں توڑ دیتے ہیں۔

یوں ہی حضرت داؤد علیہ السلام بھی بڑے خوش آواز تھے۔ ان کی خوش نغمگی کا عالم یہ تھا کہ جب وہ زبور کی تلاوت شروع کر دیتے تو بہتے آبشار رُک جاتے، اُڑتے پرندے ٹھہر جاتے، جانور چوپائے گوش برآواز ہو جاتے، حتیٰ کہ درندے جنگل چھوڑ کر اسے سننے کے لیے بستی میں آ جاتے۔

لیکن جب اُن سے وہ لغزش سرزد ہوئی تو آواز کی وہ مٹھاس جاتی رہی۔ چنانچہ انھوں نے ایک دفعہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میری خوش آوازی کو کیا ہو گیا؟۔ فوراً وحی ربانی نازل ہوئی کہ جب تک تو نے ہماری فرمابرداری کی ہم تمھیں نوازتے رہے، لیکن جب تو نے سستی شروع کر دی تو ہماری عنایت بھی کم ہوگئی۔ اب اگر تم بالکل ویسے ہی ہونے کا وعدہ کرتے ہو جیسے پہلے تھے تو ہم پھر تم پر انعام شروع کر دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت اسرافیل کو پڑھنے کا حکم دے گا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی قراءت کا حکم ہوگا۔ وہ عرض کریں گے مولا! میری خوش نغمگی تو جاتی رہے گی؟۔

جواب ملے گا: تمھیں وہ خوش آوازی دوبارہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ پڑھنا شروع کریں گے۔ اُن کی قراءت سن کر حوریں مست وبے خود ہو کر جنت کے جھروکوں سے چیخ پڑیں گی، اور ایسا شور وغوغا ہوگا کہ خلق خدا نے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا ہوگا۔

اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندو! تم نے بڑے اچھے نغمے سماعت کیے۔

پھر وہ حجابِ عظمت اُٹھا کر فرمائے گا: سَــلامٌ عَــلَـيـكُـمْ۔ اور قرآن کی اِس آیت سے دراصل یہی مراد ہے :

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ o (سورۂ احزاب: ۳۳/ ۴۴)

جس دن وہ (مومن) اُس سے ملاقات کریں گے تو ان (کی ملاقات) کا تحفہ سلام ہوگا۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تعلیم تین طرح کی ہوتی ہے۔۱: محض اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کو تعلیم دے اور کچھ عوض طلب نہ کرے۔۲: اُجرت پر تعلیم دے۔۳: بغیر کسی شرط کے تعلیم دے۔ ہاں اگر کسی نے تحفۃً کچھ دے دیا تو قبول کرلے

اَب اگر وہ خالصتاً لوجہ اللہ الکریم تعلیم دے رہا ہے تو اس کے لیے بڑا ثواب ہے۔ اور اس کا یہ عمل نبیوں کے عمل کی مانند ہے۔

اُجرت پر تعلیم دینے کے سلسلے میں علما کا اِختلاف ہے۔ ہمارے متقدمین فقہا کا قول یہ ہیکہ اُجرت لینی جائز نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

بلغوا عني ولو اٰية . (۱)

یعنی میری طرف سے پہنچا دو، خواہ ایک آیت ہی سہی۔

گویا تبلیغ کو اپنی اُمت پر واجب کر دیا، ایسے ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر تبلیغ کو واجب کیا تھا۔ تو جس طرح ایک رسول کے لیے تبلیغ پر اُجرت لینا جائز نہ تھا ایسے ہی اُن کی اُمت کو بھی جائز نہ ہوگا۔

مگر متأخرین فقہا میں سے ایک گروہ مثلاً عصام بن یوسف، نصیر بن یحییٰ، اور ابونصر

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۷۴/۱۲ حدیث: ۳۴۶۱...... سنن ترمذی: ۱۸۱/۱۰ حدیث: ۲۸۸۱...... سنن دارمی: ۹۸/۲ حدیث: ۵۵۱...... مصنف عبد الرزاق: ۱۰۹/۶ حدیث: ۱۰۱۵۷...... صحیح ابن حبان: ۵۰/۲۶ حدیث: ۶۳۶۲۔

بن سلام وغیرہ کا قول یہ ہے کہ تعلیم پر اُجرت لینی جائز ہے۔ تاہم معلم کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ وہ قرآن پاک کی تعلیم پر اُجرت مقرر نہ کرے، بلکہ حروف تہجی (ا، ب، ت) پڑھانے اور لکھنا سکھانے پر مقرر کرلے۔ اور اگر قرآن ہی پر مزدوری مقرر کرلے تب بھی میں اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتا۔ کیوں کہ اہل اسلام میں یہی طریقہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے؛ ورنہ اگر یہ صورت جائز نہ ہوتو اس زمانہ میں قرآن کا علم مسلمانوں کے ہاں سے بالکل اٹھ جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے کسی سے کچھ اُجرت مقرر نہیں کی، لوگ جو دے دیتے ہیں اسی پر گزارا کرلیتا ہے۔ تو یہ صورت متفقہ طور پر جائز ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو علم دین سکھایا کرتے تھے اور ہدیہ قبول کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوالمتوکل باجیؒ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کرام کسی جہاد میں تھے، اُن کا گزر ایک عرب قبیلہ پر ہوا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تم میں کوئی منتر پڑھنے والا ہے؛ کیونکہ سردارِ قبیلہ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے؟۔

ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ شریف پڑھ کر پھونک ماری، جس سے وہ سردار اچھا ہوگیا۔ اور پھر عوض میں اس نے بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کیا۔ اس صحابی نے اوّلاً لینے سے انکار کیا۔ (لیکن) پھر رسول اللہ سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو آپ نے اس سے پوچھا: تو نے کس چیز سے جھاڑا تھا؟۔

عرض کی: سورۂ فاتحہ سے۔ فرمایا: تمہیں کیسے پتا لگا کہ اس میں شفا ہے؟، پھر فرمایا:

فخذوها واضربوا لي معكم فيها سهم . (۱)

یعنی اسے لے لو، بلکہ اپنے ساتھ اس میں میرا حصہ بھی ملالو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُجرت کا لینا جائز ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۳۰۶/۸ حدیث: ۲۲۷۶...... صحیح مسلم: ۴۲۴/۱۴ حدیث: ۵۸۶۳...... سنن ابوداؤد: ۲۲۳/۱۰ حدیث: ۳۴۲۰...... سنن ابن ماجہ: ۴۶۹/۶ حدیث: ۲۲۳۹...... شرح السنہ بغوی: ۳۴۰/۲۔

قرآن پر نقطے اور اِعراب لگانے کا مسئلہ

بعض لوگوں نے قرآن شریف پر نقطے لگانے اور عشرہ بنانے کو مکروہ کہا ہے۔ اور یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، جن کی دلیل وہ روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

جردوا القراٰن ولا تکتبوا فیه شیئا مع کلام اللّٰه تعالیٰ ولا تعشروه وزینوه بأحسن الأصوات واعربوه فإنه عربي .

یعنی قرآن کو مجرد رکھو۔ اس میں کلام اللہ کے ساتھ کچھ اور نہ لکھو۔ نہ عشرے بناؤ، نہ نقطے لگاؤ۔ بلکہ اسے اچھی آواز سے زینت دو، اور اس پر اعراب لگاؤ کہ وہ عربی ہے۔

لیکن اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ نقطے لگانے اور عشرے بنانے میں کچھ مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ تمام مسلمان صدیوں سے یوں ہی کرتے چلے آئے ہیں، اور خاص طور پر عجمی لوگ اس کے سخت محتاج ہیں۔ لہٰذا ان کی آسانی کے واسطے نقطے اور علامتیں بٹھانا ضروری ہیں۔

کسی جنبی (یعنی جس پر غسل فرض ہو) اور حائضہ کو قرآن پڑھنا اور ہاتھ لگانا جائز نہیں؛ مگر جب کہ قرآن مجید غلاف میں ہو۔ اور اگر کوئی بے وضو ہو تو اس کو قرآن پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے، ہاں اگر غلاف ہو تو کچھ مضائقہ نہیں؛ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ o (سورۂ واقعہ:۷۹/۵۶)

اس کو پاک (طہارت والے) لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوئے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے :

لا يمسُّ القراٰنُ إلا طاهرٌ . (۱)

یعنی قرآن کو پاک صاف شخص کے سوا کوئی نہ ہاتھ لگائے۔

تاہم بے وضو قرآن شریف پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اِستنجا سے فراغت کے بعد قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اور آپ کو قرآن پڑھانے سے کوئی چیز مانع نہ تھی سوائے غسل کی حاجت کے۔ تاہم باوضو ہونا مستحب ہے۔

اگر جنبی شخص یا حیض والی عورت ایک آیت سے کم پڑھ لے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر عورت معلّمہ ہے اور ایامِ حیض میں بچوں کو تعلیم دینا چاہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ آدھی آیت بتا کر چپ ہو جائے، اور پھر آدھی آیت بتا دے؛ مگر پوری آیت ایک ہی دفعہ نہ پڑھے۔

یوں ہی جنبی اور حائضہ کو مسجد میں جانے کی بھی اجازت نہیں۔ لیکن بے وضو شخص مسجد میں جا سکتا ہے۔

ہاں، جنبی اور حائضہ کو کلمہ شہادت پڑھنا، یا تسبیح (یعنی سبحان اللہ کہنا) یا دعائیں مانگنا جائز ہیں۔ فقط قرآن مجید کی تلاوت کرنا منع ہے۔

باب نمبر 18 : سبعِ مثانی کی تفسیر

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا :

---

(۱) مؤطا امام مالک: ۱۱۸/۲ حدیث: ۴۷۳...... سنن دارمی: ۲۱۴/۲ حدیث: ۲۲۶۶...... مصنف عبد الرزاق: ۳۴۱/۱ حدیث: ۱۳۲۸...... سنن کبریٰ بیہقی: ۸۸/۱...... سنن دار قطنی: ۴۹۵/۱ حدیث: ۴۴۷۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِی وَالْقُراٰ نَ الْعَظِیْمَ o (سورۂ الحجر: ۸۷/۱۵)

اور بیشک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۂ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اس سے مراد سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اور اَعراف ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے ساتویں سورہ یاد نہ رہی۔ نیز اسے 'مثانی' اس لیے کہا گیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے ذریعہ اُمت محمدیہ کی تعریف فرمائی ہے، اور اسے ان کے لیے ذخیرہ بنا دیا ہے۔ یہ تابعین کا قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ یہاں 'سبع مثانی' سے مراد 'سورۂ فاتحہ' ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ 'سبع مثانی' سورہ فاتحہ ہے۔

نیز حضرت ربیع بن انس ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بھی ارشادِ باری تعالیٰ 'سبعا من المثانی' کی تفسیر میں یہ فرمایاہیکہ 'سبع مثانی سورہ فاتحہ ہے'۔

کسی نے ان سے عرض کی کہ علما تو 'سبع مثانی' سے مراد 'سبع طوال' (یعنی سات لمبی سورتیں) لیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: دراصل اس آیت کے نزول کے وقت ابھی 'سبع طوال' میں سے ایک سورت بھی نازل نہ ہوئی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

هي فاتحة الكتاب . (۱)

یعنی سورۂ فاتحہ ہی (سبع مثانی) ہے۔

ایک دوسری روایت یوں بھی ہے کہ آپ نے اس سے پورا قرآن مراد لیا ہے۔

(۱) مسند شامیین طبرانی: ۱۴۳/۸ حدیث: ۲۷۲۱...... مسند طیالسی: ۳۹۲/۶ حدیث: ۲۴۲۷۔

ایک قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو 'سبع مثانی' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سات آیتیں ہیں۔اور ہر نماز (کی ہر رکعت) میں اس کی تکرار ہوتی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے: ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں، اور ایک دفعہ مدینہ منورہ - زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً - میں۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر 19 : مکہ و مدینہ میں کتنا کتنا قرآن اُترا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبدالرزاق بواسطۂ معمر حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، اَنعام، اَنفال، توبہ، رعد، نحل، حج، نور، احزاب، الذین کفروا، فتح، حجرات، حدید، مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم، لم یکن الذین کفروا، اذا جاء نصر اللہ، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔اور بقیہ قرآن مکہ مکرمہ میں نازل اُترا۔

جب کہ بعض علما کے بقول سورۂ انعام کی چھ آیتیں، سورۂ نحل کی چند آیتیں، بنی اسرائیل، قصص، سورہ ہل اتی علی الانسان، سورۂ شعرا کی **والشعراء یتبعھم الغاوُوْن** سے آخر سورت تک، اور سورۂ عادیات بھی مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔اور ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی۔ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو دفعہ نازل ہوئی: ایک بار مکہ میں، اور ایک بار مدینہ منورہ میں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 20 : سورۂ براءت کی تحقیق

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس یہ وجہ بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تو آپ کاتب کو لکھوا دیا کرتے تھے؛ لیکن جس وقت سورہ براءت نازل ہوئی اِتفاقاً کاتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا بھول گیا؛ اس لیے سورہ براءت بغیر بسم اللہ کے رہ گئی۔

بعض نے کہا کہ سورۂ براءت اُس عہد کو توڑنے کے لیے نازل ہوئی تھی جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تھا۔ جبکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امن کا باعث ہے؛ اس لیے اس کو نہ لکھا گیا کہ مشرکوں کے لیے کوئی امان نہیں۔

میرے نزدیک صحیح ترین قول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سورۂ انفال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ شریف تشریف لاتے ہی نازل ہوئی، اور سورۂ براءت سب قرآن کے آخر میں نازل ہوئی، اور مضامین دونوں کے ملتے جلتے ہیں، پھر یہ کہ رسول اللہ نے اس ضمن میں کچھ فرمایا بھی نہ تھا؛ اس لیے یہ اَمر مشتبہ ہو گیا۔ تو ان دونوں سورتوں میں جدائی تو کر دی مگر بسم اللہ نہ لکھی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: 'بسم اللہ اس لیے نہ لکھی گئی کہ یہ سورہ جہاد کے حکم میں نازل ہوئی، یعنی صلح کے عہد کو ختم کرنے کے لیے۔

باب نمبر 21 : صاحب قرآن کی قراءتِ قرآن

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا۔ اَب اس سلسلے میں علما کی مختلف آرا ہوگئیں۔ بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اس کا مقصد لوگوں کو تواضع کی تعلیم دینا تھا؛ تاکہ کوئی شخص اپنے سے کم درجے کے آدمی سے پڑھنے اور سیکھنے میں عار محسوس نہ کرے۔

بعض نے کہا: اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کو جلد یاد کرلیا کرتے تھے؛ اس لیے آپ نے ان کو سنایا؛ تاکہ وہ الفاظ کو جلد بعینہٖ یاد کرلیں، اور اسی طرح پڑھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے اس لیے پڑھ کرسنایا تاکہ یہ طریقہ آگے جاری ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ابی بن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے قرآن پڑھوں۔ عرض کی: یااللہ نے میرا نام لے کرفرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سنتے ہی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے۔

روایتوں میں یوں بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب کے سامنے 'لم یکن الذین کفروا' کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہ سورہ تمہارے سامنے پڑھوں۔

حضرت ابی بن کعب کا یہاں رونا دراصل وفورِ مسرت اور خورداں نوازی کے باعث تھا کہ اللہ نے انھیں اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ ورفرمایا۔ اَب اس قدر ومنزلت کے عطا ہونے کی دووجہ ہوسکتی ہے :

ایک تو یہ کہ چوں کہ یہ حکم خاص انھیں کے نام سے آیا تھا، اسی لیے انھوں نے پوچھا: 'کیا اللہ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے، یا یہ کہا ہے کہ اپنے صحابہ میں سے کسی سے پڑھوا کر سن لیں؟۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ خصوصیت سے تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ تو یہ سن کر اُن کا احساسِ نعمت مزید دوآتشہ ہو گیا۔

دوسری یہ کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن سے پڑھنا یہ اُن کے لیے بہت بڑے اعزاز وشرف کی بات تھی کہ کائنات کا کوئی اِنسان اس اِعزاز میں اُن کا شریک وسہیم نہیں۔

یہ وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ شاید اس اِحساس سے آنکھیں بہہ پڑی ہوں کہ اتنے بڑے اعزاز ونعمت کا میں کما حقہ شکریہ بھی نہ اَدا کرسکا۔

اب رہی یہ بات کہ پڑھنے کے لیے خاص اس سورت کی تخصیص کیوں کی گئی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مختصر ہونے کے باوجود جملہ اُصول وقواعد اور اہم اُمور کو جامع تھی، اور مقتضاے حال اِختصار ہی کا تقاضا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابی بن کعب کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا تو اس کی حکمت یہ تھی کہ ابی ابن کعب قرآن کے الفاظ واَدا، مقاماتِ وقف اور لب ولہجہ کی تعلیم پائیں؛ کیوں کہ قرآن کریم کی نغمگی کے قواعد بھی شریعت نے وضع کررکھے ہیں، جب کہ استعمال ہونے والی دیگر سروں اور تانوں میں یہ بات نہیں ہوتی۔

یہ سچ ہے کہ نغمے کے ہر ساز کا ایک مخصوص اَثر ہوتا ہے جو قلب وروح میں اپنی جگہ بناتا ہے، تو ابی بن کعب پر قرآن پڑھنے کا مقصود انھیں یہ لطائف ومعارف سکھانا تھا نہ یہ کہ اُن سے کچھ سیکھنا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے سامنے پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہوجائے کہ قرآن کو ماہر حفاظ کے سامنے پڑھتے رہنا چاہیے۔ نیز یہ کہ قرآن اور دیگر شرعی

علوم کی تحصیل اُن کے ماہروں سے کرنی چاہیے، اور اُن کے لیے اِنکسار و اَدب کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے، خواہ وہ حسب ونسب، دین داری وفضیلت اور مرتبت وشہرت میں فروتر ہی کیوں نہ ہوں۔

نیز اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ لوگ قرآن کے معاملے میں ابی ابن کعب کی فضیلت وعظمت سے آگاہ ہو جائیں، اور اس کے اَخذ وفیض کے لیے ان کی طرف قدم بڑھائیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد وہ قرآن کے سب سے بڑے امام ورئیس، اور خلق خدا کا مرجع تھے۔

باب نمبر 22 : قصیدہ خوانی کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم نے قصیدہ خوانی کے سلسلے میں کلام کیا ہے۔ بعض نے اسے مکروہ بتایا ہے، اور بعض نے اجازت دی ہے۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جو اَعمش نے بواسطۂ ابوصالح، حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لأن یمتلئ جوفُ أحدکم قیحاً ودماً حتی یریه خیر له من أن یمتلئ شعرًا . (۱)

یعنی آدمی کا اپنے پیٹ کو پیپ وخون سے بھر کر ہلاک ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ اِرشاد ہے :

(۱) صحیح بخاری: ۲۰/۳۳۴ حدیث: ۶۱۵۴...... صحیح مسلم: ۱۵/۱۱۸ حدیث: ۶۰۳۱...... سنن ابوداؤد: ۱۴/۳۵۱ حدیث: ۵۰۱۱...... سنن ترمذی: ۱۰/۵۰۰ حدیث: ۷۱...... سنن ابن ماجہ: ۱۱/۳۳۸ حدیث: ۳۸۹۲۔

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ o (سورۂ شعراء:۲۶/۲۲۴)

اور شاعروں کی پیروی بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔

اور یہاں 'الغاؤن' سے 'الضالون' (یعنی گمراہ) مراد ہے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ وہ شعرا اپنے اشعار سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت مسروق سے منقول ہے کہ آپ کی کتاب میں ایک شعر لکھا ہوا تھا تو آپ نے اس کو کاٹ دیا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ شعر لکھ لیتے تو خوب تھا۔ فرمایا: میں تو اپنی کتاب میں شعر لکھا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

اِبراہیم بن یوسف' کثیر بن ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے عبدالکریم سے اس کے معنی پوچھے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ o (سورۂ لقمان:۳۱/۶)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ کلام خریدتے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ **لھو الحدیث** سے غنا اور شعر مراد ہے۔

حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ شیطان ملعون نے عرض کیا: اے پروردگار! آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکالا، اب میرے لیے کون سا گھر ہے؟۔ فرمایا: 'حمام'۔

پھر عرض کی: میری نشست کی جگہ کون سی ہے؟۔ فرمایا: 'بازار'۔

پھر عرض کی: میرے پڑھنے کے لیے کون سی چیز ہے؟۔ فرمایا: 'شعر'۔

پھر عرض کی: میرا ہتھیار کیا ہے؟۔ فرمایا: 'عورتیں'۔

پھر عرض کی: میرے بولنے کے لیے کیا ہے؟۔ فرمایا: 'جھوٹ و چغلی'۔

پھر عرض کی: میرے لکھنے کی چیز کون سی ہے؟۔ فرمایا: 'نقش و نگار [آرٹ]'۔

قصیدہ خوانی کو جائز کہنے والوں کی دلیل حضرت ہشام بن عروہ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے اپنے باپ کی وساطت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن من الشعر لحكمة . (۱)

یعنی بعض شعر حکمت سے بھرے ہوتے ہیں۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں :

ما رأيت امرأة أعلم بشعر ولا بطب ولا بلغة ولا بفقه من عائشة .

یعنی میں نے کسی عورت کو شعر، طب، لغت اور فقہ میں ماہرانہ شان رکھنے کے تعلق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھا ہوا نہ پایا۔

حضرات سماک بن حرب' جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اشعار پڑھا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے درمیان بیٹھ کر سماعت فرماتے اور چہرے پر تبسم کی لکیریں بکھری ہوتیں۔

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

إذا قرأ أحدكم شيئا من القرآن فلم يدر ما تفسيره فليلتمسه في الشعر فإن الشعر ديوان العرب .

یعنی جب کوئی شخص قرآن میں سے کچھ پڑھے اور اس کی تفسیر نہ جانتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اشعار میں تلاش کرے؛ کیونکہ اشعار عرب کے دیوان (لغت) ہیں۔

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ انصار صحابہ میں صرف آپ ہی ایک ایسے ہیں جو شعر نہیں کہتے، باقی تو سب شاعر ہیں۔آپ نے فرمایا: شعر تو میں بھی کہتا ہوں، لوسنو۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۲/۱۲۳۵حدیث:۳۷۵۵......مسند فردوس دیلمی:۱/۲۱۰حدیث:۸۰۳۔

یرید المــرأ أن یعطی منــاہ　　و یــــأبی اللّٰہ إلا مــا أرادا
یقول المرأ فائدتی بمــالی　　وتقوی اللّٰہ أفضل ما استفادا
فلا تک یابن آدم في غرور　　فقد قام المنادي صاح نادی
بأن الموت طالبکم فھــیؤا　　لھـذا الموت راحلة و زادا

یعنی آدمی چاہتا ہے کہ سب کام اس کی خواہش کے مطابق ہوں جبکہ ہوتا وہی ہے جواللہ چاہتا ہے۔

آدمی کہتا ہے کہ اس کا فائدہ مال ودولت میں ہے۔حالاں کہ اس فائدے سے تقویٰ افضل ہے۔

لہٰذا اے اولادِ آدم! دھوکے کے شکنجے سے باہر نکل، اور کان کھول کر سن کہ ندا لگانے والا چیخ چیخ کر ندا لگا رہا ہے۔

یقیناً موت تمہاری تلاش وتعاقب میں ہے؛ سوموت کے لیے تیاری کر، اور آخرت کے لیے توشۂ آخرت اکٹھا کر۔

حضرت کلبی بواسطۂ ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں بتایا کہ جس وقت اُم المومنین حضرت عائشہ کو حضرت ابوہریرہ کی خبر پہنچی تو فرمایا :

رحم اللّٰہ أبا ھریرۃ إنما قال النبی علیه الصلوٰۃ والسلام لأن یـمتـلیٔ جوف أحدکم قیحا حتی یریه خیرا من أن یمتلی شعرًا یرید به من الشعر الذی ھجت به .

یعنی اللہ ابوہریرہ پر رحم کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ ایک شخص کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اسے نبی کی ہجو کے اشعار سے بھرے۔

اس تعلق سے یہ بھی کہا گیا کہ شعر میں اتنا مشغول ہوجانا ممنوع ہے کہ آدمی قرآن شریف اور ذکر اللہ سے غافل ہوجائے، بصورتِ دیگر ممنوع نہیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے ایک دن عرض کیا کہ میں آپ کے کلام کو مکمل طور پر نہیں سمجھ پاتی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا :

استظهری أشعار لبيد .

یعنی لبید شاعر کے کلام سے مدد لے۔

شیخ ابو یعقوب یوسف بن عاصم فرماتے ہیں کہ 'حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار قصیدے یاد تھے'۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

الشعر اوّل علم العرب فتعلموا الشعر عليكم بشعر الحجاز .

یعنی شعر دنیائے عرب کا سب سے پہلا علم ہے؛ لہٰذا شعر سیکھو اور ملک حجاز کے اشعار کو اپنے اوپر لازم جانو۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے شعر نہ کہا ہو، سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اشعار کہے ہیں، اور حضرت علی بھی شاعر تھے۔

باب نمبر 23 : کیا سرکار ﷺ نے شعر کہے؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت شعر میں علما نے کلام کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سے شعر کہنا ثابت نہیں اور دلیل کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ

نبی شعر پڑھا کرتے تھے؟، تو فرمایا: شعر تو آپ کو نہایت ناپسند تھے؛ مگر ہاں ایک دفعہ قیس بن طرفہ کا شعر پڑھا تھا سو اس کے اول کو آخر کر دیا تھا اور وہ شعر یہ تھا۔

ستبدي لک الأيام ما کنت جاهلاً

و يأتيک بالأخبار مـا لـم تـزود

یعنی زمانہ تجھ پر ظاہر کر دے گا اس بات کو جس کو تو نہیں جانتا اور تیرے پاس ان لوگوں کی خبر لائے گا جنہوں نے توشہ ساتھ نہیں لیا۔

اور یہ فرماتے جاتے: **ويأتيک بالأخبار ما لم تزود .**

یہ سن کر حضرت ابو بکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسے نہیں۔ تو آپ نے فرمایا :

ما أنا بشاعر وما ينبغي لي .

یعنی نہ تو میں شاعر ہوں، اور نہ یہ میرے شایانِ شان ہے۔

پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ٥

(سورۂ یس:٣٦/٦٩)

اور ہم نے ان کو (یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ (کتاب) تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر کہے ہیں، اور حدیثوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم نے خندق کی لڑائی کے دن یہ شعر کہا تھا۔

اللّٰهم لا عيش إلا عيش الأخرة

فـارحم الأنصار والمهاجـــرة

یعنی اے میرے اللہ!! آخرت کی زندگی ہی قابل اِعتبار ہے،سوتو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

یہ سن کر انصار نے اس کے جواب میں یہ شعر کہا۔

نحن الذين بايعوا محمدا

علی الوفآء ما بقينا أبدا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرتے دم تک وفا کرنے کی بیعت کرلی ہے۔

حضرت ابوعثمان نہدی؛ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کے لیے کدال زمین پر ماری تو اس وقت فرمایا ۔

بسم الإله وبـــه بدينا

ولو عبدنا غيره شقينا

فحبذا رباً وحب دينا

یعنی اللہ ہی کے نام سے ہم اس کام کو شروع کرتے ہیں۔اگر ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو بدبخت ہو جائیں۔تو وہ کتنا عظیم رب اور (ہمارا دین) کیسا محبوب دین ہے!۔

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :

أنا النبی لا کـــذب　　　أنا ابن عبدالمطلب

یعنی میں نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اسود بن قیس؛ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن راستے میں چلتے ہوئے پھسل گئے،اور پتھر آپ کی مبارک انگلی

میں لگ گیا، تو آپ کی زبان سے نکلا۔

هل أنت إلا أصبع دميت

و فی سبيل الله ما لقيت

یعنی تو فقط ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوگئی ہے، لیکن ابھی تجھے خدا کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑائی بھی کرنا ہے۔

ایک دوسری روایت میں **فی سبيل الله** کی جگہ **فی کتاب الله** آیا ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں؛ مگر اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے قصداً شعر تخلیق نہ فرمایا ہو، اتفاق سے آپ کا کلام شعر کے موافق ہوگیا، یا یوں کہا جائے کہ یہ ابیات رجز ہیں، اور رجز شعر شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ نثر مقفّٰی ہوتا ہے۔

باب نمبر 24 : خواب کی تعبیر کا بیان

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں: دین میں مہارت وکمال حاصل کرنے کے بعد اگر کسی نے علم رؤیا سیکھا تو اس میں کچھ حرج نہیں اور یہ ایک اچھا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو علم رؤیا عطا فرما کر اِحسان جتلایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِیْ الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ o (سورۂ یوسف:۱۲/۲۱)

اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین (مصر) میں استحکام بخشا اور یہ اس لیے کہ ہم اسے باتوں کے انجام تک پہنچنا (یعنی علمِ تعبیرِ رؤیا) سکھائیں۔

یہاں 'تاویل الاحادیث' سے مراد 'علم رؤیا' ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

علیکم بالتفقه فی الدین والتفهم فی العربیة وحسن العبارة.

-یعني عبارة الرؤیا-

یعنی دین میں تفقُّہ حاصل کرنا، عربی زبان میں کمال پیدا کرنا، اور علم تعبیر میں مہارت حاصل اپنے اوپر لازم کرلو۔

اگر علم رؤیا سیکھنا تفقُّہ فی الدین کے حصول میں رکاوٹ بنے تو علم رؤیا کا نہ سیکھنا افضل ہے؛ کیونکہ علم فقہ احکامِ الٰہی کی معرفت کا نام ہے اور علم رؤیا بمنزلہٗ فال کے ہے۔

قاضی ابو یوسف سے کسی نے مسئلہ رؤیا کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا :

حتی نفرغ من أمر الیقظة ثم نشتغل بأمر النوم .

یعنی پہلے ہم بیداری کے اُمور سے فارغ ہولیں، اس کے بعد نیند کے معاملے سے نمٹیں گے۔

حضرت محمد بن سیرین سے جب کوئی خواب بیان کرتا تو آپ فرماتے :

اتق اللّٰہ فی الیقظة فإنه لا یضرک ما رأیت فی النوم .

یعنی بیداری میں اللہ تعالیٰ سے ڈر، اُمید ہے کہ خواب میں دیکھی ہوئی چیز تجھے ہرگز نقصان نہ پہنچائے گی۔

اسماعیل بن علیہ؛ حضرت ایوب سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت محمد بن سیرین کے حوالے سے یہ خبر پہنچی کہ لوگ اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صرف خواب کی تعبیر بتاتے ہیں، کوئی مسئلہ یا فتویٰ نہیں بتاتے۔ یہ سن کر انھوں نے تعبیر بتانا موقوف کردی۔ پھر تعبیر بتانے لگے اور فرمایا :

إنما هو ظن أظنه فما ظننت له في رؤیاه خیراً حدثته إیاه .

یعنی تعبیر اَمر ظنی ہے۔ سو جس کے خواب کی اچھی تعبیر میری سمجھ میں آتی ہے

اسے بیان کردیتا ہوں۔

حضرت ابوقتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أصدقكم رؤيا أصدقكم حديثا . (۱)

یعنی تم میں سے صادق الرؤیا (یعنی سچے خوابوں والا) وہ ہوگا جو صادق القول (یعنی اپنے قول کا سچا) ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ بالا حدیثوں سے پتہ چلا کہ علم رؤیا کے ترک میں کچھ نقصان نہیں؛ کیونکہ یہ بمنزلۂ فال ہے۔(محض علم ظنی ہے قطعی نہیں)

باب نمبر 25 : سچے خواب اور اچھی تعبیروں کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہشام بن عروہ اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی اِبتدا سچے خواب کی شکل میں ہوئی، اور آپ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی تھی'۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا رأى أحدكم رؤيا يحبها فإنما هى من اللّٰه تعالىٰ فليحمد اللّٰه عليها وليحدث بها من أحب، وإذا رأى غير ذلک مما يكره فإنما هى من الشيطن فليستعذ باللّٰه من شرّها ولا يذكرها لأحد فإنها لاتضره .

(۱) معجم کبیر طبرانی:۱۹/۱۲۰حدیث:۲۷۶......معجم اوسط طبرانی:۱/۳۹۹ حدیث: ۴۰۰......موسوعۃ اطراف الحدیث:۱/۹۲۶۷۶حدیث:۹۱۹۵۶......موسوعۃ التخریج:۱/۱۰۱۹۷حدیث:۱۰۱۹۷۔

یعنی تم میں سے جب کوئی اچھا خواب دیکھے (تو یہ سمجھے کہ) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے،اوراس پر اللہ کا شکر بجالائے،نیز اسے اپنے کسی قریبی دوست سے بیان کرے۔اور اگر کوئی برا خواب دیکھے تو(یہ سمجھے کہ) وہ شیطان کی طرف سے ہے۔اوراللہ کی اس کے شر سے پناہ مانگے۔نیز اس کا کسی سے ذکر نہ کرے۔(جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ)اس کے نقصان سے وہ محفوظ رہے گا۔(۱)

حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الرؤيا الصالحة من اللّٰه تعالىٰ والحلم من الشيطان، فمن رأى شيئًا يكرهه فلينفث عن شماله ثلاثة وليتعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم فإنها لاتضره . (۲)

یعنی نیک خواب اللہ کی طرف سے ہیں، اور برا خواب شیطان کا وسوسہ ہے۔سو جو کوئی بری بات دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے،تو وہ خواب اُسے ہرگز نقصان نہ دے گا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ تین چاند میرے حجرے میں آ گرے ہیں،سو میں نے (اپنے والد) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا اور میرے حجرے میں دفن ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'ایک چاند تو یہ ہے اور یہ تینوں میں اوّل درجہ کا ہے'۔

(۱) صحیح بخاری:۲۱/۳۴۴ حدیث:۶۴۷۰......مسند ابویعلی موصلی:۳/۳۷۶ حدیث:۱۳۳۲۔

(۲) موطا امام مالک:۶/۲۹ حدیث:۱۵۰۷...... صحیح بخاری:۱۱/۶۹ حدیث:۳۰۴۹...... صحیح مسلم:۱۱/۳۵۱ حدیث:۴۱۹۸......مسند احمد بن حنبل:۴۶/۶۲ حدیث:۲۱۵۲۱۔

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا اور میرے حجرے میں دفن ہوئے تو کسی نے کہا کہ 'یہ دوسرا چاند ہے'۔

پھر جب حضرت عمر فاروق کا وصال ہوا اور اس حجرہ میں تدفین ہوئی تو کہا گیا کہ 'یہ تیسرا چاند ہے'۔

حضرت محمد بن سیرین کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ خواب میں طوق پہننے کو برا خیال فرماتے تھے، اور بیڑی کو پسند فرماتے تھے، اور فرماتے تھے :

القید ثبات فی الدین .

یعنی بیڑی سے دین کی ثابت قدمی مراد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یوں ہی مروی ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ۱: حدیث النفس۔ ۲: شیطان کا ڈرانا۔ ۳: اللہ کی طرف سے بشارت۔

لہٰذا اگر کوئی بری بات دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ بیان نہ کرے، بلکہ اٹھ کھڑا ہو اور نماز پڑھنے لگے۔

حضرت سفیان، عمرو بن دینار سے اور وہ حضرت عطا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کا خاوند سفر میں تھا اس نے عرض کی کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میرے گھر کا شہتیر ٹوٹ گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

خیرا یکون انشاء اللہ یرد اللہ علیک غائبک .

یعنی بہتر ہوگا، اللہ نے چاہا تو تیرا غائب (خاوند) آجائے گا۔

چنانچہ اس کا خاوند آگیا۔ دوبارہ جب وہ سفر میں گیا، تو اس عورت نے پھر یہی خواب دیکھا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو آپ نے اسے پھر وہی تعبیر فرمائی۔

چنانچہ اس کا خاوند لوٹ آیا۔ پھر جب تیسری بار وہ سفر میں گیا، تو اُس عورت نے وہی خواب دیکھا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی؛ مگر آپ کو نہ پایا اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو موجود پایا تو ان سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ 'تیرا خاوند مر جائے گا' پھر وہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے پوچھا :

هل عرفت على أحد ؟

کیا تو نے اس خواب کا کسی سے ذکر کیا ہے؟۔

اُس نے عرض کی: 'جی ہاں'۔

ارشاد فرمایا :

هو كما قيل لک .

یعنی اَب اس کی تعبیر وہی ہے جو تجھے بتائی گئی ہے۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد اس کو اس کے خاوند کے مرنے کی خبر پہنچ گئی۔

حضرت عطا فرماتے ہیں :

الرؤيا علىٰ ما أولت .

یعنی خواب کی تعبیر وہی ہے جو دی جائے۔

آگے فرمایا :

لاتقص الرؤيا إلا علىٰ حكيم أو واد أو ذي رأفة .

یعنی خواب کا ذکر سوائے حکیم (وصاحب بصیرت) اور دوست کے سوا کسی سے نہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا حدیث سے بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ خواب کی تعبیر وہی ہے جو دی جائے؛ مگر اہل تحقیق کے نزدیک خواب کا حکم جاہل کے جواب سے نہیں بدلتا۔ جیسے کسی فقہ کے مسئلہ پر جاہل کا جواب تسلیم نہیں کیا جاتا، اسی طرح مسئلہ رؤیا کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ اور

حدیث میں جس طرح مذکور ہوا، وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاویل سے بدلا ہے؛ کیوں کہ اللہ آپ کے قول کو آپ کی عظمت کے باعث سچا کر دکھاتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرا سر دھڑ سے علاحدہ ہو کر گر گیا ہے، اور میں نے اس کے پیچھے پیچھے جا کر اُسے پکڑ لیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :

بأی عینیک رأیته إذا سقط الرأس عنک .

یعنی جب تیرا سر گر گیا تھا تو کون سی آنکھوں سے تو نے سر کو دیکھا!۔

آگے ارشاد فرمایا :

إذا لعب الشیطان بأحدکم فلا یخبر الناس به . (۱)

یعنی جب شیطان کسی سے کھیلے تو اس کا ذکر لوگوں سے نہ کرے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أصدق الرؤیا ماکان بالأسحار . (۲)

یعنی سچے خواب وہ ہیں جو سحری کے وقت میں نظر آئیں۔

نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الرؤیا الصالحة جزء من ستة وأربعین جزءاً من النبوة .(۳)

یعنی نیک خواب نبوت کے چھیالیسویں اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم:۱۱/۳۶۸حدیث:۴۲۱۳......سنن ابن ماجہ:۱۱/۳۹۰حدیث:۳۹۰۲......مسند احمد بن حنبل: ۲۸/۴۱۳حدیث:۱۳۸۶۴......مصنف ابن ابی شیبہ:۷/۲۳۳۔

(۲) سنن ترمذی:۸/۲۳۳حدیث:۲۲۰۰...... مسند احمد بن حنبل:۲۲/۳۵۵حدیث:۱۰۸۱۰...... مستدرک حاکم:۱۹/۶۴حدیث:۸۲۹۸......شعب الایمان بیہقی:۱۰/۲۸۴حدیث:۴۵۸۰...... سنن دارمی:۶/۳۹۶حدیث:۲۲۰۱......صحیح ابن حبان:۲۵/۱۳۱حدیث:۶۱۴۸۔

(۳) صحیح بخاری:۲۱/۳۳۹حدیث:۶۴۷۴...... صحیح مسلم:۱۱/۳۵۶حدیث: ۴۲۰۳......سنن ابوداؤد:۱۳/۲۰۶حدیث:۴۳۶۴......سنن ترمذی:۸/۲۲۷حدیث:۲۱۹۶۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من رآنی فی المنام فقد رآنی حقا فإن الشیطان لا یتمثل بی. (۱)

یعنی جس نے خواب میں میری زیارت کی اس نے یقیناً میری ہی زیارت کی؛ اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

اور آگے مزید یہ بھی فرمایا :

من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة . (۲)

یعنی جس نے خواب میں میری زیارت کی، وہ عنقریب بیداری میں بھی میری زیارت کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا :

من تحلم بحلم لم یرہ کلف أن یعقد بین شعیرتین ولم یفعل –وفي روایة– ولیس بعاقد . (۳)

یعنی جو کوئی جھوٹے خواب بیان کرے، قیامت کے دن اُس کو دو جَو کے دانوں کو گرہ لگانے کی تکلیف دی جائے گی اور وہ نہ کر سکے گا۔

باب نمبر 26 : تعویذ و دَوا کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض علما تعویذ بنانے اور دوا کے اِستعمال کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر اکثر علما اس کے جواز کے قائل ہیں۔

(۱) کنز العمال:۱۵/۳۸۳ حدیث:۴۱۴۸۱......مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۳/۲۵۶۔

(۲) صحیح بخاری:۲۱/۳۴۹ حدیث:۶۴۷۸...... صحیح مسلم:۱۱/۳۶۱ حدیث:۴۲۰۷...... سنن ابوداؤد: ۱۳/۲۱۱ حدیث:۴۳۶۹......مسند احمد بن حنبل:۴۶/۹۹ حدیث:۲۱۵۵۸۔

(۳) صحیح بخاری:۲۱/۴۲۶ حدیث:۶۵۲۰......معجم کبیر طبرانی:۱۰/۲۸ حدیث:۱۱۷۵۵۔

ناجائز سمجھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یدخل من أمتی الجنة سبعون ألفا بغیر حساب .

یعنی میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کی :

یا رسول اللّٰہ أدع اللّٰہ أن یجعلنی منهم .

یعنی یارسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیں، اللہ مجھے اُن میں سے کردے۔

چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا فرمادی۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص کھڑا ہوکر عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ! میرے لیے بھی دعا فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا :

سبقکم بها عکاشة . (۱)

یعنی اس معاملے میں عکاشہ سبقت لے گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرا شخص منافق تھا۔ اس لیے آقاے رحمت علیہ السلام نے اس کے حق میں دعا نہ فرمائی؛ ورنہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ کسی مؤمن کو آپ نے اپنی دعا سے محروم رکھا ہو۔

اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور اِدھر صحابہ کرام آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو بے حساب جنت میں جائیں گے؟۔ بعض نے کہا: جو مسلمان پیدا ہوئے اور مسلمان ہی فوت ہوئے اور کوئی گناہ نہ کیا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ سے اس بارے میں تفصیل دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا :

هم الذین لا یتداؤون ولا یکتوون ولا یرقون ولا یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون .

(۱) صحیح مسلم: ۱/۴۸۸ حدیث: ۳۱۷...... صحیح بخاری: ۱۸/۱۲۶ حدیث: ۵۳۶۴۔ مسند احمد: ۴۰/۳۸۶۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دوا نہیں کرتے، داغ نہیں لگاتے، تعویذ گنڈہ نہیں کرتے، فال بد نہیں لیتے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۱)

حضرت عمران بن حصین بیان فرماتے ہیں کہ میں پہلے اَنوار دیکھا کرتا تھا، اور فرشتوں کا کلام سنا کرتا تھا؛ لیکن ایک دفعہ میں نے داغ لگوالیا تو پھر یہ بات جاتی رہی۔

حضرت اعمش' ابوظبان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمان ایک شخص کی عیادت کو تشریف لے گئے، جب اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو ایک دھاگہ بندھا دیکھا، فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی: گنڈہ ہے۔ آپ نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا :

لو مت علی هذا لما صلیت علیک .

یعنی اگر تو اس حال میں مرجاتا تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مجھے بچھو نے کاٹ لیا، تو میری ماں نے مجھے قسم دی کہ میں جھڑواؤں؛ چنانچہ میں نے اپنے اچھے ہاتھ کو جھڑوالیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ محترمہ کہتی ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ آئے اور میری گردن میں ایک دھاگہ پڑا دیکھا تو فرمایا: یہ دھاگہ کیسا ہے؟۔ میں نے کہا: گنڈہ ہے۔ انھوں نے فوراً اسے توڑ ڈالا، اور فرمایا :

إن اٰل عبداللّٰه لأغنیاء عن الشرک .

یعنی بے شک عبداللہ کی آل' شرک سے بری ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں :

یرحم اللّٰه أقواماً لا یعرفون الهلیلج ولا البلیلج .

(۱) صحیح بخاری:۱۷/۴۷۳/۱۷ حدیث:۵۲۷۰...... صحیح مسلم:۱/۴۹۴ حدیث:۳۲۳...... سنن ترمذی:۸/۴۸۵ حدیث:۲۳۷۰...... مسند احمد بن حنبل:۶/۳۳۳ حدیث:۲۸۰۰...... مصنف عبدالرزاق:۱۰/۴۰۹۔

یعنی اللہ ان لوگوں پر رحم کرے جو 'بلیج وبلیج' کو نہیں پہچانتے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ایک ظنی اَمر ہے، اور معلوم نہیں کہ شفا کس میں ہے؛ لہٰذا یہ سب کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے!۔

یہ دیکھیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا خوب بات فرمائی ہے :

لا تحموا المريض عما يشتهي فلعل الله يجعل شفاء ه في بعض مايشتهي .

یعنی بیمار کو اس چیز سے نہ روکو جس کو اس کا دل چاہے۔ کیا پتا کہ اللہ نے اس کے لیے اس میں شفا رکھی ہو۔

تعویذ وعلاج کو جائز سمجھنے والوں کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے :

إن اللّٰه تعالى لم ينزل داء إلا وقد أنزل له دواء إلا السأم والهرم، فعليكم بألبان البقر فإنها تخلط من كل شجرة –وفي خبر اٰخر– فإنها ترعى من كل شجرة .

یعنی اللہ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا نہ ہو سوائے موت اور بڑھاپے کے؛ لہٰذا گائے کا دودھ پیا کرو؛ اس لیے کہ وہ ہر قسم کی گھاس چرتی ہے اور ہر درخت سے کھاتی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ، زیاد بن علاقہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن شریک نے فرمایا: میں مکہ معظّمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور گنوار لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے کہ کیا دوا کرنے میں گناہ ہے؟۔

آپ نے ارشاد فرمایا :

تداووا عباد الله فإن الله تعالى لم يخلق داء إلا وقد وضع

لـه شفآء . (۱)

یعنی اے اللہ کے بندو! دوا کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں کی جس کی شفا نہ پیدا کی ہو۔

حضرت حجاج بن ارطاۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے تعویذ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

ما سمعنا بكراهيته إلا من قبلكم يا معشر أهل العراق .

یعنی اے عراقیو! ہم نے تمہارے علاوہ کسی اور کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ تعویذ مکروہ یا ناجائز ہے۔

چونکہ عبادت کا قوام بدن ہے۔ تو جس طرح ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم احکام سیکھیں؛ تا کہ عبادت درست طور پر بجا لائیں۔ اسی طرح علم طب اور وہ علاج جس میں بدن کی اِصلاح ہو کہ اگر ہم اس پر عمل کریں یا اس کو سیکھیں؛ تا کہ عبادت درست طور پر اَدا کر سکیں تو اس میں کچھ حرج اور مضائقہ نہیں۔

مزید یہ کہ بہت سے احکام رائے سے ثابت ہوتے ہیں اور وہاں کوئی نص نہیں ہوتی اور نہ ہی یقین ہوتا ہے۔ بالکل یہی حال طب کا ہے؛ کیونکہ یہ بھی رائے اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا استعمال جائز ہے؛ لیکن علم طب کی حیثیت وہ نہیں جو احکام دین کی ہے!۔

رہیں وہ حدیثیں اِن کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں وہ سب منسوخ ہیں۔ کیا آپ تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ خبر نہیں پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت جھاڑ پھونک سے منع فرمایا، اور آل عمرو بن حزم کو چونکہ جھاڑنے کا ایک طریقہ

(۱) سنن ابن ماجہ:۲/۱۱۳۷حدیث:۳۴۳۶......صحیح ابن حبان:۱۳/۴۲۶حدیث:۶۰۶۱......مسند حمیدی:۲/۳۶۳حدیث:۸۲۴......مستدرک حاکم:۴/۳۹۹حدیث:۸۲۰۶۔

آتا تھا جس سے وہ بچھو کے کاٹے کو جھاڑتے تھے۔ تو وہ فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جھاڑنے کی داستان سنا کر عرض کی کہ سنا ہے آپ نے جھاڑنے سے ممانعت فرمادی ہے؟۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :

ما أرى بها بأسا من استطاع منكم أن ينفع أخاه فليفعل . (۱)

یعنی میں اس میں کچھ حرج نہیں دیکھتا جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو ایسا کرے۔

ممانعت کا راز شاید یہ رہا ہو کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ شفا دوا میں ہے؛ لیکن اگر کوئی یوں جانے کہ شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوا محض سبب ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور اس کے جواز میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔

آپ یقیناً اس سے باخبر ہوں گے کہ غزوۂ احد میں جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے تو آپ نے اپنے زخم کا علاج پرانی ہڈی سے کیا تھا۔

روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک انصاری کے رگ اکحل میں تیر لگ گیا تھا، تو آپ کے حکم سے اسے داغ دیا گیا۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ معوّذتین (سورۂ فلق اور سورۂ الناس) سے جھاڑا کرتے تھے۔ اور اس باب میں حدیث وآثار بے شمار ہیں۔

باب نمبر 27 : دوا آمیز غذاؤں کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت شہر بن حوشب، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(۱) صحیح مسلم:۱۱/۱۹۸حدیث:۴۰۷۶......مسند احمد بن حنبل:۴۱۲/۲۸حدیث:۱۳۸۶۳......مصنف ابن ابی شیبہ:۴۳۷/۵۔

الـكـمأة من المــن، وماؤها شفاء للعين، والعجوة من الجنة وهي شفاء من السم . (۱)

یعنی کھمبی (سانپ کی چھتری) من کی ایک قسم ہے، (یعنی ان چیزوں میں سے ہے جن کا اللہ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے) جس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔اور عجوہ جنت میں سے ہے، جس کے اندر زہر سے شفا موجود ہے۔

حضرت ربیع بن خیثم فرماتے ہیں :

ليس للنفساء عندي دواء إلا الرطب، ولا للمريض إلا العسل.

یعنی میرے نزدیک نفاس والی عورت کے لیے تر کھجور، اور مریض کے لیے شہد سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں۔

حضرت اعمش بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوصالح نے فرمایا :

في حـمى الـربـع ثـلـث سـمـن وثـلث عسل وثلث لبن يعجن ويشرب.

یعنی حمی الربع کے لیے ایک تہائی گھی، ایک تہائی شہد اور ایک تہائی دودھ ملا کر پلایا جائے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الحمي من فيح جهنم فأبردوها بالماء . (۲)

یعنی بخار دوزخ کی لپٹ سے ہے سو اُس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) بخاری:۳۹۶/۱۳ حدیث:۴۱۱۸......مسلم:۳۶۲/۱۰ حدیث:۳۸۱۶......ترمذی:۴۰۰/۷ حدیث:۱۹۹۳۔

(۲) موطا امام مالک:۵۰۰/۵ حدیث:۱۴۸۶......صحیح بخاری:۴۲/۱۱ حدیث: ۳۰۲۳......صحیح مسلم: ۲۲۰/۱۱ حدیث:۴۰۹۳......سنن ترمذی:۴۱۰/۷ حدیث:۲۰۰۰۔

جعلت البركة في العسل وفيه شفاء من الأوجاع وقد بارك عليه سبعون نبيا .

یعنی برکت شہد کے اندر رکھ دی گئی ہے،اوراس میں دردوں کے لیے شفا ہے۔نیزاس کی برکت کے لیے ستر انبیاے کرام نے دعا فرمائی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :

إذا اشتكىٰ أحدكم شيئا فليسأل امرأته ثلاثة دراهم من صداقها وليشتر بها عسلاً ولبناً فليشربه بماء السماء فيجمع اللّٰه بها الهناء والمراء والشفاء والماء المبارک .

یعنی جب تم میں سے کوئی مریض ہوتو اپنی بیوی کے مہر میں سے تین درہم مانگ لے،اوراس کا شہد،اور دودھ خریدے، پھر بارش کا پانی ملا کر اسے پی جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوشگوار لطافت،اور شفا جمع فرمادیتا ہے،اور(بارش کا)پانی تو ہے ہی برکت والا۔

حضرت محمد بن المنکدر، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا :

عليكم بالإثمد فإنه ينبت الشعر في الجفن في العين ويشد البصر. (۱)

یعنی سرمۂ اثمد کے استعمال کو لازم کرلو؛ کیونکہ وہ پتلیوں کے بالوں کو جماتا اورقوتِ بینائی کو بڑھاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں یہ بھی آیا ہے:**ويجلى البصر** . اور بینائی کو جلا بخشتا ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی:۳۸۳/۶حدیث: ۱۶۷۹...... سنن ابن ماجہ:۳۱۷/۱۰حدیث: ۳۴۸۶...... مستدرک حاکم:۳۱۶/۱۷حدیث:۷۵۶۹۔

باب نمبر 28 : عربی زبان کی دیگر زبانوں پر فضیلت

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذہن نشین رہے کہ عربی زبان کو دیگر تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے؛ لہٰذا جس نے اس کو سیکھا، یا کسی دوسرے کو سکھایا تو یقیناً ثواب کا حق دار ہوگا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی آخری کتاب) قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، سو قرآن وحدیث کے معنی ومراد کو کما حقہ وہی سمجھ سکتا ہے جسے اس زبان پر دسترس حاصل ہو۔

حضرت ابو بریدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

من تعلم الفارسية فقد خب ومن خب فقد ذهبت مروء ته .

یعنی جس نے فارسی زبان سیکھی اس نے خیانت کی اور جس نے خیانت کی اس سے مروّت جاتی رہی۔

امام زہری فرماتے ہیں :

كلام أهل الجنة بالعربية، وأهل النار الهندية .

یعنی جنتی عربی زبان میں کلام کریں گے اور دوزخی ہندی زبان میں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

عليكم بالتفهم في العربية .

یعنی عربی زبان میں سوجھ بوجھ حاصل کرو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص عربی زبان اس لیے سیکھتا ہے کہ بول چال اچھی ہو جائے اور قراءت سنور جائے۔ فرمایا :

فليتعلمها فإن الرجل ليقرأ الأية فيصرف من وجهها فيهلك .

یعنی اسے سیکھنے دو؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص آیت پڑھے اور اس کا اُلٹا کرے تو قریب ہے کہ وہ برباد ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو طوافِ کعبہ کے دوران فارسی میں گفتگو کرتے سنا تو فرمایا: عربی زبان سیکھنے کی سبیل پیدا کرو۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیکن اگر کسی نے عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں کلام کیا تو یہ بھی جائز ہے اور اس پر کچھ گناہ نہیں۔

چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گفتگو میں فارسی کلمات بھی استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خندق کے دن کھانا تیار کیا اور بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا :

اذهبوا إلى بيت جابر فإنه اتخذ لكم شورباً . (۱)

یعنی جابر کے گھر چلو اس نے تمہارے لیے 'شوربہ' تیار کیا ہے۔

روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں صدقہ کے چھوہارے آئے، اور اس وقت امام حسن و حسین آپ کے پاس ہی موجود تھے، تو ان میں سے ایک نے ایک چھوہارا منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کے منہ میں انگلی مبارک ڈال کر فرمایا: کخ کخ، اور پھر چھوہارے کو منہ سے نکال دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اُس وقت مخاطب کیا جب کہ اُن کے پیٹ میں شدید درد تھا اور فرمایا :

يا أباهريرة أ شكم درد .

یعنی اے ابو ہریرہ! کیا تیرے پیٹ میں درد ہے؟۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۰/۴۶ حدیث: ۱۴۴۹۷..... سنن دارمی: ۱/۴۹ حدیث: ۴۳۔

میں نے عرض کی: جی ہاں!۔فرمایا :

بالصلوٰۃ فإن فی الصلوۃ الشفاء .

یعنی نماز پڑھ؛ کیونکہ نماز میں شفا ہے۔

یہی روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہے۔ اور صحیح ترین یہی ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات مستند ذرائع سے پہنچی ہے کہ لوگ قیامت کے دن دخولِ جنت سے پہلے سریانی زبان میں کلام کریں گے۔لیکن جنت میں داخلے کے بعد زبانِ عربی میں گفتگو کرنا شروع کردیں گے۔

حضرت عبدالصمد بن معقل بیان کرتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ نے ارشادفرمایا:

ما من لغة إلا وفي القرآن منها شيئ .

یعنی ایسی کوئی زبان نہیں کہ جس کا کوئی لفظ قرآن پاک میں نہ آیا ہو۔

کسی نے عرض کی کہ فارسی کا کون سا لفظ آیا ہے؟۔

فرمایا:'سجیل' یعنی سنگ وگل کا معرب ہے۔نیز اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ عربی وفارسی دونوں میں مستعمل ہے۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ کو حبشی زبان میں بتایا گیا ہے :

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآئَکَ وَيَا سَمَآءُ اَقْلِعِىْ وَغِيْضَ الْمَآءُ o

(سورۂ ہود:۱۱/۴۴)

اور(جب سفینۂ نوح کے سوا سب ڈوب کر ہلاک ہو چکے تو) حکم دیا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا،اوراے آسمان! تو تھم جا،اور پانی خشک کر دیا گیا۔

نیز مندرجہ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ رومی زبان میں ہے۔

فَصُرْهُنَّ اِلَيْکَ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۶۰)

پھر انھیں اپنی طرف مانوس کرلو۔

اور ذیل کی آیت سریانی زبان میں ہے :

وَ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ o (سورۂ ص:۳/۳۸)

حالانکہ اب خلاصی (اور رہائی) کا وقت نہیں رہا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حبشی زبان میں ہے :

کِفۡلَیۡنِ o (سورۂ حدید:۲۸/۵۷)

لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں عربی زبان کے سوا کسی اور زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آیا ہے؛ کیوں کہ قرآن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ o (سورۂ شعراء:۱۹۵/۲۶)

(اس کا نزول) فصیح عربی زبان میں (ہوا) ہے۔

نیز فرمایا :

اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰناً عَرَبِیاً o (سورۂ زخرف:۲/۴۳)

بیشک ہم نے اسے عربی (زبان) کا قرآن بنایا ہے۔

تاہم اہل علم نے اس کے دو جواب دیے ہیں: ایک تو یہ کہ یہ الفاظ جو ہم نے حبشی، رومی وغیرہ زبانوں کے ذکر کیے ہیں، یہ اہل عرب کے ہاں مستعمل تھے اور عرب ان کے معنی سے آگاہ تھے، پھر مستعمل ہونے کی وجہ سے یہ بمنزلۂ عربی زبان کے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ فرمانِ خداوندی: **بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ**. اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ غیر عربی زبان کے کچھ الفاظ آجانے سے اس کی عربیت میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب قرآن مجید میں غیر عربی زبان کے الفاظ ہوں گے تو یہ اہل عرب کے لیے حجت کیونکر ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ لوگ ان کے معنی سمجھتے تھے تو بلاشبہ اُن پر حجت ہوگا۔

باب نمبر 29 : قرآن کا سات حرفوں پر نزول

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اقرأنی جبرئیل علیہ السلام القراٰن علی حرف واحد فراجعتہ فلم أزل استزیدہ ویزیدنی حتیٰ انتھی إلی سبعة أحرف . (۱)

یعنی جبریل نے مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھایا پس میں نے ان سے مراجعت کی، اور اسی طرح میں ان سے مزید کا سوال کرتا رہا اور وہ بھی بڑھاتے رہے؛ یہاں تک کہ سات حرف تک پہنچ گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے :

أمرني جبرئیل أن أقراء القراٰن علی سبعة أحرف کلھا شاف و کاف . (۲)

یعنی جبریل نے مجھ سے کہا کہ آپ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیں اور تمام حرف شافی وکافی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

إن ھذا القراٰن نزل بسبعة أحرف لکل حرف ظھر و بطن .

یعنی یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور ہر حرف کے واسطے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۸۸/۴۱ حدیث: ۱۹۵۲۹......مستخرج ابی عوانہ: ۱۳۲/۸ حدیث: ۳۱۲۳۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۳۸۸/۴۱ حدیث: ۱۹۵۲۹......سنن کبریٰ نسائی: ۵/۵......معجم کبیر طبرانی: ۴۷/۱۵ حدیث: ۱۶۷۲۹۔

اب سوال یہ ہے کہ 'سبعۃ احرف' کے معنی کیا ہیں۔تو اس سلسلے میں اقوال مختلف ہیں:
بعض کہتے ہیں کہ بعض آیتوں میں سات حرف یعنی سات قرا ئتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت 'اُفٍّ لَّکُمَا' سات طریقے پر پڑھی جاتی ہے، تین زبر، زیر اور پیش کے ساتھ۔ تین تنوین اور بے تنوین کے ساتھ۔ اور ساتواں طریقہ جزم کے ساتھ۔ لیکن اس طرح سات قراءیتیں اکثر آیات میں نہیں۔

یوں ہی یہ ارشادِ باری تعالیٰ :

تُسَاقِطْ عَلَیْکِ رُطَباً جَنِیّاً o (سورۂ مریم:۱۹/۲۵)

اور یہ فرمانِ ذوالجلال بھی :

بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ o (سورۂ اعراف:۷/۱۶۵)

تو اسی طرح دیگر آیات بھی سات طریقوں سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ سات حرفوں سے مراد: امر، نہی، قصص، امثال، وعظ، وعید اور وعد ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ 'سات حرفوں سے مراد، عرب کی سات لغتیں ہیں، جس کے معنی یہ نہیں کہ ایک حرف میں سات لغتیں ہیں؛ کیونکہ یہ تو اہل عرب سے کبھی نہیں سنا گیا۔ ہاں، یہ ساتوں لغت متفرق جگہ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ بعض لغت قریش کے ہیں، بعض ہذیل کے، بعض یمن کے، بعض ہوازن کے اور بعض لغت دوس کے ہیں۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ 'سبعۃ احرف' سے مراد قرآن پاک کی وہ سات قراءیتیں ہیں جن کو ائمہ فن نے اختیار کیا ہے۔ ان میں سے ایک عاصم بن ابی نجود ہیں اور ان کی والدہ کا نام 'بہدلہ' ہے۔ دوسرے حمزۃ بن حبیب الزیات ہیں۔ تیسرے ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی ہیں۔ اور یہ تینوں اہل کوفہ سے ہیں۔

چوتھے عبداللہ بن کثیر اہل مکہ سے ہیں۔ پانچویں نافع بن عبدالرحمٰن مولیٰ معاویہ اہل

مدینہ سے ہیں۔ ۔ چھٹے ابوعمرو بن العلا اہل بصرہ کے امام ہیں، اور ان کا نام ریان بن عمار بن غربان ہے، اور کنیت ابوعمرو ہے۔

ساتویں عبداللہ بن عامر اہل شام سے ہیں۔ پس ہر ایک نے ان سات قراءتوں میں سے ایک قراءت کو اختیار کیا جو اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمسے صحیح طور پر منقول ہوئی ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ آیتیں جو دو قراءتوں سے پڑھی جاتی ہیں اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے ایک قراءت پر نازل کیا مگر اجازت دو طرح پڑھنے کی بھی دی، اور بعض نے کہا کہ اللہ نے دونوں طرح نازل کیا۔

ہمارے نزدیک مبنی بر صواب اَمر یہ ہے کہ اگر ہر قراءت کے معنی جدا جدا ہیں تو دونوں طرح اللہ نے ہی نازل کیا ہے؛ گویا دو قراءتیں بمنزلۂ دو آیتوں کے ہوئیں۔ جیسے فرمان خداوندی ہے :

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ –حَتّٰى يَتَطَهَّرْنَ– ۝ (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۲)

اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں اُن کے قریب نہ جایا کرو۔

اوّل معنی تخفیف کی صورت میں یہ ہوئے کہ 'تم عورتوں کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ خون بند ہوجائے'۔

اور دوسرے معنی تشدید کی صورت میں یہ ہوئے کہ 'نہ قریب ہو یہاں تک کہ عورتیں نہالیں'۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہی حال اُن آیتوں کا ہے جو اس طرح کی ہیں جیسے لفظ بُیُوت اور بِیُوت یوں ہی الـمُـحصنات اور الـمَـحصنات کو زبر اور زیر کے ساتھ۔ تو سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ نے ایک ہی طرح فرمایا ہے؛ مگر ہر قبیلہ کو اُن کی عادت کے مطابق اجازت دی کہ وہ جس

طرح چاہیں اَدا کریں۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ نے اس آیت کو اس طرح نازل فرمایا ہے، تو اب دو قراءتوں میں سے کس کو اِختیار کیا جائے گا۔ تو علما نے فرمایا کہ لغت قریش کو ترجیح دی ہے؛ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی تھے، اور قرآن مجید لغت قریش کے موافق ہی نازل ہوا۔ دیکھیں حضرت مجاہد کیا فرماتے ہیں :

نزل القرآن بلغة القريش .

یعنی قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے۔

باب نمبر 30 : تفسیر قرآن کی بحث

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار . (۱)

یعنی جو کوئی قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے، اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آیت کریمہ 'فَاكِهَةً وَّاَبًّا' سے کیا مراد ہے؟۔ فرمایا: مجھے نہیں معلوم۔ کہا گیا کہ اپنی طرف سے اس کی تفسیر فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا :

أيّ أرض تقلني وأى سماء تظلني إذا قلت في كتاب اللّٰه تعالىٰ برأيي ولا اعلم .

(۱) سنن ترمذی:۱۰/۲۰۷حدیث:۲۸۷۵...... سنن کبریٰ نسائی:۵/۳۱حدیث:۸۰۸۵...... کنزالعمال: ۱۰/۲۲۲حدیث:۲۹۱۷۲۔

یعنی کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی، اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا، اگر میں قرآن کے بارے میں وہ بات کہوں جو میں جانتا ہی نہیں۔

حضرت شعبی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ابو صالح کے پاس سے گزرے تو اُن کا کان پکڑ کر کہا :

إنک لم تقرأ القراٰن فکیف تفسرہ .

یعنی ابھی تو نے قرآن تو پڑھا ہی نہیں اور تفسیر کرنے بیٹھ گیا!۔

حضرت عمر فاروق نے ایک آدمی کے ہاتھ میں قرآن دیکھا کہ اس کی ہر آیت کے پاس تفسیر بھی لکھی ہوئی ہے، تو آپ نے ایک قینچی منگوائی اور اس کو کاٹ دیا۔

شیخ حکم فرماتے ہیں کہ حضرت شریح تفسیر نہیں کرتے تھے؛ مگر صرف تین آیتوں کی۔ ایک یہ آیت :

اِلَّآ أَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۳۷)

سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کردیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کردے (یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا اَدا کردے)۔

اس میں بیدہ عقدۃ النکاح کی تفسیر میں فرماتے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔

دوسری آیت :

و اٰتَيۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ o (سورۂ ص:۳۸/۲۰)

اور ہم نے انہیں حکمت و دانائی اور فیصلہ کن اندازِ خطاب عطا کیا تھا۔

اس میں حکمت سے مراد فقہ اور فصل خطاب سے علم اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت و لیاقت مراد ہے۔

اور تیسری آیت :

اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ o (سورۂ قصص:۲۶/۲۸)

بے شک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانت دار ہو۔

اس کے بارے میں فرماتے کہ موسیٰ کی قوت کا یہ حال تھا کہ ایک پتھر جو دس آدمی سے کم نہ اٹھا سکتے تھے، اکیلے اٹھا لیتے تھے۔ اور اُن کی امانت داری کا یہ عالم تھا کہ حضرت شعیب کی صاحبزادی اُن کے آگے آگے چلتی تھی، تیز ہوا کے باعث اُن کا تہہ بند اوپر کو اٹھ جاتا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ 'میرے پیچھے ہو جاؤ اور راستہ بتاتی چلو'۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تفسیر نہ فرمایا کرتے تھے سوائے چند آیتوں کے جن کی تفسیر حضرت جبرائیل نے آپ کو پیش کر دی تھی۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے نہ فرماتے تھے تو اور کسی کو کب جائز ہے؟ پھر اب قرآن کی تفسیر کیسے معلوم ہو؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ متشابہات کی تفسیر سے ممانعت ہے نہ کہ سارے قرآن کی تفسیر کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ o (سورۂ آل عمران:۷/۳)

سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیرِ اثر۔

چونکہ قرآن شریف خلق خدا پر اُس کی حجت ہے؛ اس لیے اگر اس کی تفسیر اور بیان جائز نہ ہو تو وہ حجت کیونکر ہوگا۔ اور جب یہ بات ہے تو اس شخص کو- جو لغت عرب کا علم رکھتا ہو اور شانِ نزول کو پہچانتا ہو- جائز ہے کہ قرآن کی تفسیر کرے؛ لیکن جو شخص لغت عرب کو نہ

جانے اور خوامخواہ مفسر بننا چاہے تو اس کو تفسیر قرآن کرنا جائز ؛ نہیں مگر جتنی کسی عالم سے سنی ہو اور یہ تفسیر بطور حکایت ہوگی نہ کہ بطور تفسیر اور اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور اگر وہ تفسیر جانتا ہے تو پھر آیت سے کسی حکم کو نکالنے کا اِرادہ کرے یا کسی حکم کے لیے اِستدلال کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ سو اگر اس نے یہ کہا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے اور سلف سے اس بارے میں کچھ نہیں سنا تو ایسا کہنا اس کو حلال نہیں بلکہ ممنوع ہے۔ اور اگر کسی اِمام سے یہ بات منقول ہو تو حکایۃً بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کو جب تفسیر میں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو صحابہ کرام اور ان مسلمانوں سے جو پہلے اہل کتاب تھے اور توریت و انجیل کے عالم تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے :

عرفت تفسير جميع القراٰن إلا أربعة . الأواه، والرقيم، وحنان، وغسلين .

یعنی میں تمام قرآن کی تفسیر جانتا ہوں سوائے چار لفظوں کے اور وہ چار الفاظ یہ ہیں۔ **الأَوّاهُ، وَالرَّقِيمُ، وَّحَنَانًا، وغِسلِيْن .**

عکرمہ کے علاوہ دیگر راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ یہاں رقیم سے مراد کتاب ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ رقم کا معنی یہ ہے کہ کتاب پر حرکات لگادی جائیں۔ کہتے ہیں: کتابٌ مرقوم ؛ یعنی ہر حرف نقطے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ حنان کے معنی رحمت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا ٥ (سورۂ مریم: ۱۳/۱۹)

اور اپنے لطفِ خاص سے (انہیں) درد و گداز اور رحمت و طہارت (سے بھی نوازا تھا)۔

اور غسلین کے معنی وہ مادہ ہے جو کفار کے بدن سے رس کر جہنم میں گرے گا۔

باب نمبر 31 : حسن معاشرت اور معرفت حقوق

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک انسان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مخلوق سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرے، اور نیک و بد، سنی و بدعتی سے کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے؛ مگر مداہنت نہ کرے، اور نہ ہی کوئی ایسا کلام کرے کہ بدعتی اور فاسق گمان کرے کہ میرے عقیدے اور افعال کو یہ شخص پسند کرتا ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون کو فرمایا :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى o (سورۂ طہٰ:۲۰/۴۴)

سوتم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

تو آپ نہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے افضل ہیں اور نہ فاسق فرعون سے برا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فرعون کے ساتھ نرمی کا حکم کیا۔

حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حمزہ عامری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطا سے عرض کیا کہ آپ ایک ایسے شخص ہیں کہ جن کے پاس مختلف قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور میں تیز مزاج ہوں میں تو ایسے لوگوں کو برا بھلا کہہ بیٹھتا ہوں۔ فرمایا: یوں نہ کیا کر، اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے :

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا o (سورۂ بقرہ:۲/۸۳)

اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کیا کرو۔

لہٰذا جب اس آیت کے وسعت حکم میں یہودی اور نصرانی بھی داخل ہیں تو حنفی کیونکر داخل نہ ہوگا!۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إنكم إن لم تسعوا الناس بأموالكم فليسعهم منكم بسط الوجه وحسن الخلق . (۱)

یعنی تم لوگ خلق خدا کو اگر اپنے مال میں سے کچھ نہیں دے سکتے تو ان سے کشادہ پیشانی اور حسن اخلاق سے ضرور پیش آیا کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

من أحب أن يصفو له ود أخيه فليدعه بأحب أسمائه إليه، ويسلم عليه إذا لقيه، ويوسع له في المجلس.

یعنی جس کو یہ پسند ہو کہ اس کا بھائی اس کا دوست ہو تو چاہیے کہ اسے اچھے نام سے پکارے اور جب ملے سلام کرے اور جب وہ مجلس میں آئے تو جگہ دے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا :

لا تكوني فحاشة فإن الفحش لو كان رجلا لكان رجل سوء.

یعنی بدزبان نہ ہونا اس لیے کہ بدزبانی اگر آدمی ہوتی تو برا آدمی ہوتی۔

کہاجاتا ہے: کسی پر احسان کرنا، اس کے احسان سے پہلے خوبی کی بات ہے، اور احسان کے بعد احسان کرنا بدلہ ہے، اور برائی پہنچنے پر احسان کرنا کرم ہے۔ یوں ہی برائی کرنا کسی کی برائی سے پہلے ظلم ہے، اور برائی کرنا برائی پہنچنے کے بعد بدلہ ہے، اور احسان کے بعد برائی کرنا بدبختی اور سخت ملامت کی بات ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ اِحسان یہ نہیں کہ محسن کے ساتھ احسان کیا جائے بلکہ احسان یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ احسان کرو۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے کا حق پہچانے،

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/ ۹۰ حدیث: ۲۰۔

اوراُس کی توقیر کرے۔آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے :

ما وقر شاب شيخا إلا قيض اللّٰه له شابا عند كبر سنه فيوقره.

یعنی جب کوئی جوان کسی بوڑھے کی توقیر کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے لیے ایک جوان کو مقرر کردیتا ہے جو اس کی توقیر کرے گا۔

حضرت لیث بن ابوسلیم کہتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ بن مطرف کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔اتنے میں انہوں نے مجھے آگے کرتے ہوئے فرمایا :

لو علمت أنک أكبر مني بليلة ما تقدمتک .

یعنی اگر مجھ کو خبر ہوتی کہ تم ایک رات بھی مجھ سے بڑے ہو تو میں کبھی تم سے آگے نہ ہوتا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہدایت بنیاد ہے :

من لم يوقر كبيرنا ولم يرحم صغيرنا فليس منا . (۱)

یعنی جو ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

باب نمبر 32 : دوستوں کی ملاقات

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی رضا کی خاطر بھائیوں اور دوستوں سے ملاقات کرنا بہت اچھا ہے اور موجب ثواب بھی۔اس سے باہمی محبت بڑھتی اور عمر میں اِضافہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۱۴/۱۸۱حدیث:۶۶۴۳ ......معجم اوسط طبرانی:۱۱/۲۶حدیث: ۴۹۶۸......مسند ابویعلی موصلی:۷/۴۹۶حدیث:۳۳۸۲۔

امش میلا وعد مریضا، وامش میلین وزر أخا فی اللّٰه، وامش ثلاثة أمیال وأصلح بین اثنین .

یعنی مریض کی عیادت کے لیے ایک میل بھی جانا پڑے تو جاؤ۔ یوں ہی بھائی سے ملاقات کرنے کے لیے دومیل کا سفر طے کرنا پڑے تو کرلو۔ اور دو آدمیوں کے درمیان صلح کرنے کی غرض سے تین میل چل کر جانا پڑے، تب بھی چلے جاؤ۔

بعض اہل حکمت نے فرمایا :

لا تترک الزیارة فینسوک ولا تکثر الزیار فیملوک .

یعنی ملاقات کو بالکل ترک نہ کردو کہ لوگ تمھیں بھول ہی جائیں۔ اور بہت زیادہ ملاقات کے لیے نہ جاؤ کہ لوگ تم سے اکتا نہ جائیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

یا أبا هریرة ! زر غبا تزدد حبا . (۱)

یعنی اے ابوہریرہ! ناغہ کرکر کے ملا کروتا کہ محبت زیادہ ہو۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی فرماتے ہیں :

المریض یعاد والصحیح یزار .

یعنی بیمار کی عیادت کی جاتی ہے اور تندرست سے ملاقات کی جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس یہ لکھ کر بھیجا: 'لوگ تو وہی ہیں جن سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں'۔

حضرت ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے بستر بچھایا، تو آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا :

---

(۱) مسند شہاب قضاعی:۲/۴۸۶ حدیث: ۵۹۲......بغیۃ الحارث:۱/۲۸۰ حدیث:۱۵......معجم کبیر طبرانی: ۴/۱۱ حدیث:۳۴۵۵۔

لا يأبى بالكرامة إلا الحمار .

یعنی گدھے کے سوا کوئی تعظیم سے اِنکار نہیں کرے گا۔

حضرت طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حضرت شعبی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کی خدمت میں ایک صاحب تشریف لائے ، جن کے لیے فرش بچھایا گیا، اور وہ اس پر تشریف فرما ہوئے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے :

اذا أتاكم كريم قوم فاكرموه. (۱)

یعنی تمہارے پاس جب کسی قوم کا عزت دار شخص آئے تو اس کی عزت کرو۔

حضرت سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ حضرت ابوجحیفہ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک محاورہ ہے :

جالس الكبراء و خالط العلماء وخالل الحكماء .

یعنی بڑوں کی خدمت میں بیٹھا کرو۔علما سے میل جول رکھا کرو۔اور حکیموں (دانا لوگوں) سے دوستی بڑھاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل . (۲)

یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے؛ لہٰذا دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے پہلے سوچ بچار کرلیا کرو۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۱۲۱/۱۱حدیث:۳۷۰۲......مصنف ابن ابی شیبہ:۱۲۰/۶......سنن کبریٰ بیہقی:۱۶۸/۸......مستدرک حاکم:۱۵۶/۱۸۔

(۲) سنن ابو داؤد:۴۵۹/۱۲حدیث: ۴۱۹۳......سنن ترمذی:۳۸۳/۸حدیث:۲۳۰۰...... مسند احمد:۱۶/۲۲۶حدیث:۷۶۸۵......مستدرک حاکم:۱۶۵/۱۷حدیث:۷۴۲۷۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ آدمیوں کے درمیان رہنے کو ناپسند کرتے ہیں، اور گوشہ نشینی عزیز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ 'گوشہ نشینی میں سلامتی اور عافیت ہے'۔

اس سلسلے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ آدمی اگر گوشہ نشینی اختیار کرے اور اس کا دین سلامت رہے تو گوشہ نشینی افضل ہے، اور اگر تنہائی میں وسوسوں کا شکار رہے تو پھر لوگوں میں رہنا افضل ہے؛ مگر حقوق کی رعایت اور تعظیم پھر بھی ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

لولا الوسواس ما بالیت أن أکلم الناس .

یعنی اگر وسوسے پیدا نہ ہوتے تو لوگوں سے کبھی کلام ہی نہ کرتا۔

کسی حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! جس کی صحبت میں جی چاہے بیٹھ؛ مگر پانچ قسم کے لوگوں کی صحبت سے ضرور پرہیز کرنا۔

۱: جھوٹے کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس کا کلام سراب جیسا ہوتا ہے کہ قریب کو دور کرتا ہے اور دور کو قریب کر دیتا ہے۔

۲: احمق کی صحبت میں نہ بیٹھنا کہ وہ نفع پہنچانے کے اِرادے سے نقصان پہنچا دیگا۔

۳: لالچی کی صحبت اختیار نہ کرنا کہ وہ تم کو ایک گھونٹ پانی اور ایک لقمہ کے عوض فروخت کر دے گا۔

۴: بخیل کی صحبت پسند نہ کرنا کہ وہ تم کو اس وقت ذلیل اور محروم کرے گا جب تم زیادہ محتاج ہوگے۔

۵: اور بزدل کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ وہ تم کو ہلاک کروادے گا اور تمہارے والدین کو بھی برا بھلا کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرے گا۔

باب نمبر 33 : سلام کرنے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب مسلمانوں کے قریب سے گزرو تو سلام کرو۔ اور جب سلام کیا گیا تو جواب دینا واجب ہوگیا۔ ہاں! اس میں علما کا اختلاف ہے کہ سلام کرنے والا افضل ہے یا جواب دینے والا۔ تو بعض نے فرمایا کہ جواب دینے والے کو زیادہ ثواب ملے گا کہ جواب فرض ہے، اور سلام سنت اور فرض کا ثواب سنت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور سلام کا جواب فرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا :

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ٥ (سورۂ نساء:۸۶/۴)

اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو۔

مگر بعض علما کا کہنا یہ ہے کہ سلام کرنے کا ثواب زیادہ ہے؛ اس لیے کہ وہ پہلے ہے اور مقدم کو فضیلت حاصل ہے۔ اور پھر یہ کہ سلام ہی تو جواب کے واجب ہونے کا سبب ہے؛ لہٰذا وجوبِ جواب میں سلام برابر کا شریک ہے۔

حضرت اعمش، عمرو بن مرہ کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ جو آدمی کسی جماعت کو سلام کرے تو اس کو ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی؛ لہٰذا اگر اس جماعت نے سلام کا جواب نہ دیا تو فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اس جماعت پر لعنت کرتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

..... ألا أدلكم على أمر إذا أنتم فعلتموه تحاببتم، أفشوا

السّلام بینکم . (۱)

یعنی کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو اپنا لو تم دوست بن جاؤ، آپس میں کثرت سے سلام کو پھیلاؤ۔

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ چلنے والا کھڑے کو، کھڑا بیٹھے کو، چھوٹا بڑے کو، سوار پیدل چلنے والے کو اور پیچھے سے آنے والا آگے والے کو سلام کرے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب ایک جماعت دوسری جماعت پر گزرے تو قلیل جماعت کثیر جماعت کو سلام کرنے میں پہل کرے۔

حضرت زید بن وہب سے مروی ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یسلم الراکب علی الماشي والماشي علی القاعد والقلیل علی الکثیر . (۲)

یعنی سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے ہوئے کو اور قلیل، کثیر کو سلام کریں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی جماعت کسی جماعت کے پاس سے گزرے، اور ان میں سے کوئی بھی سلام نہ کرے تو یقیناً سبھی گناہ گار ہوں گے۔ اور اگر ایک نے بھی کر لیا تو سب کی طرف سے یہی سلام کافی ہو جائے گا۔ اور اگر سب کے سب سلام کریں تو یہ افضل ہے۔ اب اگر دوسری جماعت میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گناہ گار ہوئے، اور اگر ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو گیا اور اگر سب جواب دیں تو یہ افضل ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم:۱/۱۸۰حدیث:۸۱......سنن ابوداؤد:۱۳/۴۰۹حدیث:۴۵۱۹......سنن ترمذی:۹/۳۰۴حدیث:۲۶۱۲......سنن ابن ماجہ:۱/۷۷حدیث:۶۷......مسند احمد:۳/۳۴۷حدیث:۱۳۳۸۔

(۲) صحیح بخاری:۱۹/۲۴۵حدیث:۵۷۶۴......صحیح مسلم:۱۱/۱۲۱حدیث:۴۰۱۹......سنن ترمذی:۹/۳۳۲حدیث:۲۶۲۷......مصنف عبدالرزاق:۱۰/۳۸۷حدیث:۱۹۴۴۳۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب سب پر واجب ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ امام ابو یوسف اس کی وجہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ چوں کہ جواب فرض ہے اور یہ فرض سر پر عائد ہوتا ہے؛ لہٰذا ہر کوئی اپنے فرض سے سبک دوش ہو۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ اگر ایک نے بھی سلام کا جواب دے دیا تو کافی ہے، اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

حضرت اعمش، حضرت زید بن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا مر قوم بقوم فسلم عليهم واحد منهم أجزأ عنهم وإذا رد واحد منهم أجزأ عنهم . (۱)

یعنی جب کوئی کسی قوم میں سے گزرے اور ایک شخص ان میں سے سلام کرے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ اسی طرح اگر ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے جواب ہوگیا۔

یوں ہی جواب دینے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جواب اتنی آواز سے دے کہ سلام کرنے والا سن لے، اگر اس نے نہیں سنا تو یہ جواب شرعاً معتبر نہیں۔

بالکل ایسے ہی جیسے کسی سلام کرنے والے نے سلام کیا، اور دوسرا اسے سن ہی نہ سکا تو یہ دراصل سلام ہی شمار نہ ہوگا۔ یہی حال جوابِ سلام کا ہے۔

حضرت معاویہ بن قرۃ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا سلمتم فأسمعوا وإذا رددتم فأسمعوا وإذا قعدتم فاقعدوا بالأمانة ولا يرفعن بعضكم حديث بعض .

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۱۸/ ۴۳۱ حدیث: ۸۶۴۳۔

یعنی جب سلام کیا کرو تو سنایا کرو، اور جب جواب دیا کرو تو سنایا کرو اور جب بیٹھا کرو تو امانت دار ہو کر بیٹھا کرو، کسی کی راز کی بات افشا نہ کرو۔

آدمی کو چاہیے کہ اگر چہ ایک آدمی پر ہی سلام کرے جب بھی لفظ جمع کا اِستعمال کرے، اور یہی حال جواب سلام کا بھی ہے؛ اس لیے کہ مسلمان کبھی تنہا نہیں ہوتا۔

حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا :

إذا سلمت علی واحد فقل السلام علیکم فان معه الملائکة .

یعنی جب تم کسی تنہا کو بھی سلام کرو تو السلام علیکم ہی کہو؛ کیونکہ اس کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں سلام کیا: **علیک السلام** ۔

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

هذا التسلیم علی الموتی ولکن قولی السلام علیکم .

یعنی اس طرح تو مردے پر سلام ہوتا ہے، ہاں السلام علیکم کہا کرو۔(۱)

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کے لیے افضل یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ کہیں، اور اسی طرح جواب دینے والے کو بھی چاہیے؛ کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے؛ مگر 'برکاتہٗ' سے زیادہ کوئی اور لفظ نہ کہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی حضرت سہل بن حنیف سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من قال السلام علیکم کتب له عشر حسنات ومن قال

---

(۱) سنن ابوداؤد:۴/۹۸حدیث:۴۰۸۶......سنن ترمذی:۵/۷۱حدیث:۲۷۲۱......مستدرک حاکم:۴/۱۴۶حدیث:۷۳۸۲......جامع الاحادیث سیوطی:۹/۷۸حدیث:۷۹۵۳۔

السـلام عـلـيـكم ورحمة اللّٰه كتب له عشرون حسنة ومن قال السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته كتب له ثلثون حسنة .(۱)

یعنی جس نے 'السلام علیکم' کہا اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اور جس نے 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کہا اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جس نے 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ' کہا اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہٗ' کہتے ہوئے سنا، تو فرمایا :

انتهوا حيثما انتهت الملائكة مع أهل بيت الصالحين قولهم : 'رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ' .

یعنی اسی پر بس کرو جتنے پر فرشتوں نے بس کی ہے، اور وہ (قرآن مجید میں) ہے 'ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

لكل شيئ منتهٰى وإن منتهى السّلام البركات .

یعنی ہر شے کی اِنتہا ہے اور سلام کی انتہا 'وبرکاتہٗ' پر ہے۔

باب نمبر 34 : بچوں کو سلام کرنا کیسا ؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچوں کو سلام کرنے کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ انھیں سلام نہ کیا جائے۔ جب کہ بعض کا موقف یہ ہے کہ انھیں سلام کرنا افضل ہے، اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

---

(۱) الاحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۵/۴۱۴ حدیث: ۱۷۴۷...... معجم کبیر طبرانی: ۵/۳۲۶ حدیث: ۵۴۲۹...... شعب الایمان بیہقی: ۱۸/۳۷۹ حدیث: ۸۵۹۷...... مسند عبد بن حمید: ۲/۵۷ حدیث: ۴۷۲۔

بچوں کے لیے سلام کو درست نہ ماننے والوں کا کہنا ہے کہ سلام چونکہ سنت ہے اور جواب فرض ہے؛ مگر بچوں پر جوابِ سلام فرض نہیں تو پھر سلام کرنے سے کیا فائدہ!۔

حضرت اشعث بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بچوں سے سلام کرنے کو جائز نہ کہتے تھے، اور جب کبھی بچوں پر گزرتے تو انھیں سلام نہ کرتے تھے۔

حضرت ابن سیرین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جب بچوں پر گزرتے تو انھیں سلام کیا کرتے تھے؛ مگر ان کو سنایا نہ کرتے تھے۔

بچوں کے لیے سلام کو جائز ماننے والوں کی دلیل خادم الرسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

كنت مع الصبيان إذ جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلم علينا ثم دعاني فبعثني إلى حاجة له .

یعنی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں سلام کیا پھر مجھے بلا کر کسی کام کے لیے بھیجا۔

حضرت عنسبہ بن عمار کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ہم پر گزرتے، اور ہم چھوٹے چھوٹے بچے مکتب میں ہوتے، تو وہ ہمیں سلام کہتے۔

حضرت حکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت شریح ہر چھوٹے بڑے کو سلام کیا کرتے تھے۔

باب نمبر 35 : ذِمی کافروں پر سلام کا حکم

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اہل ذِمہ کفار سے سلام کرنے میں علماے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ نہ چاہیے؛ ہاں، اگر وہ سلام کریں تو جواب دے دینا چاہیے، اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

ذمیوں کے لیے سلام کو درست جاننے والوں کی حجت یہ ہے کہ حضرت ابو امامہ باہلی جب کسی یہودی یا نصرانی کے پاس سے گزرتے تو انھیں سلام کیا کرتے، اور فرماتے :

أمرنا رسول اللّٰہ ﷺ بإفشاء السلام علیٰ کل مسلم ومعاھد .

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم ہر مسلمان اور ہر ذمی کافر پر سلام کو کثرت سے پھیلائیں۔

حضرت علقمہ نے فرمایا کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سالحین نامی ایک گاؤں سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں 'سالحین' کے کچھ گنوار ساتھ ہوگئے۔ پھر جب ہم کوفہ میں داخل ہوئے تو وہ گنوار دوسری طرف کو چل پڑے۔ انھیں بچھڑتے دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُن کو سلام کیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اِن کافروں سے سلام کرتے ہو؟۔ تو آپ نے فرمایا :

نعم، إنھم صحبونا وللصحبة حق .

یعنی ہاں! یہ لوگ ہمارے ساتھ رہے تھے، اور صحبت کا ایک حق ہوتا ہے۔

ذمیوں سے سلام نہ کرنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت سہل بن یحییٰ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا تبدؤوا الیھود والنصاری بالتسلیم وإذا لقوکم فی الطریق فاضطروھم إلی أضیقھا . (۱)

یعنی یہود ونصاریٰ سے سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اور جب تم ان سے کہیں راستے میں ملو تو اُن پر راستے کو تنگ کردو۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۹۲/۱۵ حدیث: ۷۲۵۱...... مصنف عبدالرزاق: ۳۹۱/۱۰ حدیث: ۱۹۴۵۶...... معجم کبیر طبرانی: ۱۳۱/۱۹ حدیث: ۳۰۶...... شعب الایمان بیہقی: ۴۱۳/۱۸ حدیث: ۸۶۲۵۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

لا تسلموا علی الیھود والمجوس .

یعنی یہود ونصاریٰ اور آتش پرستوں کو سلام نہ کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن الیھود إذا سلموا علیکم فقولوا 'وعلیکم' ولا تزیدوا علیٰ ذالک . (۱)

یعنی جب یہود تم کو سلام کریں تو اس کے جواب میں فقط 'وعلیکم' کہو اور اس پر مزید کچھ نہ بڑھاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہمیں منع کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے سلام کے جواب میں 'وعلیکم' سے زیادہ کوئی لفظ کہیں۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کبھی آپ کا گزر ایسی جماعت پر ہو کہ جس میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں تو آپ کو اختیار ہے چاہے تو 'السلام علیکم' کہیں اور نیت صرف مسلمانوں کی کریں، اور چاہیں تو 'السلام علیٰ مَنِ اتبعَ الھدیٰ' کہیں۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب تو کسی ضرورت سے کسی یہودی یا نصرانی کو خط لکھے تو چاہیے کہ اوّل یہ لکھے: 'السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ'۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السلام تحیة لملتنا وأمان لذمتنا . (۲)

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۱/۱۳۱ حدیث: ۴۰۲۶ ...... صحیح ابن حبان: ۲/۴۹۷ حدیث: ۵۰۳ ...... مسند احمد بن حنبل: ۱۲/۲۰۵ حدیث: ۵۶۶۸ ...... مصنف عبدالرزاق: ۶/۱۱ حدیث: ۹۸۴۰ ...... سنن کبریٰ نسائی: ۶/۱۰۲۔

(۲) کنز العمال: ۹/۱۱۴ حدیث: ۲۵۲۴۲ ...... مسند شہاب قضاعی: ۱/۴۲۹ حدیث: ۲۵۲۔

یعنی سلام ہمارے مذہب کا تحفہ ہے اور اہل ذِمہ کے لیے امان ہے۔

اور یزید کہتے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ عورتوں سے سلام کیا جائے یا نہ؟ تو آپ نے فرمایا: اگر جوان ہوں تو نہ چاہیے۔

باب نمبر 36 : گھر میں داخل ہوتے وقت سلام

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں پر سلام کریں اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہیں: 'السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین' ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً o (سورۂ نور:۲۴/۶۱)

پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) پر سلام کہا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے۔

یہ آیت کریمہ دونوں اُمروں کی مقتضی ہے۔ ایک تو یہ کہ گھر والوں سلام کیا جائے جبکہ وہ گھر میں موجود ہوں، اور اگر نہ ہوں تو پھر اپنے اوپر سلام کیا جائے۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ نے فرمایا :

إذا دخلت بيتك فسلم على أهلك فهم أحق من سلمت عليهم، وإذا دخلت بيتا ليس فيه أحد فقل: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فإنه كان يؤمر بذلك .

یعنی جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کہو؛ اس لیے کہ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور جب کبھی ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تو 'السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین' کہو؛ کیوں کہ شرعی حکم

یہی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھرانھوں نے ہم سے فرمایا کہ'ایسی صورت میں فرشتے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں'۔

حضرت عطافرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ جب کوئی کسی کے گھر میں آنے کی اجازت طلب کرے تو اس سے کہا جائے کہ 'نہیں اس وقت تک اجازت نہیں جب تک تو کنجی نہ لائے'۔

میں نے عرض کی: تو کیا 'السلام علیکم' اس کی کنجی ہے؟۔فرمایا: 'ہاں'۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب کوئی گھر میں سلام کر کے داخل ہوتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہاں میرے رہنے کو کوئی جگہ نہیں۔اور جب کھانا سامنے آتا ہے اور وہ بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ نہ یہاں رہنے کی جگہ ملی اور نہ ہی کھانے کو کچھ ملا۔اور جب پانی آتا ہے اور وہ بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہاں کھانے پینے کی کوئی جگہ نہ رہی۔اس طرح وہ ذلیل ومحروم ہو کر اس گھر سے نکال جاتا ہے۔

باب نمبر 37 : لباس کیسا ہونا چاہیے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک شخص کا لباس اپنے اَقران واَمثال کے مطابق ہونا چاہیے، نہ بہت اعلیٰ درجے کا ہو، اور نہ ہی بہت گھٹیا درجے کا؛ کیوں کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ نہی شرعی کا مرتکب ہوگا اور لوگوں کو غیبت کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے کہ آپ نے دوشہرتوں سے منع فرمایا:

۱: اعلیٰ درجے کا لباس پہننے کی شہرت سے۔

۲: اَدنی درجے کا لباس پہننے کی شہرت سے۔

حضرت شعبی نے فرمایا :

البس من الثیاب ما لا یزدریک به السفهاء و لا یعیبک به الفقهاء .

یعنی ایسے کپڑے زیب تن کرو کہ نہ تو جاہل و بے وقوف اس کی ہنسی اُڑائیں اور نہ ہی فقہا اس کا کوئی نام رکھیں۔

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ 'پہلے کپڑوں کے دراز کرنے میں شہرت تھی اور اب قیمتی عمدہ کپڑوں میں ہے'۔

بعض نے متوسط لباس کو پسند کیا ہے، اور یہ دلیل پیش کی کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے غلام قنبر کے ساتھ بازار تشریف لے گئے اور دو موٹے کرتے خریدے، اور قنبر سے فرمایا کہ ان میں سے ایک چھانٹ لو، سو قنبر نے ایک لے لیا اور دوسرا آپ نے خود پہن لیا۔

بعض تابعین کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس حال میں خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا کہ ان کے کرتے میں سات پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

اخشوشنوا و اخلولقوا و تمعددوا و اجعلوا الرأس رأسین .

یعنی لباس موٹا سخت پہنا کرو، اور پرانا کر دیا کرو (یعنی اتنا پہنو کہ پرانا ہو جائے) اور تم عیش کو چھوڑ دو اور حالت عیش میں بیمار کی مانند ہو جاؤ اور تم ایک سر کو دو سر کرو۔

یعنی دو غلام خریدو کہ اگر ایک مر جائے تو دوسرا باقی رہے گا اور اہل عرب یہی کیا

کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے ایک قمیص خریدی، اور آستین کا وہ حصہ جو انگلیوں سے نیچے جارہا تھا اسے کاٹ دیا اور خادم سے کہا کہ اَب اسے سل دو۔

کپڑوں میں سفید کپڑے مستحب ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰـه تعالیٰ خلق الجنة بيضاء وخير ثيابكم البيض تلبسونه في حياتكم وتكفنون به موتاكم .

یعنی اللہ نے جنت کو سفید پیدا کیا ہے، اور لباس میں سفید کپڑے بہترین ہیں کہ تمہارے زندے اسے پہنیں اور تمہارے مردوں کی اس میں تکفین ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

البسوا من ثيابكم البيض وكفنوا فيها موتاكم فإنها خير ثيابكم . (۱)

یعنی سفید کپڑے پہنا کرو، اور مردوں کو اس میں کفن دیا کرو؛ کیونکہ یہ تمام کپڑوں سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :

كل ما شئت والبس ما شئت من الحلال إذا ما أخطأ بك اثنتان: سرف ومخيلة، فإني ما رأيت في موضع إسرافاً إلا رأيت بجنبه حقاً مضيعاً .

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۳/۴۲۸ حدیث: ۶۱۹۸ ...... مسند بزار: ۲/۱۶۷ حدیث: ۴۷۹۵ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ۳/۴۰۳ حدیث: ۶۹۳۹ ...... جامع الاحادیث سیوطی: ۴/۳۶۶ حدیث: ۳۳۴۶۔

یعنی حلال کھانے میں سے جو جی چاہے کھاؤ پیو، اور جو چاہو پہنو؛ مگر اسراف اور تکبر سے کام نہ لو؛ کیوں کہ جہاں کہیں بھی میں نے اِسراف کو دیکھا وہاں کسی نہ کسی حق کا ضیاع ضرور ہوا۔

باب نمبر 38 : جمال و نظافت کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک وضعدار اور ذی علم آدمی کو چاہیے کہ اپنے کپڑے پاک و صاف رکھے، اور تکبر و ریا سے دور رہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

من حسب المرء نقاء ثوبه .

یعنی آدمی کے کپڑے کی صفائی و نظافت سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما على الرجل أن يتخذ ثوبين ليوم الجمعة سوى ثوبى مهنته . (۱)

یعنی کیا بڑی بات ہے اگر آدمی روزمرہ کے کپڑوں سے الگ خاص جمعہ کے لیے جدا کپڑے بنا رکھے۔

مثل مشہور ہے کہ 'جس نے پرانا کپڑا نہ پہنا گویا اس نے نیا کبھی نہیں پہنا'۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(۱) سنن ابوداؤد: ۱/۴۱۸ حدیث: ۱۰۸۰...... صحیح ابن حبان: ۷/۱۵ حدیث: ۲۷۷۷...... صحیح ابن خزیمہ: ۳/۱۳۲ حدیث: ۱۷۶۵۔

ما طابت رائحة عبد قط إلا قل غمه ولا نظفت ثيابه قط إلا قل همه . (۱)

یعنی انسان جب اچھی خوشبو استعمال کرتا ہے تو اس کے غم ہلکے ہوجاتے ہیں۔اور جب اس کے کپڑے صاف ستھرے ہوتے ہیں تو اس کی فکرمندی کم ہوجاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

إني لأحب أن أنظر إلى القاري أبيض الثياب .

یعنی مجھے پسند ہے کہ میں قرآن خواں کو سفید لباس میں دیکھوں۔

آگے مزید فرماتے ہیں :

إذا وسع الله عليكم فوسعوا على أنفسكم .

یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں وسعت عطا فرمائے تو تم بھی اپنے نفس کو وسعت دو (اور نعمت باری کا مظاہرہ کرو)۔

حضرت عامر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن اللّٰه نظيف يحب النظافة، وجميل يحب الجمال، وجواد يحب الجود، وكريم يحب الكرم، وطيب يحب الطيب. (۲)

یعنی بے شک اللہ پاک صاف ہے اور صفائی کو پسند فرماتا ہے۔صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔بخشش کرنے والا ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔کریم ہے اور کرم کو پسند فرماتا ہے۔پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔

---

(۱) مسند فردوس دیلمی:۴/۱۰۰ حدیث:۶۳۱۲......المجالسة وجواہر العلم:۵/۳۶۷ حدیث:۲۲۲۷۔

(۲) سنن ترمذی:۴/۳۶۱ حدیث:۱۹۹۹......جامع الاحادیث سیوطی:۸/۱۵ حدیث:۶۷۸۱۔

حضرت زید بن اسلمؒ حضرت عطا بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ یہاں سے جاؤ اور سر اور داڑھی کے بال درست کر آؤ۔ جب وہ درست کر کے آیا، تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أ لیس هٰذا خیرًا من أن یأتي أحدکم ثائر الرأس واللحیة کأنه شیطان. (۱)

یعنی کیا یہ وضع بہتر نہیں اس سے کہ آدمی شیطان کی طرح داڑھی اور سر کے بال بکھیرے ہوئے آئے۔

حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ انمار میں نکلے، اثنائے راہ ہم ایک درخت کے نیچے سے گزرے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ نیچے تشریف لائیں، چنانچہ آپ تشریف لائے۔

میں اونٹ کی طرف کھڑا ہو گیا، جس میں مجھے روٹی، اور کھیرا ملا۔ پھر اس کے ٹکڑے کر کے میں آپ کی خدمت میں لے گیا۔ میرا ایک اور ساتھی تھا جو کہ ہمارے سواری کے جانوروں کو چرانے لے گیا تھا۔ وہ پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

أ ما له ثوبان غیر هذین؟.

یعنی کیا اس کے پاس اور کپڑے نہیں؟۔

(۱) موطا امام مالک: ۲/۹۴۹ حدیث: ۱۷۰۲...... جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴/۷۵۱ حدیث: ۲۸۸۶ ......شعب الایمان بیہقی: ۸/۴۲۸ حدیث: ۶۰۴۳۔

میں نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، گٹھری میں اور کپڑے ہیں۔فرمایا :

هلا كسوته إياهما .

یعنی تو نے ان کو کیوں نہیں پہنا۔

چنانچہ میں نے اس کو بلایا، اس نے وہ کپڑے پہنے اور چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما له ضرب الله عنقه أ ليس هذا خيراً .

یعنی کیا ہوا تھا اسے-اللہ اس کی گردن مارے-کیا یہ بات اچھی نہیں۔

اس کلام کو اس شخص نے سنا تو عرض کی: یارسول اللہ! آپ یوں فرمائیں کہ اس کی گردن اللہ راہ میں ماری جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:'فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کی راہ میں۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص اللہ کی راہ میں مارا گیا۔(۱)

کسی شاعر نے اچھے لباس کے بارے میں کیا خوبصورت اشعار کہے ہیں۔

تجمـــل بالثياب ولا تبــال   فإن العيـن قبــل الاختــبار

فلو جعل الثياب على حمار   لقال الناس يالک من حمار

یعنی اپنے ظاہر کو اچھے لباس سے آراستہ کر اور کچھ پرواہ نہ کر؛ اس لیے کہ آنکھ اجلے کپڑوں پر پڑتی ہے۔

پس اگر گدھے کو بھی اچھے کپڑے پہنائے جائیں تو لوگ کہیں گے کہ 'کیا ہی اچھا گدھا ہے'۔

---

(۱) موطا امام مالک:۲/۹۱۰ حدیث:۱۶۲۰......مستدرک حاکم:۱۷/۲۱۷ حدیث:۶۴۷۷......صحیح ابن حبان: ۵/۴۰۱ حدیث:۱۴۱۶......مسند الربیع:۱/۱۱۶......مسند جامع:۹/۵۰ حدیث:۲۷۲۳۔

باب نمبر 39 : کیا پہنے اور کیا نہ پہنے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اُون کے کپڑے پہننا مرد وعورت دونوں کے لیے جائز ہے؛ اس لیے کہ صحابۂ کرام یہ بالعموم پہنا کرتے تھے۔ جبکہ بعض نے اس کا پہنا مکروہ بتایا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا :

لأن أتـقـلـد بسياطي على عنقي حتى ينقطع أحب إلى من أن ألبس الخز .

یعنی مجھے یہ زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گلے میں اپنا بستر لٹکا لوں اس سے کہ اُون کا کپڑا پہنوں۔

مگر ہم اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور حضرت حسن بصری نے تواضع کے طور پر خاص اپنے نفس کے لیے اس کو مکروہ سمجھا، نہ یہ کہ دیگر لوگوں کے لیے بھی اس کو حرام کر دیا۔

حضرت خثیمہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی تیرہ صحابیوں کو اُون کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُون کی چادر پہنا کرتے تھے۔

یوں ہی حضرت وہب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت صالح بن کیسان فرماتے ہیں کہ ُمیں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو اُون کی چادر پہنے دیکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بھی اُون کی چادر پہنا کرتے تھے۔

مرد کو حریر، دیبا اور ریشم کا لباس پہننا جائز نہیں جبکہ عورتوں کے لیے جائز ہے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز باہر تشریف لائے۔آپ کے ایک ہاتھ میں سونا تھا اور دوسرے میں حریر تھا، اور آپ نے ارشاد فرمایا :

هذان محرمان على ذكور أمتي ومحللان لإناثهم . (١)

یعنی یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام، اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

حضرت محمد بن سیرین مرد وعورت دونوں کے لیے ریشمی لباس کو مکروہ بتاتے تھے، اور ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إنما يلبس الحرير في الدنيا من لاخلاق له في الأخرة . (٢)

یعنی حریر کو وہی اس دنیا میں پہنتا ہے جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

اور اس روایت میں آقا علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کی کچھ تفصیل نہ فرمائی۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مرد ہی مراد ہیں؛ کیوں کہ دوسری حدیث میں اس کی تفسیر آگئی ہے، اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: '**حل لأنا ثهم**' یعنی عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علماے کرام کا لڑائی میں حریر کے پہننے میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے۔اور بعض نے کہا کہ جائز ہے، اور یہ قول امام ابویوسف اور امام محمد کا ہے۔

جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حریر کی ممانعت عام ہے۔پس لڑائی اور غیر لڑائی دونوں میں حال برابر ہونا چاہیے۔

---

(١) سنن ابوداؤد:١١/٨٠حدیث: ٣٥٣٥......سنن ترمذی:٣٢٥/٦ حدیث:١٦٤٢......سنن نسائی:٣٩٢/١٥ حدیث:٥٠٥٣......سنن ابن ماجہ:٤٥٦/١٠ حدیث:٣٥٨٥۔

(٢) صحیح بخاری:١٥١/١٨ حدیث: ٥٣٨٢......صحیح مسلم:٤٠٨/١٠ حدیث: ٣٨٥٢......سنن نسائی: ١٠١/١٦ حدیث:٥٢١٢......مسند احمد بن حنبل:١٢٢/١حدیث:١١٨......مستخرج ابوعوانہ:٣٦٧/١٦حدیث:٦٨٦٧۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ حریر اور دیبا کو لڑائی میں پہننے کو مکروہ خیال کرتے، اور فرماتے تھے: کیا تم کو یہ اُمید ہے کہ جو لوگ حریر اور دیبا کو جنگ میں پہنتے ہیں ان کو شہادت ملے گی؟۔

حضرت امام حسن بصری حریر اور دیبا کو جنگ میں پہننے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ جب ہم دشمن کے آمنے سامنے ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہتھیار حریر اور دیبا میں چھپا رکھے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے دلوں میں ہیبت پڑ گئی۔

حضرت عمر فاروق نے فرمایا: 'تم بھی اپنے ہتھیاروں کو حریر اور دیبا میں چھپا لو'۔

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جنگ میں حریر اور دیبا کے پہننے کو برا نہ جانتے تھے۔

باب نمبر 40 : ریشمی فرش کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علما نقش ونگار یا حریر، دیبا اور ریشم کے فرش یا گوٹ کو مکروہ کہتے ہیں، جب کہ بعض نے مباح کہا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اعمش' حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک عمامہ خریدا اور اس میں حریر کی گوٹ لگی تھی تو آپ نے اس کو کتر ڈالا۔

حضرت موسیٰ بن عبیدہ' حضرت خالد بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ ہم گوٹ، اور نقش ونگار کو کتر دیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ 'ایسے کپڑوں کے استعمال سے بچو جن میں حریر لگا ہو'۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حریر کو مردوں پر حرام فرمایا ہے؛ لہٰذا اس میں تھوڑا بہت سب برابر ہے۔

مباح کہنے والوں کی دلیل حضرت ابو امامہ باہلی کی ایک روایت ہے کہ لوگوں نے ایک مرتبہ عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے حریر کے پہننے سے منع فرمایا ہے، سو کس قدر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا :

ثلثة اصابع، و ذلک أیضاً لا خیر فیه .

یعنی تین انگلی کی مقدار؛ مگر اس میں بھی خیر و برکت نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ گوٹ لگانے میں کچھ حرج نہیں، ہاں مصمت جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا تھا، اس کا استعمال جائز نہیں۔

منصور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم فرماتے تھے کہ ہمارے زمانہ کے علما گوٹ وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں۔

حضرت سوید بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک، یا دو، یا تین انگلی کی مقدار جائز ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تھوڑا سا حریر یا ریشم معاف ہے جس طرح عمل قلیل نماز کو فاسد نہیں کرتا، اسی طرح قلیل نجاست نماز سے منع نہیں کرتی، اور جس طرح روزہ دار کے حلق میں غبار داخل ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ وہ تھوڑا سا ہے، بس اسی طرح تھوڑے سے حریر کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔

باب نمبر 41 : دیبا اور ریشمی فرش کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حریر اور دیبا کے فرش بچھانے کے سلسلے میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مکروہ ہے اور یہ قول امام محمد کا ہے، اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

جائز کہنے والوں کی دلیل حضرت ابراہیم بن مسعر کی وہ روایت ہے جو انہوں نے ابو راشد سے لی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر ے پر حریر کا تکیہ رکھا ہوا دیکھا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری ایک دفعہ ایک شادی کی تقریب میں شریک ہوئے، تو آپ کو حریر کے فرش پر بٹھایا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کسی کے ولیمہ میں تشریف لے گئے۔ تو ایک حریر کے فرش پر آپ نے تشریف رکھا جس پر تصویر بنی تھی۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد بن مالک فرماتے ہیں :

لأن أتكئ علىٰ جمرة أحب إلي من أن أتكئ على مرافق من حرير.

یعنی حریر کے تکیہ پر ٹیک لگانے سے میرے نزدیک انگارے پر تکیہ کرنا بہتر ہے۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سلمانی سے پوچھا: کیا حریر کے بچھانے کا حکم حریر کے پہننے کے برابر ہے؟۔ فرمایا: ہاں۔

باب نمبر 42 : سرخ کپڑا پہننا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض علما عصفر، زعفران، اور ورس کے رنگے ہوئے کپڑوں کو مردوں کے لیے مکروہ کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ایوب نے حضرت نافع کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے: 'مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسنب کے رنگے ہوئے کپڑے، ریشم کے کپڑے یا باریک کپڑے اور حالت رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا'۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ایاکم والحمرة فإن الحمرة من زينة الشيطان وإن الشيطان يحب الحمرة . (۱)

یعنی سرخ کپڑے (پہننے سے) بچو؛ اس لیے کہ سرخ رنگ شیطان کی زینت ہے، اور شیطان سرخ رنگ کو پسند کرتا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے پردادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کسنب کی رنگی ہوئی چادر اوڑھے دیکھا، تو آپ نے چہرۂ انور پھیر لیا۔ میں گھر گیا اور اس کو جلا دیا اور دوسرا کپڑا پہن کر حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا :

ما فعلت بالملحفة ؟.

یعنی اس چادر کو کیا کیا؟۔

(۱) جامع الاحادیث: ۳۵۱/۷ حدیث: ۶۴۵۳...... احادیث مختارۃ ذہبی: ۱۴۶/۱ حدیث: ۹۵۔

میں نے عرض کی: آپ نے مجھ سے چہرۂ انور پھیر لیا؛ لہٰذا میں نے اس کو جلا دیا۔
آپ نے فرمایا:

فھلا اعطیتھا بعض نسائک . (۱)

یعنی اپنی کسی عورت کو کیوں نہ دے دی۔

مباح کہنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت وکیع نے اپنی سند سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ما رأیت ذا لمة في حلة حمراء أحسن من رسول اللّٰہ .

یعنی میں نے کسی ایسے شخص کو جس کے کانوں تک بال ہوں اور سرخ چادر اوڑھے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھا۔

حضرت لقمان مولیٰ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے چار یا پانچ صحابیوں سے ملاقات کی اور وہ کسنب کا رنگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے تھے۔

حضرت وکیع حضرت مالک بن مغول سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت شعبی کو سرخ چادر اوڑھے ہوئے دیکھا ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول (کراہت والا) صحیح ہے، اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے، اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں؛ کیونکہ احتمال ہے کہ رسول اللہ کا سرخ کپڑا پہننا ممانعت سے پہلے ہو، اور جو کچھ صحابہ کرام سے منقول ہے وہ ہم پر حجت نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ پہننے والے صحابہ کون کون سے تھے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تو ممانعت منقول ہے؛ لہٰذا اسی کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

---

(۱) اتحاف الخیرۃ المہرۃ:۵۴۱/۴حدیث: ۴۱۱۳...... المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ:۳۳۵/۱۰ حدیث:۲۲۳۴۔

حضرت شعبی والی روایت کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت شعبی عہدۂ قضا سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے کہ کبھی کسنب کا رنگا ہوا کپڑا پہن لیتے تھے، تو کبھی شطرنج کھیل لیتے تھے اور کبھی بچوں کے ساتھ ہاتھی دیکھنے چلے جاتے۔

باب نمبر 43 : درندوں کے چمڑے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درندوں کے چمڑے کے استعمال میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے فقہا نے تو یہ فرمایا ہے کہ درندوں کے چمڑے پر نماز جائز ہے، اگر وہ چمڑے مدبوغ ہوں یا صاف کیے گئے ہوں سوائے خنزیر کے چمڑے کے۔

جبکہ بعض نے ان کے استعمال کو ناجائز کہا ہے اور یہ دلیل لائے ہیں کہ ابوملیح ہذلی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور بچھانے سے منع فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہنے دیکھا تو انہوں نے اس ٹوپی کو پھاڑ دیا۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ لومڑی کی کھال پر نماز پڑھنے کو ناجائز فرماتے تھے۔

ہمارے اصحاب کی حجت وہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أيما إهاب دبغ فقد طهر . (۱)

یعنی جو کچا چمڑا دباغت دے دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

(۱) سنن ترمذی:۶/۳۳۸ حدیث:۱۶۵۰......سنن نسائی:۱۳/۱۶۴ حدیث:۴۱۶۸......سنن ابن ماجہ:۱۰/۴۷۶ حدیث:۳۵۹۹......مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۲۱ حدیث:۱۴......سنن دارمی:۶/۱۳۴ حدیث:۲۰۳۷۔

حضرت عوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن سیرین کے سامنے چیتے کی کھال کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے بھی اس کو گناہ سمجھ کر ترک کیا ہو۔

حضرت مطرف بن شخیر فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کے پاس ایک درزی بیٹھا لومڑیوں کی کھال سے لحاف سی رہا تھا۔

حضرت ابراہیم نخعی کے بارے منقول ہے کہ ان کی ٹوپی لومڑی کی کھال کی تھی۔

لیکن وہ روایتیں جن میں ممانعت وارد ہوئی ہے، تو احتمال یہ ہے کہ شاید ممانعت غیر مدبوغ میں ہو، نیز بطور استحباب کے ہو بطور حرام کے نہیں؛ تا کہ لوگ دنیا کی زینت اور عیش وعشرت ترک کریں۔ ورنہ دیکھیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں :

إنـما كان طعامنا مع رسول اللّٰهﷺ الاسودين التمر والماء ومـا كـنـا نـرى سمراء كم هذه يعني الحنطة وانما كان لباسنا هذه النمار يعني الصوف.

یعنی ہمارا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں دو کالی چیزیں چھوہارے اور پانی تھا، اور گیہوں جو تم لوگ کھاتے تھے ہم نے دیکھے بھی نہ تھے، اور ہمارا لباس اونٹوں اور بکریوں کی کھال کا تھا۔

شاید آپ کے علم میں یہ بات ہو کہ حدیث مبارکہ میں دو چیزوں کو ملا کر کھانے کی ممانعت آئی ہے؛ اس لیے کہ لوگ عیش وعشرت میں شدت سے مشغول تھے۔ تو بس یہی حال لباس کا بھی ہے۔

باب نمبر 44 : گوشت کھانے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متقدین گوشت کھانے کو مستحب فرماتے تھے، اور رغبت رکھتے تھے۔ ہاں، مداومت کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

كلوا اللحم فإنه ينبت اللحم و يزيد في السمع .

یعنی گوشت کھاؤ اس لیے کہ وہ گوشت پیدا کرتا ہے اور قوت سماعت کو بڑھاتا ہے۔

مزید فرمایا :

من لم يأكل اللحم أربعين يوما وليلة ساء خلقه .

یعنی جو شخص چالیس دن رات تک گوشت نہ کھائے اس کے اخلاق برے ہو جائیں گے۔

حضرت زہری فرماتے ہیں :

اللحم يزيد سبعين قوة .

یعنی گوشت ستر قسم کی قوت میں اِضافہ کرتا ہے۔

حضرت عبدالملک بن مروان کے بارے میں آتا ہے کہ جب اس نے اپنے شہزادوں کو تعلیم کے لیے حضرت شعبی کے سپرد کیا، تو انھوں نے عبدالملک سے فرمایا :

جز شعورهم تشتد رقابهم، وأطعمهم اللحم تشتد قلوبهم وجالس بهم الرجال يناقضونهم اللام .

یعنی ان کے بال مونڈوا دے؛ تا کہ گردن موٹی ہو، اور گوشت کھلایا کر؛ تا کہ دل سخت ہوں، اور مردوں کے پاس بٹھایا کر؛ تا کہ ان کے کلام میں اعتراض کیا کریں۔

گوشت پر مداومت نہ رکھنا اس لیے مکروہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

يا بني تميم لا تديموا على أكل اللحم فإن له ضراوة كضراوة الخمر .

یعنی اے بنوتمیم! گوشت کھانے پر مداومت نہ کرو؛ اس لیے کہ یہ بھی ایک لت ہے جیسے شراب کی لت پڑ جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ کسی شخص کو دیکھتے کہ قصائیوں کی دکان پر آمد ورفت زیادہ رکھتا ہے تو اس کو دُرّے مارتے تھے، اور فرماتے: 'اس کی لت بھی شراب جیسی ہے'۔

حضرت ابوامامہ باہلی بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن اللّٰه تعالیٰ يبغض الحبر السمين وأهل بيت اللحميين.(۱)

یعنی بے شک اللہ کے نزدیک موٹے دینی رہنما اور زیادہ گوشت کھانے والوں کا گھر ناپسندیدہ ہے۔

بعض نے فرمایا کہ اس حدیث سے مراد کثرت سے گوشت کھانے والے لوگ ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی غیبت کرتے ہیں۔

حضرت عمرو شیبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ دوسرے کو کچھ درہم دیے۔ پوچھا کیوں دیے؟ اس نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ رمضان المبارک کے خرچ کے لیے گھی خریدلوں۔ فرمایا، اُٹھ اور اپنی بیوی کو یہ درہم دے اور کہہ دے کہ ہر روز ایک درہم کا گوشت منگوا لیا کرے، اور تیرے لیے یہی بہتر ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۱۲/۱۵۴ حدیث: ۵۴۲۸...... کنز العمال: ۱۵/۴۳۳ حدیث: ۴۱۷۱۳۔

لا تقطعوا اللحم بالسكين كما تقطع الأعاجم ولكن انهشوه نهشا فإنه أهنأ وأمرأ . (۱)

یعنی گوشت کو چاقو سے کاٹ کر نہ کھایا کرو جیسا کہ عجمی کھاتے ہیں اور منہ سے توڑ کر کھاؤ؛ کیونکہ اس طرح گوشت خوشگوار و مزیدار ہوجاتا ہے۔

باب نمبر 45 : فالودہ کھانا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فالودہ کھانے اور دیگر عمدہ قسم کے کھانے کو بعض علما نے مکروہ کہا ہے، جبکہ اکثر علما کے نزدیک مباح ہے۔

مکروہ جاننے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن من السرف أن يأكل الرجل كل ما يشتهيه . (۲)

یعنی یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی ہر من چاہی چیز کھائے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

كم من شهوة ساعة أورثت صاحبها حزنا طويلا .

یعنی گھڑی بھر کی شہوت کے بعد کتنے طویل مدت کا غم اُٹھانا پڑتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک دفعہ شہد کا شربت آیا۔ آپ نے پہلے تو قبول کرلیا؛ لیکن پھر ہٹا دیا اور فرمایا ہم ڈرتے ہیں کہ کبھی ان لوگوں میں سے نہ ہوجائیں جن کے حق میں اللہ نے فرمایا ہے :

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا o (سورۂ احقاف:۴۶/۲۰)

(۱) کنز العمال:۱۵/۲۳۶ حدیث:۴۰۷۳۱......مسند جامع:۵۰/۳۹۰ حدیث:۱۶۸۲۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ:۱۰/۱۰۹ حدیث:۳۳۴۳......مسند ابی یعلی موصلی:۶/۳۱۲ حدیث:۲۷۰۲......کنز العمال:۳/۴۴۴۔

تم اپنی لذیذ ومرغوب چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ہی حاصل کر چکے۔

مباح کہنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت وکیع نے اپنی سند سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب لوگوں کو عراق کے ملک میں بھیجا تو فرمایا :

إنكم تأتون أرضا تؤتون فيها بألوان من الطعام والنعم، فكلما وضع لون فاذكروا اسم الله عليه ثم كلوه .

یعنی تم ایسی زمین پر جاتے ہو کہ قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے آئیں گے تو جب تمہارے سامنے کوئی کھانا پیش کیا جائے تو بسم اللہ کہہ کر کھالینا۔

حضرت حسن بصری کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اور حضرت مالک بن دینار ایک دستر خوان پر تھے۔جس وقت فالودہ پیش کیا گیا تو حضرت مالک بن دینار نے کھانے سے اِنکار کر دیا۔اور حضرت حسن نے فرمایا: 'کھاؤ اس لیے کہ سرد پانی اس سے بڑھ کر اللہ کی نعمت ہے تمہارے لیے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تر چھوہارا اور خربوزہ ملا کر نوش فرمایا۔ نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خربوزے کو شکر کے ساتھ ملا کر کھایا۔اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ 'میدے کی روٹی کو شہد اور گھی سے لگا کر کھانے کو کسی مسلمان نے برا نہیں سمجھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ o (سورۂ اعراف: ۳۲/۷)

فرما دیجیے: اللہ کی اس زینت (وآرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے، اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے؟)

باب نمبر 46 : قسم قسم کے کھانے

حضرت احوص بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

نعم الإدام الخل والزيت . (۱)

یعنی سرکہ اور روغن زیتون اچھا سالن ہے۔

حضرت عمرو بن دینار، ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما أقفر بيت فيه خل . (۲)

یعنی جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر خالی نہیں۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس قاصدوں کا وفد آیا تو آپ نے ان کے سامنے کھانا رکھا، پھر پیاز منگوائی اور فرمایا: اس کو کھاؤ اس لیے کہ اس کا امکان نہایت قلیل ہے کہ کسی قوم نے اس کو کھایا ہو پھر غیر ملک کی آب و ہوا اُس کو نقصان پہنچائے۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو پسند کرتے دیکھا ہے میں بھی کدو پسند کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

(۱) سنن ابوداؤد: ۲۹۲/۱۰ حدیث: ۳۳۲۴......سنن ترمذی: ۲۴/۷ حدیث: ۱۷۶۲......سنن ابن ماجہ: ۵۵/۱۰ حدیث: ۳۳۰۷......مسند احمد بن حنبل: ۲۹۱/۲۸ حدیث: ۱۳۷۴۲۔ لیکن ان مذکورہ کتابوں میں 'زیت' کا لفظ وارد نہیں ہوا، صرف سرکے ہی کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔ -چریاکوٹی-

(۲) سنن ابن ماجہ: ۵۷/۱۰ حدیث: ۳۳۰۹......مسند احمد بن حنبل: ۳۲۸/۲۹ حدیث: ۱۴۲۷۹......مستدرک حاکم: ۱۵۲/۱۶ حدیث: ۶۹۷۷......شعب الایمان بیہقی: ۴۲۶/۱۲ حدیث: ۵۶۸۶۔

ما لقحت رمانة قط إلا بقطرة من ماء الجنة .

یعنی انار کبھی نہیں پھولتا؛ مگر جنت کے پانی کے ایک قطرہ سے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

إذا أكلتم الرمانة فكلوها بشحمها فإنه دباغ للمعدة .

یعنی جب تم انار کو کھایا کرو تو اندرونی چھلکے سمیت کھایا کرو؛ اس لیے کہ وہ مقویِ معدہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھلوں میں سے خربوزہ اور تر چھوہارا بہت پسند تھا، اور شوربوں میں سے کدو کا شوربا محبوب تھا۔

حضرت ابو طلحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ میں بہی تھی آپ نے اس کو میری طرف پھینکا اور فرمایا :

دونكها يا أبا محمد فإنها تجم الفؤاد .

یعنی اے ابو محمد! اس کو لو یہ دل کو قوت دے دیتی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے :

البطيخ طعام وشراب، و فاكهة وخلال، وأشنان وريحان، وينضج المعدة، ويشتهي الطعام ويصفي اللون، ويزيد الماء في الصلب .

یعنی خربوزہ کھانا بھی ہے اور پینا بھی۔ وہ میوہ بھی ہے اور دانتوں کے لیے خلال بھی۔ وہ پیٹ کے لیے صافی بھی ہے اور خوشبو کی چیز بھی۔ وہ معدہ کو تر بھی کرتا ہے اور بھوک بھی لگاتا ہے۔ نیز وہ رنگ بھی صاف کرتا ہے اور آبِ تولید بھی بڑھاتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ خربوزے چار طرح کے ہوتے ہیں: میٹھے، کھٹے، پاکیزہ اور کڑوے۔ میٹھا خربوزہ گوشت کو بڑھاتا ہے۔ پاکیزہ خربوزہ چربی کو زیادہ کرتا ہے۔ کھٹا خربوزہ جراثیم کو دور کرتا ہے۔ اور کڑوا خربوزہ بواسیر کے لیے تریاق ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک آدمی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے کھانے پینے میں فراخی کرے؛ اس لیے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :

إن اللّٰه تعالیٰ لیحب البیت الخصیب الواسع . (۱)

یعنی بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس گھر کو پسند کرتا ہے جس میں فراغت وکشادگی ہو۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کھانے پینے میں فراخ دست تھے۔ اور لباس میں تنگ دست یعنی اہل عیال کو کھانا پینا بافراغت دیتے تھے اور خود لباس میں تنگی برتتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

أکثروا خیر بیوتکم من الطعام والشراب، فرب رجل کثیر المال قلیل خیر البیت .

یعنی گھروں کی برکت زیادہ کرو کھانے پینے سے، اور بہت سے لوگ مال والے ہوتے ہیں؛ مگر ان کے گھر میں برکت کم ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ’کھانے میں اِسراف نہیں یعنی اگر اہل وعیال کو بافراغت دے‘۔

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۹/۲۴۳۔

باب نمبر 47 : لہسن کھانا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علمانے لہسن کھانے کومکروہ کہا ہے، اور بعض نے مباح فرمایا ہے۔

کراہت کی دلیل حضرت قاسم بن مولی ابوبکر کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مـن أكـل مـن هـذه البـقـلة الخبيثة فلا يقرين مسجدنا حتى يذهب ريحها من فيه . (۱)

یعنی جوکوئی اس بُری ترکاری (لہسن) کوکھائے، تواس کو چاہیے کہ ہماری مسجد میں نہ آئے یہاں تک کہ اس کے منہ سے اس کی بونہ چلی جائے۔

حضرت عطا ابن یسار بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مـن أكـل هـــذه الشجرة الخبيثه فلا يؤذنا في مساجدنا وليجلس في بيته . (۲)

یعنی جس نے اس درخت خبیثہ کوکھایا، تواسے چاہیے کہ ہم کومسجد میں تکلیف دینے نہ آئے، اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔

حضرت حسن بصری سے سوال ہوا کہ اگر لہسن دھاگے میں پروکر کباج (ایک قسم کے سالن) میں ڈالیں تو کیسا ہے؟۔ فرمایا: برا ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ تو بغیر لہسن کے درست ہی نہیں ہوتا۔ فرمایا: جو کھانا بغیر لہسن کے درست اور مزیدار نہ ہوتو اس میں

---

(۱) صحیح مسلم: ۳/۱۹۱ حدیث: ۸۷۷...... مسند احمد بن حنبل: ۱۹/۲۲۱ حدیث: ۹۱۷۸...... معجم کبیر طبرانی: ۱۲/ ۴۷۸...... مستخرج ابوعوانہ: ۳/۱۱۳ حدیث: ۹۵۹...... صحیح ابن خزیمہ: ۶/۲۲۱ حدیث: ۱۵۷۵۔

(۲) صحیح مسلم: ۳/۱۹۱ حدیث: ۸۷۷...... مسند احمد بن حنبل: ۱۹/۲۲۱ حدیث: ۹۱۷۸...... معجم کبیر طبرانی: ۱۲/ ۴۷۸...... مستخرج ابوعوانہ: ۳/۱۱۳ حدیث: ۹۵۹...... صحیح ابن خزیمہ: ۶/۲۲۱ حدیث: ۱۵۷۵۔

برکت ہی کہاں ہوگی!۔

مباح کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سالن کا تحفہ پیش کیا گیا اور اس میں لہسن پڑا ہوا تھا، تو آپ نے اس کو ابوایوب انصاری کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں ایسی چیز کھاؤں جس کو آپ نے اچھا نہ جانیں۔ فرمایا:

إنما كرهته لأني أناجي جبريل فيجد ريحه . (١)

یعنی میں تو اس لیے برا جانتا ہوں کہ مجھے جرائیل سے بات کرنا ہوتی ہے اور اس کی بو اُن کو بری اچھی نہیں لگتی۔

حضرت ابوسفیان' عبداللہ بن ابی بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ہاں مہمان ہوا۔ انھوں نے مجھ کو یہ حدیث سنائی کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا پکایا اور اس میں لہسن پیاز بھی ڈالی اور اس کھانے کو آپ کی خدمت میں لے گئے۔

آپ نے پسند نہ فرمایا اور صحابۂ کرام سے فرمایا:

كلوه فإني لست كأ حدكم إني أخاف أن أوذي صاحبي جبريل .

یعنی تم کھاؤ اس لیے کہ میرا حال تمہارے جیسا نہیں مجھے یہ ڈر ہے کہ اس کی وجہ سے جبریل کو تکلیف پہنچے۔(٢)

حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے لیے یہ حیلہ کیا جاتا تھا کہ لہسن کو دھاگے میں پرو کر ہانڈی میں ڈال دیا جاتا تھا جب پک جاتا تو دھاگے سمیت

(١) صحیح مسلم:٣/١٦٢٣حدیث: ٢٠٥٣......سنن ترمذی:٤/٢٦١حدیث: ١٨٠٧......مسند ابوعوانہ:٥/١٩٩ حدیث:٨٣٨٨......مسند احمد بن حنبل:٣٤/٤٥٣حدیث:٢٠٨٨٨۔

(٢) سنن ترمذی:٦/٤٧٣حدیث:١٧٣٢......مسند احمد بن حنبل:٥٥/٤٥٩حدیث:٢٦١٧١......مصنف ابن ابی شیبہ:٥/٥٦٠......سنن دارمی:٦/٢٤١حدیث:٢١٠٦......صحیح ابن حبان:٩/١٧٣حدیث:٢١٢٨۔

پھینک دیا جاتا۔

حضرت محمد بن حسن بن علی فرماتے ہیں کہ 'ہم خاندانِ نبوت کے لوگ ہیں اور لہسن و پیاز وغیرہ کو کھالیتے ہیں'۔فقیہ ابواللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فقیہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے استعمال کو جائز اور مباح کہتے ہیں۔

باب نمبر 48 : مروّت کیا چیز ہے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من عامل الناس ولم يظلمهم، وحدثهم فلم يكذبهم، ووعدهم فلم يخلفهم، فهو ممن كملت مروؤته، وظهرت عدالته، ووجبت أخوته . (۱)

یعنی جو لوگوں پر حاکم ہو، ان پر ظلم نہ کرے، جو بات کہے جھوٹی نہ ہو، وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے، تو وہ دراصل کامل مروّت والا ہے۔اور اس کی عدالت ظاہر ہے اور اس سے بھائی چارہ ضروری ہے۔

ابن زیاد نے دہقانوں میں سے ایک آدمی سے پوچھا کہ تم مروّت کس کو سمجھتے ہو؟، تو اس نے کہا یہ چار خصلتیں ہیں :

پہلی خصلت یہ ہے کہ آدمی ریاکاری سے الگ رہے؛ اس لیے کہ اگر ریاکار رہوگا تو ذلیل ہوگا اور اس کی مروّت جاتی رہے گی۔

(۱) مسند شہاب قضاعی:۱/۳۲۲ حدیث:۵۴۳......مسند فردوس دیلمی:۳/۴۹۹ حدیث:۵۵۴۶۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ اپنے مال کی اصلاح کرے، اس کو خراب نہ کرے؛ ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور مروّت جاتی رہے گی۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کی حاجت خود پوری کرے۔ اگر اس حاجت کو دوسروں کے پاس لے جائے گا تو مروّت جاتی رہے گی۔

اور چوتھی خصلت یہ ہے کہ کھانا پینا حسب توفیق کھائے پئے، جو اپنے حال کے موافق نہ ہو اس سے بچے؛ ورنہ مروّت خاک میں مل جائے گی۔

قیس بن ثابت بن ساعدہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شاہِ قیصر کے پاس گئے تو قیصر نے ان سے پوچھا: کون سی عقل افضل ہے؟۔ فرمایا :

معرفة المرء نفسه .

یعنی آدمی کا اپنے آپ کو جاننا۔

پوچھا: کون سا علم افضل ہے؟۔ فرمایا :

وقوف المرء عند جهله .

یعنی جو بات نہ جانتا ہو اس پر خاموش ہونا۔

پوچھا: مروّت کون سی افضل ہے؟۔ فرمایا :

استبقاء الرجل ماء وجهه .

یعنی آدمی کا اپنی آبرو کو بچالینا۔

پوچھا: مال کون سا افضل ہے؟۔ فرمایا :

ما قضى منه الحق .

یعنی وہ مال جس سے حق اَدا ہو جائے۔

حضرت ربیعہ الرأی نے فرمایا کہ مروّت چھ چیزوں میں ہے: تین چیزیں تو وطن میں ہیں، اور تین سفر میں۔ جو تین چیزیں وطن میں ہیں وہ یہ ہیں :

۱: قرآن کی تلاوت کرنا۔

۲: مساجد کو آباد کرنا۔

۳: اللہ کی رضا کے لیے بھائیوں میں اتحاد قائم کرنا۔

اور جو تین چیزیں سفر میں ہیں وہ یہ ہیں :

۱: توشہ کا خرچ کرنا۔

۲: ہم سفر دوستوں سے مخالفت کم کرنا۔

۳: بغیر گناہ کے خوش طبعی کرنا۔

بعض حکما نے فرمایا :

أفضل المروء ة أن يكون صادقاً في قوله، وافياً في عهده، باذلاً لنفعه .

یعنی آدمی کے لیے افضل مروّت یہ ہے کہ اپنے قول کا سچا ہو، وعدہ وفا کرنے والا ہو اور مال خرچ کرنے والا ہو۔

حضرت حسن بصری کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حجام نے ان کی لبیں (مونچھیں) کتریں تو آپ نے اس کو ایک درہم دیا۔لوگوں نے پوچھا: آپ نے اتنی زیادہ اُجرت کیوں دی۔فرمایا :

لا تضيقوا فيضيق عليكم .

یعنی کفایت شعاری نہ کرو؛ تاکہ تم سے کفایت شعاری نہ کی جائے۔

حضرت حسن جب سنتے کہ کوئی شخص ایک دانق پر جھگڑا کرتا ہے تو فرماتے اللہ دانق پر لعنت کرے،اور جو کوئی اس پر جھگڑا وہ اہل مروّت میں سے نہیں۔

حضرت محمد بن حسن فرماتے ہیں: تین چیزیں رذالت میں داخل ہیں :

۱: حجام کی مزدوری مقرر کرنا۔

۲: حجام کے آئینہ میں چہرہ دیکھنا۔

۳: اور روٹی کا قرض وزن کر کے لینا اور دینا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'چوراہوں اور دوکانوں پر بات چیت کرنے کے لیے بیٹھنا بھی مروّت سے بعید ہے'۔

بعض حکما سے مروّت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا :

باب مفتوح، وطعام مبذول، وإزار مشدود .

یعنی مروّت یہ ہے کہ دروزاہ آنے جانے والوں کے لیے کھلا ہو، کھانا خرچ ہوا کرے اور لوگوں کی حاجت روائی کے لیے تہ بند مضبوط بندھا ہو۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ چار چیزیں مروت کی ہیں، اور وہ یہ کہ آدمی زبان کا سچا ہو۔ مشکل وقت میں بھائیوں کے کام آئے۔ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرے۔ اور تکلیف نہ پہنچائے، دور والوں کو، نہ پڑوسیوں کو اور نہ ہی بھائیوں کو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے پتا ہے کہ یہ اُمت کب ہلاک ہوگی؟۔ لوگوں نے پوچھا: اے امیر المومنین! کب ہلاک ہوگی؟۔ فرمایا :

إذا كان ساسهم من ليس له تقى الإسلام ولا كرم الجاهلية .

یعنی جب ان کا حاکم ایسا شخص ہوگا جس میں نہ زمانۂ اسلام کا تقویٰ ہوگا اور نہ دورِ جہالت کا کرم ولحاظ۔

راوی کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا؛ کیونکہ جب تک ان کے حاکم وہ لوگ رہے جو تقویٰ والے تھے؛ مثلاً حضرات ابوبکر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم ، اور وہ لوگ جن میں زمانۂ جاہلیت کا سا کرم تھا جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو یہ ہلاک نہ ہوئے۔ اور جب اُن پر یزید کہ جس میں نہ تقویٰ تھا نہ کرم حاکم بنا تو اُمت کا خانہ خراب ہو کر رہ گیا۔

بعض حکما کا قول ہے کہ کامل مروّت دو چیزوں میں پوشیدہ ہے :

۱: اس چیز سے باز رہنا جو لوگوں کے پاس ہو۔

۲: اور جو بات لوگوں سے اس کو پہنچے اس سے درگزر کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مروّت کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا :

العفاف، وملک النفس، والبذل في العسر واليسر .

یعنی پارسائی کرنا (یعنی پاکیزگی اختیار کرنا)، نفس پر قابو پانا اور تنگی وفراخی کی حالت میں خرچ کرنا۔

پھر آپ نے پوچھا کہ ملامت کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا :

إحراز أمر نفسه، وبذل عشيرته، وأن يرىٰ مافي يده شرفا وما أنفقه تلفاً .

یعنی مال کا جمع کرنا، آبرو کا خرچ کرنا، جو اپنے ہاتھ میں ہو اس کو عزت سمجھنا، اور جو خرچ ہو جائے اس کو رائیگاں جاننا۔

کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر قسم کی مروّت اس اِرشادِ باری میں پوشیدہ ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ o (سورۂ نحل: ۱۶/۹۰)

بیشک اللہ ہر ایک کے ساتھ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے، اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے۔

حضرت عبد الواحد بن زید نے فرمایا :

جالسوا أهل الدين فإن لم تقدروا عليهم فجالسوا أهل

المروء ة من أهل الدنيا فإنهم لا يرفثون في مجالسهم .

یعنی دین دار لوگوں کی صحبت اِختیار کرو۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو جو اہل دنیا اَصحابِ مروّت ہیں ان کی صحبت اختیار کرو؛ اس لیے کہ وہ اپنی مجالس میں بیہودہ کلام نہیں کیا کرتے۔

حضرت احنف بن قیس نے کیا خوب فرمایا ہے :

لا راحة لحاسد ولا مروءة لكاذب، ولا خلة لبخيل، ولا وفاء لمطول، ولا سؤدد لسيئ الخلق، ولا وفاء للملوك ولا إخاء للمملوك .

یعنی حاسد کو کبھی راحت نہیں۔ جھوٹے کو مروّت نصیب نہیں۔ بخیل کے لیے کوئی دوستی نہیں۔ دیر سے دینے والے کے وعدے کا کچھ بھروسہ نہیں۔ بداخلاق کے لیے کوئی سعادت نہیں۔ بادشاہ کے وعدے کا اعتبار نہیں، اور غلام سے بھائی چارہ کا کوئی امکان نہیں۔

باب نمبر 49 : عقل ودانش کی بابت اقوال

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا :

العلم خليل الرجل، والعقل دليله، والحلم وزيره، والعمل قائده، والصبر أمير جنده، والرفق والده، والبر أخوه .

یعنی علم آدمی کا دوست ہے، عقل اس کی رہنما، حلم اس کا وزیر، عمل محافظ، صبر اس کا قافلہ لشکر، نرم خوئی اس کا باپ، اور نیکی اس کی بھائی ہے۔

اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹے امام حسن سے فرمایا :

یا بنی لا تستخفن برجل تراه أبدا فإن کان أکبر منک فاحسب أنه أبوک، وإن کان مثلک فاحسب أنه أخوک وإن کان أصغر منک فاحسب أنه ابنک .

یعنی اے بیٹے! کسی آدمی کو حقیر نہ جان۔ اگر وہ تجھ سے بڑا ہے تو تیرا والد ہے، اگر تیرے برابر ہے تو تیرا بھائی ہے، اور اگر چھوٹا ہے تو تیرا بیٹا ہے۔

بعض حکما سے پوچھا گیا کہ عقل مند کون ہے؟ تو فرمایا :

الذي لا یصنع في السر شیئاً یستحیی منه في العلانیة .

یعنی وہ شخص جو خلوت میں ایسا کام نہ کرے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اس کو شرمندہ ہونا پڑے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اس روایت کے موافق ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن آخر ما بقي من کلام النبوة الأولیٰ: إذا لم تستحی فاصنع ما شئت . (۱)

یعنی پہلے دور کے انبیاے کرام کے فرمودات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ 'جب تجھے حیا نہیں تو جو چاہے کر'۔

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا :

یا بنی إن حسن طلب الحاجة نصف العلم، والتودد إلی الناس نصف العقل، والتدبیر فی المعیشة نصف الکسب، یا بني أرسل حکیماً ولا توصه، فإن لم یکن لک رسول حکیم فکن رسول نفسک .

---

(۱) صحیح بخاری:۱۱/۳۰۳ حدیث: ۳۲۲۵...... سنن ابن ماجہ:۱۲/۲۲۱ حدیث: ۴۱۷۳...... مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۱۴۳...... صحیح ابن حبان:۳/۲۱۲ حدیث: ۶۰۹...... شعب الایمان بیہقی:۱۶/۲۲۴ حدیث: ۷۴۷۴۔

یعنی اے عزیز! اپنی حاجت کو خوبصورتی سے طلب کرنا آدھا علم ہے۔ لوگوں سے دوستی کرنا آدھی عقل ہے، اور رزق کے معاملہ میں تدبیر سے کام لینا آدھا کسب ہے۔ اے بیٹے! قاصد دانا بھیج اور اس کو کچھ وصیت نہ کر، اگر تجھے قاصد دانا میسر نہ آئے تو اپنا قاصد خود بن۔

کہا جاتا ہے کہ آٹھ آدمی اگر ذلیل ہوں تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں، کسی اور کو قصوروار نہ ٹھہرائیں :

۱: وہ شخص جو بن بلائے دعوت میں چلا جائے۔

۲: وہ شخص جو گھر والی پر حکومت کرے۔

۳: وہ جو دشمنوں سے بھلائی کا خواہش مند ہو۔

۴: جو بخیل سے فضل کا طالب گار ہو۔

۵: جو دو آدمیوں کی بات میں خوامخواہ دخل دے۔

۶: جو بادشاہ کی اہانت کرے۔

۷: جو ایسی مجلس میں بیٹھے جو اس کے لائق نہ ہو۔

۸: جو متوجہ ہو کر ایسے شخص سے بات کرے جو توجہ سے نہ سنے۔

حضرت سعید بن ابو اسحٰق، حارث بن علی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا :

ینبغي للعاقل أن لا یکون شاخصاً إلا فی إحدی ثلثة : مرمة لمعاش، أو خلوة لمعاد، أو لذة فی غیر محرم . (۱)

یعنی عاقل کو چاہیے کہ سفر اختیار نہ کرے؛ مگر تین چیزوں کے لیے: یا معاش کے لیے، یا آخرت کے لیے یا کسی لذتِ حلال کے لیے۔

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۲۲ حدیث: ۱۹۷۹۰...... صحیح ابن حبان: ۲/۲۱۳ حدیث: ۳۶۲۔

یوں ہی یہ بھی آتا ہے کہ ایک عاقل کو چاہیے کہ دن کو چار حصوں میں تقسیم کرے :

۱: ایک وقت اللہ کی عبادت کرے۔

۲: ایک وقت میں اپنے نفس سے حساب لے۔

۳: ایک وقت میں اہل علم کی خدمت میں جائے؛ تا کہ وہ دین کے امور میں اس کی رہنمائی اور نصیحت کریں۔

۴: اور ایک وقت میں اپنے نفس کو حلال لذتوں میں مشغول رکھے۔

ایک عاقل کو یہ بھی چاہیے کہ اپنے اور اہل زمانہ کے حال کو دیکھے اور پہچانے اور اپنی شرمگاہ اور زبان کو ہر قسم کے حرام سے بچائے۔

باب نمبر 50 : اَدب کی اہمیت

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمانِ عالیشان ہے :

تأدبوا ثم تعلموا .

یعنی پہلے اَدب سیکھو پھر علم حاصل کرو۔

حضرت ابو عبداللہ بلخی نے فرمایا :

آداب النفس أكثر من آداب العلم و آداب العلم أكبر من العلم .

یعنی آدابِ نفس کی اہمیت آدابِ علم سے کہیں زیادہ ہے۔اور آدابِ علم کا مقام علم سے عظیم تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بے اَدب شخص کے بارے میں سنتا ہوں کہ اس کو اوّلین و آخرین کا علم ہے، مگر آدابِ نفس سے بے بہرہ ہے تو اس

سے نہ ملنے کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہوتا، اور جب سنتا ہوں کہ اُس کا نفس مؤدب ہے تو اس کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہوں اور اس سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام کی مثال ایک ایسے شہر کی مانند ہے جو پانچ قلعوں سے محفوظ کیا گیا ہے: پہلا قلعہ سونے کا، دوسرا چاندی کا، تیسرا لوہے کا، چوتھا پکی اینٹوں کا اور پانچواں کچی اینٹوں کا۔ تو جب تک اہل قلعہ کچی اینٹوں کے قلعہ کی حفاظت کریں گے دشمن کو فتح کی اُمید نہ ہوگی؛ لیکن جب وہ اس کی حفاظت چھوڑ دیں گے اور پہلا قلعہ خراب ہو جائے گا تو دشمن دوسرے قلعہ کی فتح کا طمع کرے گا، پھر تیسرے کی؛ یہاں تک کہ دشمن تمام قلعوں کو خراب کر دے گا۔

بس یہی حال اسلام کا ہے کہ وہ پانچ قلعوں میں محصور ہے۔ اوّل قلعہ یقین ہے۔ پھر اخلاص ہے۔ پھر فرضوں کا ادا کرنا۔ پھر سنتوں کا بجالانا۔ پھر ادب پر نگاہ رکھنا۔ لہٰذا جب تک بندہ آداب کی حفاظت کرتا رہے گا، شیطان اس میں طمع کبھی نہیں کرے گا۔ لیکن جیسے ہی آداب چھوڑے تو شیطان پہلے سنتوں پر حملہ آور ہوتا ہے، پھر فرضوں پر، پھر اخلاص پر اور پھر یقین پر؛ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ تمام اُمور میں اَدب کا خیال رکھے۔ مثلاً وضو، نماز، بیع وشرا، صحبت وغیرہ میں اَدب کا لحاظ از حد ضروری ہے۔

لہٰذا موقع کی مناسبت سے اب ہم یہاں وضو و نماز وغیرہ کے ضروری آداب بیان کرتے ہیں۔

باب نمبر 51 : وضو و نماز کے آداب

آدابِ استنجا :

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی وضو کا اِرادہ کرے اور استنجا خانے میں داخل ہو تو پہلے بایاں پاؤں رکھے اور بسم اللہ کہے پھر یہ دعا پڑھے :

اللّٰھم إنی أعوذ بک من الرجس النجس الخبیث المخبث من الشیطان الرجیم .

یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ناپا کی و پلیدی اور شیطانِ مردود سے۔

اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن ھـذہ الحشوش محتضرۃ فإذا دخل أحدکم فیھا فلیتعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم . (۱)

یعنی یہ نجاست کی جگہیں شیطان کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں؛ لہٰذا جب کوئی تم میں سے ان میں داخل ہوتو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا کرے۔

داہنے ہاتھ سے اِستنجا کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دایاں ہاتھ پاک چیزوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور بایاں ناپاک کے لیے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بایاں ہاتھ استنجا کے لیے اِستعمال فرماتے۔ اور دایاں ہاتھ وضو کرنے، کپڑے پہننے اور کھانے پینے کے لیے اِستعمال فرمایا کرتے تھے۔

نیز اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (بھی اسی سے ملتی جلتی ایک روایت نقل) فرماتی ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور وضو ونماز وغیرہ پاکیزہ امور کے لیے اِستعمال فرماتے، اور اس کے علاوہ بقیہ کام بائیں ہاتھ سے سرانجام دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ آدمی کا دایاں ہاتھ کھانے پینے کے لیے ہے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد:۱/۹ حدیث:۵......سنن ابوماجہ:۱/۳۵۰ حدیث:۲۹۲......مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۱۴۸ حدیث:۱۷۸......سنن کبریٰ نسائی:۶/۲۳ حدیث:۹۸۹۹......کنز العمال:۹/۳۵۰ حدیث:۲۶۳۸۹۔

جب کہ اس کا بایاں ہاتھ استنجا کرنے اور ناک صاف کرنے کے لیے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان احادیث وآثار کی روشنی میں ہم کہ سکتے ہیں کہ آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے یا ناک صاف کرے سوائے اس صورت میں کہ بائیں ہاتھ میں کوئی مرض وغیرہ ہو۔

یہ بھی نامناسب ہے کہ چاند وسورج کے سامنے برہنہ ہو، اور پاخانہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے، خواہ جنگل میں ہو یا آبادی میں؛ ہاں، اگر استنجا خانہ قبلہ کی طرف بنا ہوا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

یہ بھی زیبا نہیں کہ اِستنجا کرتے ہوئے کوئی کلام کرے؛ اس لیے کہ فرشتے اس وقت الگ ہو کر پردہ کر لیتے ہیں؛ لیکن جب یہ کلام کرتا ہے تو وہ لکھنے کے لیے آتے ہیں، جس سے ان کو اذیت پہنچتی ہے۔

آدمی کو پیشاب کی چھینٹوں سے بچنا بھی لازم ہیکہ ارشادِ رسالت مآب ہے :

استنزهوا عن البول ما استطعتم فإن عامة عذاب القبر منه .

یعنی جہاں تک ممکن ہو سکے پیشاب (کی چھینٹوں) سے بچو؛ اس لیے کہ اکثر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جب رفع حاجت کے لیے بیٹھنے کا اِرادہ ہو تو جب زمین کے بالکل قریب ہو جائے اس وقت برہنہ ہو، اور جہاں تک ممکن ہو سکے پردہ کرے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر آدمی اکیلا ہو؟۔ فرمایا :

فاللّٰه تعالیٰ أحق ان يستحيا منه ولان معک صاحبک حافظاک لا يؤذيانک .

یعنی اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس سے حیا کی جائے، اور تیرے ساتھ دو ساتھی

تیرے محافظ ہیں وہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیتے۔(۱)

لہٰذا کوشش کریں کہ آپ کی ذات سے انہیں بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ پھر جب استنجا کر کے باہر نکلیں تو پہلے دایاں پاؤں باہر رکھیں اور یوں کہیں :

الحمد للّٰه الذي أخرج عني ما يؤذيني وامسک فيّ ما ينفعني (ويقويني غفرانک ربنا وإليک المصير) .

یعنی اللہ ہی کے لیے تمام خوبیاں، جس نے تکلیف دینے والی چیز سے میرے پیٹ کو نجات دی اور جو چیز فائدہ مند اور قوت دینے والی تھی اسے باقی رکھا۔ (اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہم تیری ہی طرف پھرنے والے ہیں)۔

آدابِ وضو :

جب وضو کا اِرادہ کریں تو یوں کہیں :

بسم اللّٰه والحمد للّٰه الذي جعل الماء طهورا .

یعنی اللہ کے نام سے شروع، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے پانی کو پاک کرنے والا بنایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد پاک ہے :

من سمى اللّٰه تعالىٰ عند الوضوء فقد أسبغ وضوء ه وطهر جسده ومن لم يسم اللّٰه لم يسبغ وضوء ه ولم يطهر جسده .

یعنی جس نے بسم اللہ پڑھ کر وضو کیا تو اس نے کامل وضو کیا اور تمام جسم کو پاک کر لیا اور جس نے بسم اللہ نہ کہی تو نہ اس نے کامل وضو کیا او نہ ہی اس کا بدن پاک ہوا۔

(۱) مصنف عبد الرزاق:۱/۲۸۷ حدیث: ۱۱۰۶...... شعب الایمان بیہقی:۱۶/۲۵۲ حدیث: ۷۵۰۱...... کنز العمال:۸/۲۳ حدیث:۲۱۶۹۸۔

جب آدمی استنجا کرلے تو مستحب ہے کہ بعد استنجا ہاتھ کو دیوار یا زمین پر مارے پھر دھوئے؛ تاکہ نجاست بالکل زائل ہوجائے، مسنون طریقہ یہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا صلوٰۃ لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لا یسم .

یعنی اس کی نماز ہی نہیں جس نے وضو نہ کیا، اور اس کا وضو ہی نہیں جس نے بسم اللہ نہ پڑھا۔

وضو کرنے والے کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ انگلیوں میں خلال کرے اور ٹخنوں کو پانی سے خوب دھولے؛ کیونکہ اس بارے میں سخت تاکید آئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے :

ویل للأعقاب من النار . (۱)

یعنی ایسے ٹخنوں کے لیے بربادی ہے۔

نیز فرمایا :

خللوا أصابعکم قبل أن یتخللها نار جهنم . (۲)

یعنی انگلیوں میں خلال کیا کرو اس سے قبل کہ دوزخ کی آگ اُن میں خلال کرے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

حبذا المتخللون .

یعنی خلال کرنے والے لوگ کتنے اچھے ہیں !۔

---

(۱) صحیح بخاری:۱/۱۰۵ حدیث:۱/۱۰۵ حدیث:۵۸...... صحیح مسلم:۲/۳۶ حدیث:۳۵۳...... سنن ابوداوٗد: ۱/۱۳۶ حدیث:۸۹...... سنن ترمذی:۱/۱۷ حدیث:۳۹...... موطا امام مالک:۱/۴۵۔

(۲) مصنف عبدالرزاق:۱/۲۲ حدیث:۶۷...... مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۱۲۲۲...... کنزالعمال:۹/۴۵۵ حدیث: ۹/۴۵۵۔

عرض کیا گیا یارسول اللہ! خلال کرنے والے کون ہیں؟۔فرمایا :

المتخللون من الطعام والمتخللون بالماء فی الوضوء. (۱)

یعنی کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرنے والے اور وضو میں پانی سے خلال کرنے والے۔

پھر جب وضو سے فارغ ہو جائے تو یہ دعا پڑھنا مستحب ہے کہ اس میں بہت ثواب کا وعدہ ہے :

سبحانک اللّٰھم وبحمدک أشھد أن لا إلہ إلا أنت وأشھد أن محمدا عبدک ورسولک .

یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اور تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) تیرے بندۂ خاص اور رسول ہیں۔

حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا فرغ أحدکم من الوضؤ فلیشھد أن لا إلہ اللّٰہ ویشھد أن محمداً عبدہ و رسولہ ، ثم لیصل عليَّ فإذا فعل ذلک فتحت لہ أبواب الرحمة . (۲)

یعنی جب تم میں سے کوئی وضو کر کے فارغ ہو تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دے کہ محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں اور پھر وہ مجھ پر درود پڑھے، تو جس نے ایسا کیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۲۲/۴۸ حدیث:۲۲۴۲۷......مصنف ابن ابی شیبہ:۲۲/۱ حدیث:۱۲......معجم کبیر طبرانی:۲۴۱/۴ حدیث:۳۹۵۴......مسند عبد بن حمید:۲۳۵/۱ حدیث:۲۱۹......مسند شہاب قضاعی:۱۴/۵ حدیث:۱۲۳۱......کنز العمال:۳۰۰/۹ حدیث:۲۶۰۹۳۔

(۲) کنز العمال:۲۸۲/۹ حدیث:۲۶۰۲۳......سنن کبریٰ بیہقی:۴۴/۱۔

آدابِ نماز :

آدمی کو چاہیے کہ پوری توجہ کے ساتھ وضو کرے اور اس دوران فضول باتوں سے بچے؛ اس لیے کہ وہ اس کے ذریعہ بارگاہِ الٰہی میں پیشی کا اِرادہ رکھتا ہے۔ پھر جب مسجد میں داخل ہو تو تعظیم ووقار سے داخل ہو۔ پہلے دایاں پاؤں داخل کرے، اور بسم اللہ کہتے ہوئے یہ دعا پڑھے :

(السلام علی رسول اللّٰہ وعلی من اتبع الھدیٰ) اللّٰھم افتح لي أبواب رحمتک واغفرلی ذنوبی وأغلق عني أبواب سخطک .

یعنی (اللہ کے رسول پر سلام ہو اور اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)۔
اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور مجھ پر اپنی ناراضی کے دروازے بند کردے۔

نماز کو پورے خشوع خضوع سے اَدا کرے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

قَدْ اَفْلَحَ الْمُوْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ o (سورۂ مومنون:۲۳/۱تا۳)

بے شک ایمان والے مراد پا گئے۔ جو لوگ اپنی نماز میں عجز ونیاز کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں۔

(دورانِ نماز) دائیں بائیں نہ دیکھے؛ اس لیے کہ وہ اللہ مالک الملک کے حضور میں کھڑا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک نمازی کے قریب سے گزرے، دیکھا کہ وہ سجدے کی جگہ سے آگے نظر کررہا ہے۔ فرمایا :

لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ .

یعنی اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا پر اس کا اَثر ظاہر ہوتا۔(۱)

یوں ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نامی صحابی کی نماز کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی :

أ لا ترون كيف لايجاوز بصره عن موضع سجوده .

یعنی کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی نگاہ جائے سجدہ سے آگے نہیں بڑھتی !۔

جب نماز شروع کرنے کا اِرادہ ہو تو چاہیے کہ پہلے نیت کی جائے اور یہ ذہن نشین رہے کہ فلاں نماز پڑھنے جارہا ہوں؛ کیونکہ نماز بغیر نیت کے نہیں ہوتی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو تو چاہیے کہ اللہ سے اپنے لیے اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگے اور مسجد کی تعظیم بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۝ (سورۂ نور:۳۶/۲۴)

(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر ومنزلت) کے بلند کیے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کیے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے گھر کی تعظیم کرنی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ مسجد میں فضول باتیں کرنا، شوروغل کرنا اور جھگڑنا مکروہ ہے۔

بعض روایتوں میں 'شغب' (شوروغل) کی جگہ 'لعب' یعنی کھیلنا بھی آیا ہے۔

جب آدمی مسجد میں داخل ہونے کا اِرادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ جوتے اور موزے نجاست سے صاف کرلے پھر مسجد میں داخل ہو۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق:۲/۲۶۶ حدیث:۳۳۰۷......معرفۃ السنن والآثار بیہقی:۳/۳۳۶ حدیث:۱۱۳۴...... کنزالعمال:۸/۱۹۷ حدیث:۲۲۵۳۰۔

باب نمبر 52 : سونے کے آداب

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ سوتے وقت اِنسان وضو سے ہو۔حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد سعادت بنیاد ہے :

من بات طاھرا بات فی شعارہ ملک لا یستیقظ ساعۃ من اللیل إلا قال الملک : اللّٰھم اغفر لعبدک فلاں فإنہ بات طاھراً . (۱)

یعنی جوشخص باطہارت رات گزارے تو ایک فرشتہ اس کے لباس میں رات گزارتا ہے۔اور جب وہ رات کے کسی حصے میں جاگتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! اپنے اس بندے کو بخش دے؛اس لیے کہ یہ رات باطہارت گزارتا ہے۔

اور اگر ایک انسان سے یہ ہو سکے کہ وہ ہمیشہ طاہر اور وضو سے رہے تو پھر کیا کہنے!۔

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک سے فرمایا :

إن أتاک ملک الموت وأنت علی وضوء لم تفتک الشھادۃ . (۲)

یعنی اگر تمہارے پاس موت کا فرشتہ اِس حال میں آئے کہ تم باوضو ہو تو سمجھو کہ تم نے مرتبۂ شہادت پالیا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام سے فرمایا :

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۹۸/۵ حدیث: ۱۰۵۷......مسند عبداللہ بن مبارک: ۶۶/۱ حدیث: ۶۵......معجم کبیر طبرانی: ۷۷/۱۱ حدیث: ۱۳۴۴۵......شعب الایمان بیہقی: ۳۰۱/۶ حدیث: ۲۶۶۱۔

(۲) اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۱۴۲/۷ حدیث: ۱۹۴۷۔

یـا مـوسـیٰ ! إن أصـابتک مصیبة و أنت علی غیر وضوء فلا تلومن إلا نفسک .

یعنی اے موسیٰ ! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں کبھی تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو پھر تم اپنے نفس کو ملامت کرنا۔

نیز یہ بھی آتا ہے کہ ’مومنین کی روحیں سونے کے وقت آسمان پر چڑھتی ہیں جو اُن میں سے پاک (باوضو) ہوتے ہیں اُن کو سجدہ کی اجازت ملتی ہے اور جو پاک نہیں ہوتے ان کو سجدہ کی اجازت نہیں ملتی‘۔

سوتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے داہنی کروٹ لیٹنا مستحب ہے۔ پھر اگر دوسری کروٹ کو دل چاہے تو لے لے۔ اور لیٹنے کے وقت یہ دعا پڑھ لینا مستحب ہے :

بِسْـمِ اللّٰـهِ الَّـذِيْ لاَ يَـضُـرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ .

یعنی اللہ کے نام کی برکت سے زمین و آسمان کی کوئی شے نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

پھر جو چاہے دعا مانگے۔ اور نیند سے بیدار ہونے پر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ .

یعنی تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مرنے (سونے) کے بعد زندہ (بیدار) کیا اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اگر اس نے یہ دعا پڑھ لی تو سمجھیں اس نے رات کا شکریہ اَدا کر دیا۔

گھر میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھنا اور باہر نکلتے ہوئے بایاں قدم پہلے رکھنا مستحب ہے۔ مسلمان کے لیے مستحب ہے کہ ہر کام سے پہلے ’بسم اللہ‘ پڑھنے کی عادت ڈالے، اور ہر کام سے فارغ ہو کر ’الحمد اللہ‘ کہے؛ تا کہ دل میں ایمان کی حلاوت

وتازگی داخل ہو۔

دن کے ابتدائی حصے میں، نیز مغرب وعشا کے درمیان سونا مکروہ ہے۔ ہاں دوپہر کو سونا (یعنی قیلولہ کرنا) مستحب ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو صبح کے وقت سوتے دیکھا تو اس کو ٹھوکر مارتے ہوئے فرمایا :

لا أنام اللّٰہ تعالیٰ عینک، أ تنام في الساعة التي تقسم الأرزاق فیھا، أوما سمعت أنھا النومة التي قالت العرب إنھا مکرھة مکسلة مھرمة منساة للحاجة .

یعنی اُٹھ تیری آنکھوں کو اللہ نہ سلائے، کیا ایسے وقت میں سوتا ہے جس میں رزق تقسیم ہوتا ہے، کیا تو نہیں جانتا یہ وہ نیند ہے جس کو اہل عرب سستی اور بڑھاپالانے والی اور حاجت برآری میں تاخیر کرنے والی کہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نیند تین طرح کی ہے: ایک خلق، دوسری خرق، اور تیسری حمق۔ خلق نیند دوپہر کی ہے۔خرق نینداوّل دن کی ہے۔اورحمق نیند آخر دن کی ہے۔اور ایسے وقتوں میں بس وہی سوتا ہے جو احمق ہو، یا نشے باز یا پھر بیمار۔

باب نمبر 53 : کھانے کے آداب

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے، اور اس میں برکت ہے۔

حضرت زاذان بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا دھونا موجب برکت

ہے۔ چنانچہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا :

الوضوء قبل الطعام وبعد الطعام بركة . (۱)

یعنی کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد (دونوں) ہاتھ دھونا موجب برکت ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہت گرم کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں ہدایت فرمائی ہے :

أبردوا الطعام فإن الحار غير ذي بركة، ولا تشموا الطعام فإن ذٰلک عمل البهائم . (۲)

یعنی کھانے کو ٹھنڈا کر کے کھاؤ؛ اس لیے کہ گرم میں برکت نہیں۔ یوں ہی کھانے کو سونگھا نہ کرو کہ یہ دراصل جانوروں کا کام ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تشم الطعام كما تشم السباع ، ولا تنفخ فی الطعام ولا الشراب فإن ذٰلک من سوء الأدب . (۳)

یعنی کھانے کو چوپایوں کی طرح سونگھا مت کرو۔ یوں ہی کھانے اور پانی میں پھونک مت مارو؛ کیونکہ یہ بے اَدبی ہے۔

حضرت عکرمہ؛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن میں پھونک مارنے اور اس میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔

---

(۱) مستدرک حاکم: ۱۶/۴۰۷ حدیث: ۷۱۸۲...... معجم اوسط طبرانی: ۱۵/۴۴۶ حدیث: ۷۳۷۰...... سنن ابوداؤد: ۱۰/۲۰۹ حدیث: ۳۲۶۹...... شعب الایمان بیہقی: ۱۲/۲۸۹ حدیث: ۵۵۶۰۔

(۲) مستدرک حاکم: ۱۶/۴۶۰ حدیث: ۷۲۲۵...... کنز العمال: ۱۵/۲۴۹ حدیث: ۴۰۸۰۰۔

(۳) کنز العمال: ۱۵/۲۶۳ حدیث: ۴۰۱۸۸۰۔

جب کھانا شروع کیا جائے تو 'بسم اللہ' پڑھی جائے بشرطیکہ وہ کھانا حلال ہو؛ کیونکہ اگر کھانا حرام (مال) کا ہوگا اور پھر بسم اللہ پڑھی جائے تو شیطان کہتا ہے: ہرگز نہیں میں تیرے ساتھ تھا جب تو نے یہ مال کمایا تھا اور اب بھی میں تیرا ساتھی ہوں تجھ سے الگ نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا جب کھانا حلال کا ہو تو اس پر اللہ کا نام ضرور ذکر کرے کہ اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور اگر 'بسم اللہ' کہنا بھول جائے تو شیطان اس کھانے میں تیرا شریک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے۔

وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ o (سورۂ نور:۱۷/۶۴)

اور ان کے مال و اولاد میں اُن کا شریک بن جا۔

کھاتے سے پہلے اونچی آواز میں بسم اللہ پڑھی جائے کہ ساتھ بیٹھے لوگ بھی بسم اللہ پڑھ لیں۔ سرکارِ گرامی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

إذا أكل أحدكم طعاما فليذكر اسم اللّٰه تعالىٰ وليأكل مما يليه وليأكل بيمينه، وإياكم والذروة، فإن البركة تنزل من أعلاه ولا يأكل أحدكم ويشرب بشماله، فإن الشيطان يأكل ويشرب بشماله، فإذا وضع في الإناء عشاء أحدكم فلا يقومن حتىٰ يرفع، واجتمعوا علىٰ طعامكم يبارك لكم فيه . (۱)

یعنی جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے اور اپنے آگے سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے کھائے اور درمیان میں سے نہ کھائے؛ اس لیے کہ برکت درمیان میں اُترتی ہے۔ اور بائیں ہاتھ سے کچھ نہ کھائے پیے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کی عادت ہے۔ جب برتن میں کھانا لاکر رکھ دیا

(۱) سنن ترمذی: ۷/۵۵ حدیث: ۱۷۸۱...... مسند احمد ۹/۳۴۵ حدیث: ۴۳۰۹۔

جائے تو اس کے اُٹھا لیے جانے سے بھی کوئی وہاں سے نہ اُٹھے، اور اکٹھا بیٹھ کے کھانا کھایا کرو کہ اس میں زیادہ برکت ہوتی ہے۔

اور مندرجہ بالا تمام باتیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہیں۔ ایک مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا :

إذا أكل أحدكم طعاما فليقل في أوَّله بسم الله فإن نسي في أوله فليقل بسم الله في آخره، ومن قال عند كل لقمة بسم الله لايحاسب يوم القيامة في أكلها . (۱)

یعنی جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو شروع میں بسم اللہ پڑھ لے، اگر پڑھنا بھول جائے تو آخر میں پڑھ لے۔ اور اگر ہر لقمے کے وقت بسم اللہ پڑھے تو اُمید ہے کہ اللہ قیامت کے دن اس کھانے کا حساب نہ لے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ 'جب کوئی شخص گھر میں داخل ہو اور بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی ساتھ کھانا شروع کر دیتا ہے، اور اگر بسم اللہ پڑھ لے تو شیطان باقی کھانے سے رک جاتا ہے، اور جتنا کھا چکا ہوتا ہے وہ قے کر دیتا ہے، اور پھر نئے سرے سے کھانے کا اِرادہ کرتا ہے'۔

دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ حضرت ایاس بن سلمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے تو اس سے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھا۔

اس نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو ٹھیک ہے پھر تجھے اس کی اِستطاعت نہ ہو۔ چنانچہ آئندہ اس شخص کا ہاتھ کبھی اس کے منہ تک نہ پہنچا۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۵۵/۷ حدیث: ۱۷۸۱...... مسند احمد بن حنبل: ۲۰۸/۵۲ حدیث: ۲۴۵۵۱...... مستدرک حاکم: ۴۱۲/۱۶ حدیث: ۷۱۸۷...... صحیح ابن حبان: ۴۷۰/۲۱ حدیث: ۵۳۰۴۔

یہ بھی سنت ہے کہ کھانے کو درمیان میں سے نہ کھایا جائے۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

البركة تنزل في وسط الطعام فكلوا من حافتيه ولاتأكلوا من وسطه . (۱)

یعنی برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے؛ لہٰذا کناروں سے کھاؤ، درمیان سے نہ کھایا کرو۔

حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تأكلو الطعام من فوقه فإن البركة تنزل من فوقه . (۲)

یعنی کھانا اوپر سے نہ کھاؤ؛ اس لیے کہ برکت اوپر ہی نازل ہوتی ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے درمیان میں سے کھایا اور فرمایا :

آكل البركة ولا أدعها .

یعنی میں برکت کھاتا ہوں اور چھوڑتا نہیں۔

تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اِحتمال ہے کہ آپ نے کناروں سے کھانے کے بعد درمیان میں سے کھایا ہو۔

یہ بھی سنت ہے کہ انگلیوں کو رومال سے پونچھنے سے پہلے چاٹ لے۔ انگلیاں نہ چاٹنا دراصل عجمیوں، متکبروں اور فرعونیوں کا طریقہ ہے۔

یوں ہی رکابی کو بھی چاٹنا سنت ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ برتن چاٹنے والے شخص

---

(۱) مستدرک حاکم: ۴۴۳/۱۶ حدیث: ۷۲۱۸..... مسند حمیدی: ۳۴۸/۳ حدیث: ۵۵۷۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۸۱/۵ حدیث: ۳۲۱۴۔

کے لیے استغفار کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰہ وملائکته یصلون علی الذین یلعقون أصابعهم .

یعنی بے شک اللہ اور اس کے فرشتے انگلیاں چاٹنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

حضرت عطا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا أکل أحدکم فلا یمسحن یده بالمندیل حتی یلعق أصابعه . (۱)

یعنی جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو اس وقت تک رومال سے ہاتھ نہ پونچھے جب تک اپنی انگلیاں نہ چاٹ لے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیاں اور رکابی چاٹنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کھانے کے بعد تینوں انگلیاں چاٹتے دیکھا ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا طعم أحدکم فلا یمسحن یده حتی یمصها فإنه لا یدري في أی طعام یبارک له فیه . (۲)

یعنی جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو ہاتھ پونچھنے سے پہلیا سے چوس لے؛ کیونکہ اسے کیا خبر کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

---

(۱) شعب الایمان بیہقی:۱۲/۴۳۲ حدیث:۵۶۰۷......سنن دارمی:۶/۱۹۶حدیث:۲۰۷۸۔

(۲) صحیح مسلم:۱۰/۳۲۹ حدیث:۳۷۹۳......مسند احمد بن حنبل:۹/۳۲۱ حدیث:۴۲۸۵......معجم کبیر طبرانی:۵/ ۲۷۷ حدیث:۵۲۹۶۔

دسترخوان سے گرے ہوئے ذرّے چن کر کھانا بھی سنت ہے۔حضرت حجاج السلمی بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من أكل ما يسقط من المائدة لم يزل في سعة من الرزق، ووفي الحق عنه وعن ولده وولد ولده . (۱)

یعنی جس نے دسترخوان سے گرے ہوئے ذرّات کو کھالیا اس پر رزق کی وسعت ہمیشہ رہے گی،اور اس نے اپنا،اپنی اولاد کا اور اولاد کی اولاد کا حق اَدا کردیا۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا سقطت لقمة أحدكم فليأخذها وليمط عنها الأذى وليأكلها ولا يتركها للشيطان . (۲)

یعنی جب کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھالے اور صاف کر کے کھالے،اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔

یہ بھی سنت ہے کہ میوے اور ترکاری کو ایک برتن میں جمع نہ کرے۔یعنی ایک وقت میں دونوں نہ کھائے؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے،اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد 'الحمدللہ' کہنا سنت ہے۔

حضرت ابوبکر ہذلی' حضرت عطا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا كان فى الطعام أربع خصال فقد كمل شأنه كله: إذا كان

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۵/۲۵۲حدیث:۴۰۸۲۲۔

(۲) صحیح مسلم:۱۰/۳۳۱حدیث:۳۷۹۵......سنن ابوداؤد:۱۰/۳۲۵حدیث:۳۳۴۷......مسند احمد بن حنبل: ۲۴/۲۷حدیث:۱۱۵۲۶......مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۵۵۸حدیث:۱۸......سنن دارمی:۶/۲۰۲حدیث: ۲۰۸۰......مستخرج ابوعوانہ:۱۶/۱۷۸حدیث:۶۷۰۰۔

مـن حـلال، وإذا أكـل ذكـر اسـم اللّٰـه تـعالىٰ ثم تكثر عليـه الأيدي: وإذا فرغ منه يحمد اللّٰه تعالىٰ .

یعنی جس کھانے میں چار باتیں ہوں وہ کھانا خوب ہے۔اوّل تو حلال کا ہو۔دوسرا اُس پر بسم اللہ پڑھی جائے۔تیسرا بہت سے آدمی مل کر کھائیں۔اور چوتھا فراغت کے بعد 'الحمدللہ' پڑھی جائے۔

کھانے سے فراغت کے بعد بلند آواز سے 'الحمدللہ' کہنا مناسب نہیں؛ ہاں، اگر دیگر لوگ کہہ چکے ہوں تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ الحمدللہ پکا کر کہنا گویا اُن کو (کھانے سے منع) کرنا ہے۔

کھانے کی اِبتدا اور اِنتہا نمکین شے پر کرنا مستحب ہے؛ اس لیے کہ یہ بھی مسنون ہے اور مشہور ہے کہ اس طرح کرنے میں ستر اَمراض سے شفا ہے۔

یوں ہی اپنے آگے سے کھانا مستحب ہے۔اور مل کر کھانا تنہائی سے بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اجتمعوا على طعامكم يبارك اللّٰه لكم فيه . (۱)

یعنی اپنے کھانے مل کر کھایا کرو، اللہ تمہارے اس میں برکت ڈال دے گا۔

نیز ارشاد فرمایا :

شـر الناس من أكل وحـــده، وضرب عبده، ومنع رفده. (۲)

یعنی بدترین شخص وہ ہے جو تنہا کھائے، اپنے غلام کو مارے اور پیالہ عاریتاً نہ دے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۳۲/۲۹۹ حدیث:۱۵۴۹۸......شعب الایمان بیہقی:۱۲/۳۱۸ حدیث:۵۵۸۸...... صحیح ابن حبان:۲۱/۴۹۰ حدیث:۵۳۱۴......کنز العمال:۱۵/۲۳۳ حدیث:۴۰۷۱۵۔

(۲) نوادر الاصول فی احادیث الرسول:۳/۷۲......کنز العمال:۱۶/۲۶۰ حدیث:۴۴۳۶۷۔

یہ بھی آتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک محبوب وپسندیدہ کھانا وہ ہے جس پر بہت سارے ہاتھ پڑیں۔

پیٹ بھر کر کھانا مکروہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما ملأ ابن آدم وعاء شرًا من بطنه، (فإن كان لابد من ذلك فينبغي أن يجعل بطنه ثلاثا، فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس) . (۱)

یعنی آدمی کے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ (ہاں! اگر کسی کو پیٹ ناچار کرے تو چاہیے کہ پیٹ کے تین حصے کرے: ایک کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس لینے کے لیے)۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے :

كل داء من كثرة الأكل و كل دواء من قلته .

یعنی ہر بیماری زیادہ کھانے سے ہوتی ہے، اور ہر دوا کا راز کم کھانے میں ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: آدم زاد کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ کم کھانے میں بہت فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی تندرست رہتا ہے، حافظہ درست رہتا ہے، سمجھ تیز رہتی ہے، نیند کم آتی ہے اور سانس آسانی سے آتا جاتا ہے۔ اور زیادہ کھانے میں بہت سے نقصانات ہیں: ان میں سے ایک تو تخمہ ہے کہ وہ مختلف امراض پیدا کرتا ہے۔

منقول ہے کہ جو بیماری کم کھانے کی وجہ سے پیدا ہو اس کی اِصلاح تھوڑی سی دقت کے ساتھ ہوجاتی ہے، اور جو بیماری زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو وہ بہت دقت

(۱) مسند احمد بن حنبل:۳۵/۴۷ حدیث: ۱۶۵۵۶...... مسند شامیین طبرانی:۶/۵۱ حدیث:۱۹۱۹...... کنز العمال:۳/۳۹۹ حدیث:۷۱۳۷۔

اور دشواری سے جاتی ہے۔

بعض حکما کا کہنا ہے کہ تین طرح کے آدمیوں کو مخلوق برا جانتی ہے؛ حالانکہ ان کو ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ ۱: بخیل ۲: متکبر و مغرور ۳: بہت کھانے والا۔

باب نمبر 54 : دعوت قبول کرنے کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب آپ کو ولیمہ کی دعوت پیش کی جائے، تو اگر حرام مال سے نہ ہو اور فسق و فجور بھی وہاں نہ ہو تو اس دعوت کو قبول کر لیں۔ اور اگر مالِ حرام ہے یا دعوت دینے والا اِعلانیہ فسق کرتا ہے تو دعوت قبول نہ کریں؛ تا کہ اسے پتا چلے کہ آپ اس کے فسق سے راضی نہیں؛ کیونکہ اگر آپ ولیمہ میں جا کر وہاں اس کو عزت دیں تو وہ گمان کریں گے کہ آپ ان کے فعل سے خوش ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من تشبه بقوم فهو منهم . (۱)

یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انہیں میں سے ہے۔

بعض علما کے نزدیک دعوت کا قبول کرنا بہر حال واجب ہے، انکار کرنا جائز نہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من لم يجب الدعوة فقد عصى ابا القاسم . (۲)

یعنی جو دعوت قبول نہ کرے وہ ابو القاسم (محمد عربی ﷺ) کا نافرمان ہے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۱/۴۸ حدیث: ۳۵۱۲...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۳۹/۷ حدیث: ۷۹...... مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۵۴ حدیث: ۲۰۹۸۶...... مسند شہاب قضاعی: ۲/۱۴۱ حدیث: ۳۷۲۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۱۱/۴۸ حدیث: ۵۰۱۲۔

جب کہ اکثر علما کا کہنا یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا واجب نہیں سنت ہے؛ بلکہ افضل طریقہ یہ ہے کہ اگر ولیمہ ایسا ہے جس میں امیر وغریب سب بلائے جاتے ہوں تو دعوت قبول کرلے؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لو دعيت إلى كراع لاجبت ولو أهدي إلىٰ كراع لقبلت. (۱)

یعنی اگر مجھے بکری کے پائے کی بھی دعوت دی جائے تو قبول کرلوں، اور اگر بکری کا کھر ہدیے میں دیا جاؤں تو قبول کرلوں۔

رہی وہ حدیث -جس کا یہ مضمون ہے کہ جو دعوت قبول نہ کرے وہ نافرمان ہے- تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کے لیے فرمائی گئی کہ زمانۂ جاہلیت میں ان میں عداوت تھی اور دعوت کے قبول کرنے سے محبت پیدا ہونے کا امکان، اور انکار میں دشمنی کا خدشہ تھا؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واسطے دعوت قبول کرنے کو واجب قرار دیا تھا۔

لیکن جب آدمی کو ناراضگی کا خوف نہ ہو تو اسے اِختیار ہے چاہے قبول کرے، چاہے نہ کرے؛ مگر پھر بھی قبول کرلینا افضل ہے؛ اس لیے کہ اس سے مسلمان کا دل خوش ہوجائے گا، اور اس کی تکریم میں اضافہ ہوگا۔

کسی نکتہ رس نے بڑی پیاری بات کہی ہے ؎

من دعــانا فأبينا　　　فله الفضل علينا

وإذا نحــن أجبنا　　　رجع الفضل إلينا

یعنی جس نے ہماری دعوت کی اگر ہم نے انکار کردیا تو وہ ہم پر فضیلت پاگیا، اور اگر ہم نے قبول کرلی تو ہم کو اس پر فضیلت حاصل ہوگئی۔

---

(۱) صحیح بخاری:۱۶/۱۷۰ حدیث: ۴۷۸۰...... صحیح مسلم: ۲۸۵/۷ حدیث: ۲۵۸۲...... سنن ترمذی: ۱۷۸/۵ حدیث:۱۲۵۸...... سنن کبریٰ نسائی:۱۴۰/۴ حدیث:۶۶۹۰...... شمائل محمدیہ:۳۷۸/۱ حدیث:۳۳۲۔

جب آپ کوکسی نے بلایا اور آپ نے آنے کا وعدہ بھی کرلیا تو اب آپ کوضرور جانا چاہیے۔ ہاں، اگر کوئی شرعی عذر مانع ہو تو الگ بات ہے؛ تاہم دعوت قبول کر لینے کے بعد نہ جانا سراسر ظلم ہے، اور دوسرے یہ کہ اس میں وعدہ خلافی بھی ہے۔

اگر آپ کسی ولیمے میں بلائے جائیں اور آپ روزے سے ہوں تو کہہ دیں کہ 'میں روزے سے ہوں'۔ لیکن اگر وہ اصرار کرے تو ضرور چلے جائیں۔ اب اگر آپ کا روزہ نفلی ہو اور آپ کے نہ کھانے سے صاحب خانہ کو کوئی رنج نہ ہو تو روزہ توڑنے کی ضرورت نہیں اور اگر اسے رنج ہو تو روزہ توڑنے اور نہ توڑنے کا آپ کو اختیار ہے۔ اگر توڑ دیں تو قضا کرنا ہوگی؛ مگر توڑ دینا افضل ہے (کہ اِس سے مسلمان کا دل خوش ہو جائے گا)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابہ کرام سمیت دعوت کی، ایک شخص ان میں سے روزہ سے تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا :

أجب أخاك وافطر واقض يوما مكانه .

یعنی اپنے بھائی کی دعوت قبول کرلو اور روزہ افطار کرلو، پھر اس کی قضا کرلینا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا دعى أحدكم إلى طعام فليجب إن كان مفطرا فليأكل وإن كان صائما فليصل له . (۱)

یعنی جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو چاہیے کہ دعوت قبول کرلے۔ اگر روزہ دار نہیں ہے تو کھالے اور اگر روزہ دار ہے تو ان کے واسطے (برکت کی) دعا کردے۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۲۵۹/۳ حدیث: ۷۱۱...... معجم کبیر طبرانی: ۸۷/۹ حدیث: ۱۰۴۱۱...... مستخرج ابوعوانہ: ۴۵۶/۸ حدیث: ۳۴۰۲...... معرفۃ السنن والآثار: ۶۱/۱۲ حدیث: ۴۵۷۸...... کنز العمال: ۲۵۴/۹ حدیث: ۲۵۹۱۱۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی مجلس میں کھانے پر بلائے گئے۔ جب کھانا آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا: 'کھاؤ اللہ کے نام کے ساتھ'۔ پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: 'میں تو روزہ سے ہوں'۔

باب نمبر 55 : میہمانی کے آداب

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مہمان کے لیے بہتر یہی ہے کہ جہاں بٹھایا جائے بیٹھ جائے؛ اس لیے کہ صاحب خانہ اپنے گھر والوں کے پردے اور بے پردے کے حالات کو جانتا ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ مہمان پر چار باتیں لازم ہیں: اوّل تو جہاں بٹھایا جائے بیٹھ جائے۔ دوم جو اس کے سامنے پیش کیا جائے بخوشی کھا لے۔ سوم بغیر صاحب خانہ کی اجازت کے نہ جائے۔ چار رخصت ہوتے وقت صاحب خانہ کے لیے دعائے خیر کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ دعوت تناول کر کے باہر تشریف لاتے تو فرماتے :

أفطر عندكم الصائمون، وأكل طعامكم الأبرار، وصلت عليكم الملائكة، ونزلت عليكم الرحمة . (١)

یعنی روزے داروں نے تمہارے ہاں روزہ افطار کیا۔ نیک لوگوں نے تمہارے ہاں کھانا کھایا۔ فرشتوں نے تمہارے لیے دعا کی، اور تم پر رحمت اُتری۔

---

(١) سنن ابوداؤد: ۱۰/۳۳۹ حدیث: ۳۳۵۶ ...... سنن ابن ماجہ: ۵/۲۸۶ حدیث: ۱۷۳۷ ...... مسند احمد: ۲۴/۲۷۸ حدیث: ۱۱۷۳۲ ...... مصنف عبدالرزاق: ۴/۳۱۱ حدیث: ۷۹۰۷۔

کسی مہمان کو زیب نہیں دیتا کہ صاحب خانہ سے پانی اور نمک کے سوا کسی اور شے کی فرمائش کرے، اور کھانے میں عیب نہ نکالے۔ جو ملے کھالے اور شکر کرے کہ یہی تقاضہ اَدب ہے۔ مثل مشہور ہے :

ليس للضيف ما اشتهى وتمنى، إن للضيف ما إليه يقرب .

یعنی مہمان کو اپنی آرزو اور تمنا کا حق حاصل نہیں بلکہ اس کا حق بس اتنا ہے کہ جو اُس کے سامنے پیش کیا جائے قبول کرلے۔

جب دسترخوان پر کوئی بڑا بیٹھا ہو تو اس سے پہلے کھانا شروع نہ کیا جائے۔ کہاوت ہے کہ صدارت بادشاہ کا حق ہے، اور کھانے کی اِبتدا کرنے میں بڑے ہی کا حق ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے ایک حکیم کی دعوت کی تو انہوں نے کہا کہ تین شرطوں سے قبول کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ تکلف نہ کرنا۔ دوم یہ کہ خیانت نہ کرنا۔ سوم یہ کہ ظلم نہ کرنا۔

اس نے پوچھا کہ تکلف کیا ہے؟۔ فرمایا: تکلف یہ ہے کہ جو تیرے پاس نہیں اس کی فکر کرنا۔

پوچھا کہ خیانت کیا ہے؟۔ فرمایا: خیانت یہ ہے کہ جو تیرے پاس ہے اس میں بخل کرے، اور بھائی کو نہ کھلائے۔

پوچھا کہ ظلم کیا ہے؟۔ فرمایا: ظلم یہ ہے کہ تو اہل وعیال کو محروم رکھے اور مہمان کو کھلائے۔

مزید کہا کہ جب آپ لوگوں کی دعوت کریں تو اگر وہ تھوڑے ہوں تو ان کے ساتھ بیٹھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر آپ ان کی خدمت میں رہے تو یہ زیادہ اچھا ہے؛ اس لیے کہ دسترخوان پر خدمت کے لیے حاضر رہنا مروّت میں داخل ہے، اور اگر قوم بہت ہو تو ان کے سامنے نہ بیٹھیں بلکہ خدمت کریں؛ اس لیے کہ مہمان کی تعظیم یہی ہے کہ آپ بذاتِ خود اُن کی خدمت کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ o (سورۃ ذاریات:۲۴/۵۱)

کیا آپ کے پاس ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟.

کی تفسیر میں اہل علم نے فرمایا ہے کہ ان کی تعظیم یہی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اُن کی خدمت کیا کرتے تھے۔

میزبان کے لیے مستحب ہے کہ وہ کھانے کے دوران بلا اِصرار کبھی کبھی مہمان کو کہہ دیا کرے کہ 'اور کھائیں'؛ اس لیے کہ گھوڑا بغیر سیٹی کے پانی تھوڑا پیتا ہے، اور سیٹی سے زیادہ پیتا ہے، یوں ہی اونٹ بغیر حدی کے تھوڑا پانی پیتا ہے اور حدی سے زیادہ پیتا ہے۔ اسی طرح مہمان کو جب کہا جاتا ہے کہ 'مزید لیں' تو وہ زیادہ رغبت اور مزے سے کھاتا ہے؛ لیکن اس سلسلے میں اِصرار نہ چاہیے کہ اِصرار برا ہے۔

میزبان کو چاہیے کہ مہمانوں کے پاس خاموش نہ بیٹھا رہے کہ انہیں گھبراہٹ محسوس ہونے لگے۔ نہ ہی ان سے غائب ہو کہ یہ ظلم وحقارت کی بات ہے۔ نیز مہمانوں کے سامنے خادم پر غصہ نہ ہو کہ مہمان کے لیے جو افضل اَمر ہے وہ یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور تعظیم کشادہ پیشانی میں ہے۔

یہ بھی زیبا نہیں کہ مہمانوں کے پاس ایسے لوگوں کو بٹھائے جن کا بیٹھنا اُن کی طبیعت پر گراں ہو؛ اس لیے کہ یہ امر کھانے کی لذت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ جب مہمان فارغ ہوں تو ان کو اجازت طلب کرنی چاہیے، اور صاحب خانہ کو چاہیے کہ رد نہ کرے؛ اس لیے کہ کبھی یہ روکنا ان پر بھاری ہوتا ہے، سو ان کو جانے کی اجازت دے دے۔

حضرت محمد ابن سیرین فرماتے ہیں :

لا تکرم أخاک بما یکرہ .

یعنی اپنے بھائی کا اِکرام اس طرح نہ کر کہ اس کو برا معلوم ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک حکیم کی کسی نے دعوت قبول کی تو اس نے کہا کہ تین شرطوں پر قبول کرتا ہوں۔ اوّل تو مجھے زہر نہ کھلانا۔ دوم میرے ساتھ ایسے کو نہ بٹھانا جو تیرے نزدیک محبوب ہو؛ مگر میرے نزدیک مبغوض ہو۔ سوم مجھے قید خانہ میں قید نہ کرنا۔

چنانچہ جب حکیم صاحب اس کے گھر گئے تو اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بٹھا دیا گیا۔ جب کھانا کھا چکا تو صاحب خانہ اسے مزید کھانے پر اِصرار کرنے لگا۔ اور جب اس نے رخصت ہونے کا اِرادہ کیا تو اس نے کہا کہ 'ذرا ٹھہریے' تو حکیم نے اس سے کہا کہ تو نے تمام عہد توڑ دیے۔

جب بعض لوگ آجائیں اور بعض ابھی نہ آئے ہوں تو جو آگئے ہیں ان کا حق ہے کہ انہیں کھانا پیش کیا جائے اور جو نہیں آئے ان کی رعایت کرتے ہوئے ان کو نہ اِنتظار کروایا جائے۔ منقول ہے کہ تین چیزیں طبیعت کی سستی کا باعث ہیں: قاصد جو دیر کرے۔ چراغ جو صاف روشن نہ ہو۔ اور وہ کھانا جس پر کسی کا انتظار کیا جائے۔

صاحب ضیافت کو چاہیے کہ کھانا پہلے نہ رکھ دے بلکہ پہلے ہاتھ دھونے کے لیے پانی پیش کرے اور جب پانی ہاتھ دھونے کے لیے لایا جائے تو عقل تو یہی کہتی ہے کہ پہلے ان کے ہاتھ دھلا جائیں جو مجلس کے آخر میں بیٹھے ہوں، اور صدر مجلس کا اخیر میں ہاتھ دھلایا جائے؛ لیکن چونکہ اس طرح کرنے میں انھیں کھانا شروع کرنے سے روکنا ہے؛ لہٰذا خوبی تاخیر میں ہے۔

مگر لوگ صدر مجلس کے ہاتھ پہلے دھلانے کو پسند کرتے ہیں، اگرچہ کھانے سے پہلے ہو اور اسی کو خوبی شمار کرتے ہیں۔ خیر اگر کوئی یوں بھی کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ہاتھ دھو لینے کے بعد اسے رومال سے پونچھنا قرین قیاس نہیں؛ اس لیے کہ ہاتھ تو دھوئے ہی اسی لیے تھے کہ چونکہ ہاتھ سے بہت سی چیزیں چھوئی تھیں؛ لیکن لوگ اگر ہاتھ پونچھنے کو پسند کرتے ہیں تو یوں کر لیا جائے اِس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

جب کھانے کے بعد ہاتھ دھونا چاہیں تو بہتر یہ ہے کہ پہلے صدرِ مجلس کے ہاتھ دھلائے جائیں۔ بعض لوگوں نے بار بار طشت کے پانی کو پھینکنے کو مکروہ بتایا ہے اور یہ دلیل لائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

املأوا الطسوس ولا تشبهوا بالمجوس . (۱)

یعنی طشتوں کو بھر کر اونڈھا کیا کرو اور مجوسیوں کی مخالفت کیا کرو۔

ایک اور حدیث میں ہے :

أجمعوا وضوء كم يجمع الله شملكم . (۲)

یعنی وضو کے پانی کو جمع کیا کرو؛ تاکہ اللہ تم کو جمعیت خاطر عطا فرمائے۔

کہا جاتا ہے کہ طشت کو ہر بار اونڈھا کرنا عجمیوں کی عادت ہے، لیکن اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ یہ مروّت میں داخل ہے؛ اس لیے کہ چکنائی جب طشت میں آجاتی ہے تو اگر پانی آدمی کے کپڑوں پر گر جائے تو وہ خراب ہوں گے۔

پہلے زمانے میں اکثر کھانا روٹی اور چھوہارے تھے، یا ایسا کھانا تھا جس میں چکنائی کم ہوتی تھی؛ لیکن اب اس زمانے میں طرح طرح کے سالن اور مرغن کھانے کھائے جاتے ہیں جس سے ہاتھ چکنے ہوتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں ہر مرتبہ پانی پھینک دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں؛ بہر حال دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں۔

آدمی کو چاہیے کہ دوسرے کے لقمے کی طرف نہ دیکھے؛ اس لیے کہ اس میں بے اَدبی ہے، اور مہمان کو زیب نہیں دیتا کہ جس طرف سے کھانا آتا ہو اس طرف تکتا رہے؛ کیونکہ یہ اَمر مخلوق کے نزدیک معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۱۴/۸ حدیث: ۵۴۳۴...... کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۳۲/۹ حدیث: ۲۶۲۴۰...... جامع الاحادیث سیوطی: ۲۸۱/۱ حدیث: ۴۳۶۔

(۲) مسند شہاب قضاعی: ۴۰۸/۱ حدیث: ۷۰۲...... شعب الایمان بیہقی: ۷۱/۵ حدیث: ۵۸۱۹...... کنز العمال: ۳۲۴/۹ حدیث: ۲۶۲۴۳...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱۰۵/۱۶ حدیث: ۱۶۳۳۶۔

باب نمبر 56 : خلال کرنے کا بیان

حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلال کے بارے میں فرمایا کرتے تھے :

إذا ترک وهن الأضراس .

یعنی جو خلال کو چھوڑ دے گا اس کی داڑھیں کمزور ہو جائیں گی۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

لا تغتسلوا بالماء المشمس فإنه يورث البرص، ولا تخللوا بالقصب فإنه يورث الأكلة .

یعنی دھوپ کے گرم پانی سے مت نہاؤ؛ کیونکہ یہ برص پیدا کرتا ہے اور بانس (کے تنکے) سے خلال نہ کیا کرو؛ کیونکہ یہ خارش پیدا کرتا ہے۔

حضرت اوزاعی فرماتے ہیں :

لاتخللوا بالآس فإن ذالک يورث عرق النساء .

یعنی آس کا خلال نہ کیا کرو؛ کیونکہ یہ عرق النساء کا مرض پیدا کرتا ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آدمی خلال کرے تو جو کچھ دانتوں سے نکلے چاہے تو اُس کو نگل جائے اور چاہے تو تھوک دے؛ اس لیے کہ حدیث مبارکہ میں ان دونوں کو مباح فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من أكل طعاما فما تخلل فليلفظ وما لاک بلسانه فليبتلع فمن فعل فقد أحسن ومن لم يفعل فلا حرج .

یعنی جس نے کھانا کھایا پھر خلال کیا تو جو کچھ خلال سے نکلے اس کو تھوک دے اور جو زبان لگانے سے نکلے اس کو نگل جائے، جو یوں کرے تو اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔(۱)

اگر گوشت کھانے کا اِرادہ ہو تو مستحب ہے کہ پہلے لقمہ یا دو لقمہ روٹی کھا لے؛ تاکہ دانتوں کے سوراخ بند ہو جائیں۔

ریحان، آس اور انار کی لکڑی سے خلال کرنا مکروہ ہے۔ اور کالی و پیلی بید کی لکڑی سے خلال کرنا مستحب ہے۔

جب آدمی کہیں مہمان ہو اور خلال کرے تو اس کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جو کچھ دانتوں سے نکلے، اس کو وہاں پھینک دے؛ اس لیے کہ کسی کے کپڑوں کو لگنے کا اندیشہ ہے؛ بلکہ اُس کو اپنے پاس رکھے اور جب ہاتھ دھونے کے لیے طشت آئے تو اس میں ڈال دے پھر ہاتھ دھو لے؛ اس لیے کہ یہ امر مروّت میں داخل ہے۔

باب نمبر 57 : پانی پینے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بیٹھ کر تین سانس میں پانی پینا مستحب ہے اور اگر ایک سانس میں یا کھڑے ہو کر کوئی پیے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ احادیث میں اس کے مباح ہونے اور مباح نہ ہونے کا حکم ملتا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا تشربوا الماء واحدة کشرب البعیر واشربوا مثنی وثلث وسموا اللّٰہ تعالیٰ إذا شربتم واحمدوہ إذا فرغتم .

---

(۱) سنن ابوداوٗد:۱/۱۳حدیث:۳۵...... مسند احمد:۱۴/۴۳۲حدیث: ۸۸۳۸...... جامع الاصول: ۷/۱۳۱ حدیث:۵۱۱۴......مسندشامیین:۱/۲۷۵حدیث:۴۸۱......شعب الایمان:۵/۱۲۵حدیث:۶۰۵۳۔

یعنی ایک سانس میں پانی نہ پیا کرو، جیسے اونٹ پیتا ہے؛ بلکہ دو یا تین سانس میں پیو۔ اور جب پیتے وقت اللہ کا نام لو (یعنی بسم اللہ پڑھو) اور جب پی لو تو اس کی حمد کرو (یعنی الحمدللہ کہو)۔(۱)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی پیتے تھے تو یہ پڑھتے تھے :

الحمد لله الذي جعله عذبا فراتا برحمته ولم يجعله ملحا أجاجا بذنوبنا . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنی رحمت سے پانی کو میٹھا بنایا، اور ہمارے گناہوں کی شامت سے اس کو نمکین کھارا نہ بنایا۔

جب آدمی کھانا کھا چکے تو یہ پڑھے :

الحمد الله الذى اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين.

یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور ہم کو مسلمان بنایا۔

حضرت قتادہؒ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا۔

جب کہ نزال بن سبرۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پیتے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ لوگ تو کھڑے ہوکر پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پیتے دیکھا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی

(۱) سنن ترمذی:۴/۳۰۲حدیث: ۱۸۸۵......شعب الایمان: ۵/۱۱۶حدیث: 6015 ......معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۱۶۶حدیث:۱۱۴۰۲......کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۵/۲۸۷حدیث: ۴۱۰۲۸۔

(۲) کنز العمال: ۷/۱۱۱حدیث: ۱۸۲۲۱......شعب الایمان بیہقی: ۴/۱۱۵حدیث: ۴۴۷۹......اخبار مکہ فاکہی: ۳/۶۰حدیث: ۱۷۹۶۔

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کھڑے ہوکر اور کبھی بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم تو کھڑے ہوکر اور چلتے پھرتے بھی کھا پی لیا کرتے تھے۔

لیکن ابراہیم بن سعید نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف ایک روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا :

لو يعلم الذي يشرب قائماً ما عليه لاستقاء .

یعنی اگر کھڑے ہوکر پینے والا جان لے کہ اس میں کتنا گناہ ہے تو پھر وہ پانی پیا ہی نہ کرے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیٹھ کر پانی پینا بہتر ہے، اس میں نہ صرف ادب ہے، بلکہ نقصان اور تکلیف سے نجات بھی ہے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پانی پینا صرف اس وجہ سے مکروہ ہے کہ مرض کو پیدا کرتا ہے اور تکیہ لگا کر کھانا بھی صرف پیٹ کے بڑے ہو جانے کے خوف سے مکروہ ہے؛ یعنی یہ ممانعت خیر خواہی کی وجہ سے ہے، حرام نہیں ہے۔

جس طرح مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت آئی ہے؛ کیونکہ یہ ممانعت شفقت کی وجہ سے ہے، حرام نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی مشک کو منہ لگا کر پانی پیے تو یہ بھی جائز ہے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ ٹونٹی (نل) کو منہ لگا کر اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے پانی نہ پیے کہ وہاں شیطان بیٹھا رہتا ہے۔

باب نمبر 58 : دائیں کو بائیں پر فضیلت

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب آپ کوئی پینے کی چیز پئیں اور آپ کے دائیں بائیں دیگر لوگ بھی موجود ہوں تو اوّل اس کو دینا چاہیے جو دائیں بیٹھا ہو؛

کیونکہ دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے۔اور پھر ارشادِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ آپ ہر کام میں ’تیامن‘ کو پسند فرماتے تھے؛ چنانچہ اس ضمن میں فرمایا :

إذا اعترض لكم طريقان فتيامنوا .

یعنی جب تمہارے سامنے ایک مکان کو جانے کے دو راستے آجائیں تو دائیں کو اِختیار کرو۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے کچھ نوش فرمایا اور آپ کے دائیں طرف ایک نوعمر لڑکا تھا اور بائیں طرف بوڑھے بیٹھے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا :

أ تأذن لي أن اعطي الأشياخ .

یعنی کیا میں بوڑھوں کو پہلے دے دوں؟۔

اس لڑکے نے عرض کی :

لا، ما كنت أوثر بنصيبي منك أحدا يارسول الله . (۱)

یعنی ہرگز نہیں یارسول اللہ! میں آپ کا تبرک کسی کو کیونکر دے سکتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے پہلے اس کو عطا فرمایا۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی تھا جب آپ نوش فرما چکے تو پہلے آپ نے اس اعرابی کو دیا۔ اس نے عرض کی کہ ابوبکر کو عنایت فرمایئے۔آپ نے فرمایا :

الأيمن فالأيمن .

---

(۱) صحیح بخاری:۳/۱۱۲حدیث:۲۳۶۶......مسند ابوعوانہ:۵/۱۵۸حدیث:۸۲۳۲......معجم کبیر طبرانی:۶/۱۵۱ حدیث:۵۸۲۵۔

یعنی پہلے دائیں والا اس کا مستحق ہے۔(۱)

کسی شاعر نے کیا خوب منظر کشی کی ہے۔

صددت الكأس عنا أم عمـرو

وكان الكأس مجراها اليمينا

یعنی اُم عمرو نے پیالہ ہماری طرف سے ہٹالیا؛ حالانکہ پیالے کا دور دائیں طرف سے چلنا چاہیے تھا۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا انتعلت فابدأ باليمنى، وإذا انتزعت فابدأ باليسرىٰ .(۲)

یعنی جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں میں پہنے اور جب نکالے تو پہلے بایاں نکالے۔

نیز فرمایا :

لا يمشي أحدكم في نعل واحدٍ يتنعلهما أوليخلعهما جميعا .(۳)

یعنی تم میں سے کوئی شخص ایک پاؤں میں جوتا پہن کر نہ چلے، یا دونوں میں پہنے یا دونوں میں سے نکال دے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک دن راستہ میں تشریف لے جارہی تھیں تو موزہ اُن کے پاؤں میں لگ گیا تو آپ نے اس کو نکال دیا اور ایک ہی موزہ میں چلتی رہیں، اور فرمایا :

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۱۰/۳ حدیث: ۲۳۵۲...... صحیح مسلم: ۱۶۰۳/۳ حدیث: ۲۰۲۹...... سنن ابوداؤد: ۳۹۱/۳ حدیث: ۳۷۲۸...... سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۳/۲ حدیث: ۳۴۲۵...... سنن ترمذی: ۳۰۶/۴ حدیث: ۱۸۹۳ ...... سنن دارمی: ۱۶۰/۲ حدیث: ۲۱۱۶۔

(۲) مسند ابوعوانہ: ۲۶۴/۵ حدیث: ۸۶۶۵۔

(۳) صحیح بخاری: ۱۵۴/۷ حدیث: ۵۸۵۶...... صحیح مسلم: ۱۶۶۰/۳ حدیث: ۲۰۹۷...... سنن ابن ماجہ: ۱۱۵۴/۲ حدیث: ۳۶۱۷...... سنن ترمذی: ۲۴۲/۲ حدیث: ۱۷۷۴...... صحیح ابن حبان: ۲۷۴/۱۲ حدیث: ۵۴۶۰۔

لأخيبن أبا هريرة .

یعنی میں تو ابو ہریرہ کے قول کی مخالفت کروں گی۔

کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل عذر کی وجہ سے تھا؛ اس لیے کچھ مضائقہ نہیں اور اگر یہ فعل بغیر عذر کے ہو تو مکروہ ہے۔ چنانچہ اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

باب نمبر 59 : گھر سے نکلنے اور دوست کی سنگت کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آدمی کے لیے مستحب ہے کہ گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھے :

بسم الله توكلت على الله ولاحول ولا قوة إلا بالله .

یعنی اللہ کے نام سے شروع، اور اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کیا اور نیکی کرنے کی قوت اور گناہ سے بچنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس لیے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب اس نے 'بسم اللہ' پڑھ لی تو فرشتہ کہتا ہے 'هـــديـــت' یعنی تو ہدایت پا گیا۔ اور جب اس نے 'توکلت علی اللہ' کہا تو فرشتہ کہتا ہے: 'کفیت' تو محفوظ کر دیا گیا۔

یہ بھی مستحب ہے کہ جب گھر سے نکلے تو اپنی نگاہ کو بے ضرورت دائیں بائیں دیکھنے سے روکے رکھے، اور اپنی نگاہ قدموں پر رکھے؛ اس لیے کہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے طرح طرح کی خواہشیں جنم لیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ دائیں بائیں دیکھنے میں راستے کا خیال نہ رہے گا، اور بے خبری میں کوئی تکلیف پہنچ جائے گی۔

جب تمھیں کوئی مسلمان آتا ہوا ملے تو پہلے اسے سلام کرو اور خندہ پیشانی سے اس کی طرف متوجہ ہو۔ اگر وہ تمہارا دوست ہو تو مصافحہ کرو اور اُس سے پہلے اپنے ہاتھ الگ نہ کرو، نیز مسکرا کر ملا کرو؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن من فعل ذالک تحاتت ذنوبه . (۱)

یعنی جس نے اس طرح کیا اس کے تمام گناہ مٹا دیے گئے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ جب پیدل چلا جائے تو راستہ کے کنارے کنارے چلا جائے اور سوار درمیان میں چلے؛ لیکن یہ حکم شہر کا ہے، اگر جنگل میں ہوں تو درمیان کا راستہ پیدل چلنے والے کے لیے ہے اور کنارے سوار کے واسطے۔

جوتے پہن کر چلنے والوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ ننگے پاؤں والوں کے واسطے اچھا اور نرم راستہ چھوڑ دے۔ جب کوئی کافر یا عورت سامنے سے آئے تو اپنے لیے درمیان کا راستہ پسند کرے۔ ان سب کے بارے میں احادیث آئی ہیں۔

حضرت سہل ابن ابی صالح اپنے والد کی وساطت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا استقبلکم الیهود والنصاریٰ فی الطریق فاضطروهم إلی أضیقها . (۲)

یعنی جب کبھی یہودی یا عیسائی تمہارے راستے میں آ تا مل جائے تو انھیں تنگ راستے سے جانے پر مجبور کیا کرو۔

حضرت مقداد بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) شعب الایمان بیہقی:۶/۴۷۳ حدیث:۸۷۳۰۔

(۲) مسند ابوالجعد: ۱/۳۹۱ حدیث: ۲۶۷۲...... مسند طیالسی: ۴/۲۴۷احدیث: ۲۵۶۴...... مسند احمد:۱۳/۱۴ حدیث:۷۵۶۷......مسند عبدالرزاق:۶/۱۰/۹۸۳۷۔

ليس للنسآء نصيب في سواء الطريق . (۱)

یعنی عورتوں کا بیچ راستے میں کچھ حصہ نہیں۔

کسی عقل مند کو زیب نہیں دیتا کہ راستے میں ناک صاف کرے یا تھوکے کہ لوگوں کے پاؤں اس سے آلودہ ہوں۔

ایک آدمی کو چاہیے کہ بوڑھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرے۔نوعمر لڑکوں اور بے وقوفوں کی مجلس میں بیٹھنے سے پرہیز کرے؛ کیونکہ اس سے آدمی کا دبدبہ جاتا رہتا ہے،اور چھچھوروں میں گنا جاتا ہے۔

ہاں! جس شخص کی صحبت آخرت کی طرف راغب کرے اور موت کی یاد دلائے اس کی صحبت اِختیار کرنا مستحب ہے۔

دنیاداروں کی صحبت مکروہ ہے؛ یعنی وہ لوگ جو دنیا کے حریص ہیں اور اسی میں کھوئے رہتے ہیں؛ کیونکہ دنیادار آدمی لوگوں کے دل،عیش اور دین کو خراب کردیتا ہے۔

اگر بازار جانے کی ضرورت نہ ہو تو اس میں کم جایا کرو؛ اس لیے کہ بازار میں سرکش شیطان نما انسان ہوتے ہیں یا یہ کہہ لیں کہ بھیڑیے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔جب کوئی شخص بازار میں داخل ہو تو مستحب ہے کہ یہ کہے :

لا إلـه الـلّـه وحـده لاشـريک لـه، لـه الـملک وله الحمد، يـحـيـي ويـمـيـت وهـو حيي لا يموت أبدا ذوالجلال والإکرام بيده الخير وهو على کل شيئ قدير .

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے،اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کی بادشاہی ہے،اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے،

(۱) معجم اوسط طبرانی:۲۲۶/۴...... جامع الاحادیث سیوطی: ۳۰۲/۱۸ حدیث: ۱۹۴۸۱...... کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۳۹۱/۱۶ حدیث:۴۵۰۵۶۔

اور وہ زندہ ہے اس کو فنا نہیں۔ وہ عزت وجلال والا ہے۔ اسی کے دست قدرت میں ہر بھلائی ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مـن قـال ذالک فـي الســوق فـلـه بعدد من فی السوق عشر حسنات . (۱)

یعنی جس نے بازار میں یہ کلمات کہے، اس کے لیے بازاریوں کی تعداد کے مطابق دس دس نیکیاں ہیں۔

باب نمبر 60 : خرید وفروخت کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی اِنسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اُمورِ تجارت میں منہمک ہو اور حال یہ ہو کہ بیع وشرا کے بنیادی احکام اور اس کے جائز و ناجائز کا بھی پتا نہ ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

لا يبيعن في أسواقنا من لم يتفقه فی الدين .

یعنی ہمارے بازاروں میں وہ شخص تجارت نہ کرے جو دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :

مـن اتــجـر قبـل أن يتـفـقـه في الدين فقد ارتطم في الربوا ثم ارتطم ثم ارتطم .

یعنی جو شخص بغیر دین کی سمجھ حاصل کیے تجارت کرے، سمجھو وہ پوری طرح سودی معاملات میں گرفتار ہوا۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ:۱۴/۵۳ حدیث:۳۶۸۴۳ ...... مسند فردوس دیلمی:۳/۵۶۱ حدیث:۵۷۵۹۔

مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

رحم اللّٰہ رجلا سهل البيع وسهل الشراء وسهل القضاء وسهل التقاضي . (۱)

یعنی اللہ رحم کرے اس شخص پر جو بیع وشرا میں، حکم لگانے اور تقاضا کرنے میں نرمی سے کام لے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ رسالت مآب ہے :

من أنظر معسرا أو وضع عنه أظله اللّٰہ تحت ظل عرشه يوم لا ظل إلا ظله . (۲)

یعنی جو شخص مقروض تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کر دے تو اللہ اس کو (قیامت کے دن) اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حضرت محمد بن سیرین کبھی کبھار بازار جایا کرتے تو فرمایا کرتے :

يا أهل السوق سوقكم كاسدة وبيوعكم فاسدة وجيرانكم حاسدة ومأواكم النار الموقدة .

یعنی اے بازار والو! تمہارے بازار کھوٹے ہیں، تمہاری بیع فاسد ہے، تمہارے پڑوسی حاسد ہیں اور جہنم تمہارا ٹھکانا ہے۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب تاجر جاہل ہو، سود کے لین دین سے نہ بچتا ہو۔ ورنہ اگر تاجر تجارت کے مسائل کا علم رکھتا ہو، متقی و پرہیزگار ہو تو وہ جہاد میں ہے؛ کیونکہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے :

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۶/۴۲۴ حدیث: ۵۴۶۴...... مسند ابو یعلی موصلی: ۲۱/۲۱۲ حدیث: ۶۸۳۰۔

(۲) صحیح مسلم: ۴/۲۳۰۲ حدیث: ۳۰۰۶...... سنن ترمذی: ۳/۵۹۹ حدیث: ۱۳۰۶...... سنن دارمی: ۲/۳۳۹ حدیث: ۲۵۸۸...... صحیح ابن حبان: ۱۱/۴۲۳ حدیث: ۵۰۴۴...... مسند شہاب قضاعی: ۱/۲۸۱ حدیث: ۴۵۹۔

كسب الحلال أفضل من الجهاد .

یعنی حلال روزی کمانا جہاد سے افضل ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے :

ان التاجر الصدوق تحت ظل العرش يوم القيٰمة .

یعنی سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوگا۔

جب کسی نے کوئی چیز بیچی پھر وہ نادم ہوکر اقالہ کا طالب ہوا تو دوسرے شخص کو چاہیے کہ اس چیز کو پھیر دے؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من أقال نادما بيعته أقال اللّٰه تعالىٰ عثرته يوم القيٰمة . (۱)

یعنی جو کوئی بیع کا اِقالہ کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کی خطاؤں کا اقالہ فرمادے گا۔یعنی معاف کردے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے ایک اُونی کپڑا خریدا، پھر وہ نادم ہوکر آیا اور اِقالہ کا طلبگار رہوا۔ چنانچہ آپ نے اِقالہ فرمایا، اور اپنے خادم کو فرمایا: اُٹھ اور کپڑے کو اٹھا کر گھر لے جا؛ کیونکہ میری نیت بیع وشرا صرف یہ تھی کہ میں ان لوگوں میں داخل ہوجاؤں جن کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من أقال نادما بيعته أقال اللّٰه عثرته يوم القيٰمة. (۲)

یعنی جو کوئی بیع کا اقالہ کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی خطائیں معاف فرمادے گا۔

---

(۱) صحیح ابن حبان:۱۱/۴۰۴حدیث:۵۰۲۹...... مسند شہاب قضاعی:۱/۲۷۸حدیث: ۴۵۳...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۰/۳۳حدیث:۲۱۴۲۲......مسند بزار:۲/۴۷۷حدیث:۸۹۶۷۔

(۲) صحیح ابن حبان:۱۱/۴۰۴حدیث:۵۰۲۹...... مسند شہاب قضاعی:۱/۲۷۸حدیث: ۴۵۳...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۰/۳۳حدیث:۲۱۴۲۲......مسند بزار:۲/۴۷۷حدیث:۸۹۶۷۔

اوراب میں اس ارشادِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہوگیا ہوں۔

جب آپ بازار سے کوئی چیز خریدیں اور بیچنے والا کہے کہ 'چکھ کر دیکھ لیجئے' تو آپ کو اسے کھانا نہ چاہیے؛ اس لیے کہ اُس نے کھانے کی اجازت اس لیے دی ہے کہ آپ اس کا سودا خرید لیں۔ اور اگر بالفرض آپ اسے نہ لیں تو یہ کھانا شبہہ سے خالی نہ ہوگا۔ ہاں! اگر اس نے اس میں کوئی خوبی بتائی اور آپ نے اس کو خرید لیا پھر وہ خوبی اس میں نہ پائی گئی تو آپ کو پھیرنے کا (یعنی واپس کرنے کا) اِختیار ہے۔

تاجر کو سودا بیچنے کے لیے قسم کھانا مکروہ ہے، اور سودے کے دکھاتے وقت درود پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً یوں کہے :

صلى الله عليه وسلم ما أجود هذا .

یعنی اللہ کی رحمت ہو نبی اکرم ﷺ پر، کیا ہی اچھا سودا ہے یہ!۔

تاجر کے لیے یہ بات درجہ استحباب میں ہے کہ اس کی تجارت اسے فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ کرے۔ جب نماز کا وقت آئے تجارت چھوڑ دے اور ان لوگوں میں داخل ہو جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے :

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكوٰةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ، لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ...o (سورۂ نور: ۲۴/۳۷ تا ۳۸)

یہ وہ مردانِ خدا ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان (نیک) اعمال کا بہتر بدلہ دے جو انہوں نے

کیے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور (بھی) زیادہ (عطا) فرمادے۔

اہل علم نے اس کی مختلف تفسیر فرمائی ہے۔ بعضوں کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تجارت چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو گئے جیسے اصحاب صفہ۔ اور بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تجارت کرتے ہیں اور ان کی تجارت انھیں نماز اور ذکر اللہ سے نہیں روکتی اور وہ نماز کو اس کے وقت میں اَدا کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں :

کانوا یتجرون ولا تلھیھم تجارة عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوٰة .

یعنی صحابہ کرام تجارت کرتے تھے اور ان کی تجارت ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے نہ روکتی تھی۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گویا اس آیت میں دونوں فریق داخل ہیں اور یہ آیت دونوں معنوں کا اِحتمال رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

باب نمبر 61 : حکام کی اطاعت کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حاکم کی اطاعت رعیت پر واجب ہے جب تک وہ گناہ پر مجبور نہ کرے، اور جب وہ گناہ پر مجبور کرے تو اس کی اطاعت جائز نہیں۔ اور حاکم کے خلاف خروج جائز نہیں، سوائے لڑائی میں۔ ہاں! اگر وہ رعایا پر ظلم کرے، اور وہ اس کے ظلم سے بچنے کے لیے لڑیں تو جائز ہے۔

ہم نے حاکم کی اِطاعت کو اس لیے واجب کہا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے :

اَطِیْعُوْ ا اللّٰـہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ o (سورۂ نور:۴/۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اسمعوا وأطيعوا أولى الامر و لو استعمل عليكم عبد حبشي . (۱)

یعنی سنو اور اطاعت کرو اپنے حاکم کی؛ اگر چہ وہ حبشی غلام ہی ہو۔

حضرابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من رآی من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه ليس أحد يغارق الجماعة شبرًا فيموت إلامات ميتة جاهلية . (۲)

یعنی جو کوئی اپنے حاکم میں بری بات دیکھے تو صبر کرے؛ اس لیے کہ جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہو کر مرے گا تو اس کی موت زمانۂ جاہلیت کی موت کے مثل ہوگی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ جب یزید کے حاکم بننے کی خبر انھیں پہنچی تو فرمایا :

إن كان خيرا فرضينا وإن كان شرا فصبرنا .

یعنی اگر وہ بھلا ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر وہ برا ہے تو ہم صبر کریں گے۔

بعض صحابۂ کرام نے فرمایا: جب حاکم انصاف کریں تو رعایا پر اس کا شکر واجب ہے اور ثواب حاکموں کے لیے ہے۔ اور اگر رعایا پر ظلم کریں تو رعایا پر صبر لازم ہے اور

---

(۱) صحیح بخاری:۶۲/۹ حدیث:۷۱۴۲...... مسند بزار:۳۵۲/۲ حدیث:۷۳۷۴...... مسند عبد بن حمید:۴۵۰/۱ حدیث:۱۵۶۰...... سنن کبریٰ بیہقی:۱۵۵/۸ حدیث:۱۷۰۴۹۔

(۲) صحیح بخاری:۴۷/۹ حدیث:۷۰۵۴...... صحیح مسلم:۱۴۷۷/۳ حدیث:۱۸۴۹...... مسند ابوعوانہ:۴۲۳/۴ حدیث:۷۱۷۸...... مسند ابویعلی موصلی:۲۳۴/۴ حدیث:۲۳۴۷۔

گناہوں کا بوجھ حاکموں کی گردن پر ہے۔

جب حاکم گناہ پر مجبور کرے تو اس کی اطاعت جائز نہیں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق . (۱)

یعنی مخلوق کی اِطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں۔

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب أو كره مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة . (۲)

یعنی ہر امر میں حاکم کی تابعداری ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ امر اس کو اچھا معلوم ہو یا برا لگے جب تک وہ حاکم گناہ کا امر نہ کرے۔اور جب وہ گناہ کرا مر کرے تو اس کی تابعداری جائز نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر کو کہیں بھیجا اور ان پر ایک شخص کو حاکم بنایا۔ایک دن وہ حاکم اپنے لشکر پر غصہ ہوا اور آگ روشن کرائی اور پھر لشکر کو کہا کہ اس میں داخل ہو۔بعض نے داخل ہونے کا ارادہ کیا اور بعض نے یہ کہا کہ ہم تو ہرگز نہ داخل ہوں گے،اور آگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا :

لو دخلوها ما خرجوا منها أبدا لا طاعة فى المعصية إنما الطاعة فى المعروف .

---

(۱) سنن ترمذی، ترجمۃ الباب:۲۰۹/۴......مسند بزار:۳۵۷/۵ حدیث:۳۵۷/۵......مسند شہاب قضاعی: ۵۵/۲ حدیث:۸۷۳۔

(۲) صحیح بخاری:۵۲/۲۲ حدیث: ۶۶۱۱ ......سنن ابوداؤد:۲۱۱/۷ حدیث: ۲۲۵۷......سنن ترمذی:۳۰۰/۶ حدیث:۱۶۲۹......مسند احمد:۴۷۵/۹ حدیث:۴۴۳۹......مستخرج ابوعوانہ:۱۱۸/۱۴ حدیث:۵۷۴۲۔

یعنی اگر اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی نہ نکلتے۔ گناہ کے کام میں اطاعت نہیں، اطاعت تو فقط امر معروف میں ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

إن اللّٰه تعالىٰ ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر .

یعنی اللہ اس دین کی تائید فاسق وفاجر سے بھی کروالیتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

ليبعثن اللّٰه عليكم أمراء يعذبونكم ويعذبهم اللّٰه تعالىٰ في النار يوم القيامة .

یعنی اللہ تم پر ایسے حاکم مقرر کرے گا کہ تم کو تکلیف دیں گے۔ اور اللہ ان کو قیامت کے دن آگ میں ڈال کر عذاب کا مزا چکھائے گا۔

حضرت موسیٰ بن عبیدہ حضرت ایوب بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

سيكون عليكم بعدي أمراء يعملون بما تنكرون ويأمرونكم بما لاتعلمون فأولئک لا طاعة لهم . (۲)

یعنی میرے زمانہ کے کچھ عرصہ بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے کہ ایسا عمل کریں گے جو تم کو برا لگے اور تم کو اس بات کا حکم کریں گے جسے تم جانتے نہ ہو گے؛ لہٰذا ایسے حاکموں کی اطاعت نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری:۱۳/۲۳۷ حدیث: ۳۹۹۵...... صحیح مسلم:۹/۳۷۲ حدیث:۳۴۲۵......مسند احمد بن حنبل:۲/۴۷۵ حدیث: ۹۶۹...... مصنف ابن ابی شیبہ:۷/۳۶۷ حدیث: ۱۹۲...... دلائل النبوۃ بیہقی:۴/۴۱۳ حدیث:۱۶۵۲......مسند ابویعلی موصلی:۱/۳۶۶ حدیث:۳۶۲۔

(۲) مسند طیالسی:۳/۲۳۱ حدیث:۱۱۴۷......مسند شامیین :۵/۳۹۳ حدیث:۱۷۴۲......الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم:۶/۱۴ حدیث:۱۸۲۰۔

حضرت زید بن عدی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں پہنچنے والی تکلیفیں بیان کی۔ جسے سن کرانھوں نے فرمایا :

اصبروا فإنه لا يأتي عليكم زمان إلا والذي بعده شر منه.(۱)

یعنی صبر کرو؛ اس لیے کہ اگلا زمانہ اس سے بھی بدترین ہے۔

اور یہ بات میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سنی ہے۔

باب نمبر 62 : حاکموں سے تحفہ یا وظیفہ لینا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بادشاہ سے تحفہ یا وظیفہ لینے میں علما کا اِختلاف ہے۔ بعض نے جائز کہا ہے، اور بعض نے ناجائز۔

قائلین جواز کی دلیل یہ ہے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

إن السلطان يصيب من الحلال والحرام فما أعطاک فخذه فإنما يعطيک من الحلال .

یعنی بادشاہ کے پاس حلال وحرام دونوں قسم کے مال پہنچتے ہیں، سو جو مال وہ تمھیں دے اسے لے لیا کرو؛ کیونکہ وہ حلال مال میں سے دیتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من أعطي شيئاً من غير مسألة فليأخذه فإنما هو رزق رزقه اللّٰه .

(۱) صحیح بخاری: ۲۱/۴۵۷ حدیث: ۶۵۴۱ ...... سنن ترمذی: ۱۳۵/۸ حدیث: ۲۱۳۲ ...... مسند احمد بن حنبل: ۲۴/۴۴۳ حدیث: ۱۱۸۹۷ ...... معجم صغیر طبرانی: ۱۳۱/۲ حدیث: ۵۲۹۔

یعنی کسی کو کوئی چیز بن مانگے مل جائے تو اسے لے لینا چاہیے؛ کیوں کہ یہ اللہ کا اس کی طرف بھیجا ہوا رزق ہے۔(۱)

حضرت اعمش بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ اُمرا و حکما سے کچھ لینے کو برا نہ جانتے تھے۔

حضرت حبیب بن ابو ثابت کہتے ہیں کہ 'میں نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت میں مختار بن عبید کے تحفے آتے دیکھے ہیں اور یہ حضرات انہیں قبول کیا کرتے تھے'۔

حضرت حسن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی اُمرا کے تحائف قبول فرماتے تھے۔

امام محمد' امام ابوحنیفہ کی وساطت سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے اُستاد حضرت حماد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی زہیر بن عبداللہ ازدی کے پاس گئے - جو کہ حلوان کا عامل تھا - اور اس سے وہ اور ذر ہمدانی اپنے وظیفہ کو طلب کرتے تھے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل اسی پر ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مال خالص حرام کا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔

ناجائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ کسی امیر نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کچھ مال بھیجا۔ تو آپ نے پوچھا: 'کیا سب مسلمانوں کے پاس اِتنا اِتنا مال بھیجا گیا ہے؟' اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر اسے لے جاؤ۔ اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِلشَّوٰى ؀ (سورۂ معارج:۷۰/۱۵،۱۶)

(۱) مستدرک علی صحیحین حاکم: ۵/۳/۴۷ حدیث: ۲۳۲۴......مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۳۱......موطا امام مالک: ۶/۱۵۷ حدیث: ۱۵۸۷۔

ایسا ہرگز نہ ہوگا، بے شک وہ شعلہ زن آگ ہے۔ سر اور تمام اعضاے
بدن کی کھال اُتار دینے والی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، اور وہ مسجد کی دیوار پر پڑے سوتے تھے۔ آپ نے اپنے غلام سے کہا: یہ دینار لو اور یہاں بیٹھ جاؤ جب یہ شخص بیدار ہو تو یہ دینار اسے دے دینا۔ اگر یہ لے لیں تو تو آزاد ہے۔

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو اس نے وہ دینار پیش کیے۔ آپ نے لینے سے انکار کیا۔ اس غلام نے کہا: قبول کر لیجیے؛ کیونکہ یہ میرے لیے آزادی ہے۔ آپ نے فرمایا: 'میں نہیں لوں گا؛ کیونکہ اس میں میری غلامی ہے'۔

حضرت ابووائل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

درهم من تجارة أحب إلي من عشرة من عطاء .

یعنی میرے نزدیک تجارت کے ذریعے کمایا گیا ایک درہم کسی امیر کے عطا
کیے ہوئے دس درہموں سے بہتر ہے۔

حضرت عبدالمنعم بن ادریس اپنے والد کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا: ایک شخص حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے ابودردا! فلاں شخص نے مجھ کو برا بھلا کہا اور مجھ پر ظلم کیا۔

آپ نے فرمایا: اگر تو سچا ہے تو تھوڑا زمانہ گزرنے دے اللہ اس کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ وہ شخص کسی ظالم امیر کے پاس گیا، اور اس امیر نے اسے دس ہزار درہم دیے۔

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ نے اس فریادی کو بلایا اور فرمایا: اے میرے بھائی! تو سچا ہے، اللہ نے اس کو سخت عذاب میں گرفتار کیا ہے۔ اس نے کہا: اے ابودردا! کیا آپ

انعام کو عذاب شمار کرتے ہیں؟۔

فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اس کی پشت پر دس ہزار کوڑے پڑتے تو مجھے اس کے اچھا ہونے کی زیادہ اُمید تھی بہ نسبت اِن دس ہزار درہموں کے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِنعام، وظیفہ یا تحفہ کے قبول کرنے کے دو حکم ہیں: اگر اکثر مال امیر کا رشوت اور ناحق ہو تو قبول کرنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر یہ جانے کہ یہ مال خالص حلال کا ہے تو پھر جائز ہے۔ یوں ہی اگر اکثر مال حلال کا ہے، میراث میں ملا ہے یا تجارت کے ذریعے حاصل ہوا ہے تو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ جو مال خاص بھیجا ہے وہ حرام ہے یا اس میں شبہہ ہے؛ تاہم قبول نہ کرنا دونوں صورتوں میں افضل ہے۔

باب نمبر 63 : دوسروں کے گھر میں جھانکنے کی ممانعت

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کو کسی کے گھر میں جھانکنا جائز نہیں، اور جھانکنے والا گناہ گار ہوگا۔ اگر جھانکا اور صاحب خانہ نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ صاحب خانہ پر کچھ نہیں، جبکہ بعض نے کہا کہ اس پر دیت ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

صاحب خانہ کو بری سمجھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن شہاب؛ سہل بن سعد الساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں جھانکا، اور آپ کے ہاتھ میں خار پشت تھا جس سے آپ سر مبارک کھجا رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا :

لـو علمت أنک تنظرني لطعنتک بها في عينک إنما جعل

الإذن من أجل النظر . (١)

یعنی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے جھانکے گا تو میں تیری آنکھ میں اس خار پشت سے کوچا مار دیتا، اجازت تو دیکھنے ہی کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

حضرت ابو الزناد بواسطۂ اعرج' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا :

لو أن امرأ اطلع علیک بغیر إذن فحذفته بحصاة ففقأت عینه لم یکن علیک جناح . (٢)

یعنی اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو کنکر سے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔

قائلین دیت کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہے :

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ o

(سورۂ بقرہ:٢/١٩٤)

پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو؛ مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی۔

اور دوسری آیت میں فرمایا :

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ o (سورۂ نحل:١٦/١٢٦)

اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس قدر تکلیف تمہیں دی گئی تھی۔

لہٰذا حدیث' کتاب اللہ کے مخالف ہے، اور حدیث جب کتاب اللہ کی مخالف ہو تو

---

(١) صحیح ابن حبان: ٢٥/٤٥ حدیث: ٦١٠٧ ...... معجم کبیر طبرانی: ٥/٤٧٣ حدیث: ٥٥٤١ ...... سنن دارمی: ٧/ ٢٥٩ حدیث: ٢٤٣٩ ...... کنز العمال: ٩/١١١ حدیث: ٢٥٢٣٤۔

(٢) صحیح بخاری: ٢١/٢١١ حدیث ٦٣٩٣ ...... صحیح مسلم: ١١/١١٦ حدیث: ٤٠١٧ ...... سنن نسائی: ١٥/٢٢ حدیث: ٤٧٧٨ ...... مصنف عبد الرزاق: ٩/٤١٥ حدیث: ١٧٨٣٧۔

اس کے ظاہری معنی سے ہٹ کر اس کی تاویل کی جاتی ہے، اور وہ قابل عمل نہیں ہوتی۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو، اور مذکورہ آیت سے قبل کی ہو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث سے ڈرانا دھمکانا مقصود ہو نہ کہ وجوب کے لیے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایسی بات فرمایا کرتے تھے جس کے ظاہری معنی اور ہوتے تھے جبکہ آپ کی مراد کچھ اور ہوتی تھی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ عباس بن مرداس السلمی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں قصیدہ پڑھا تو آپ نے حضرت بلال بن رباح سے فرمایا :

قم فاقطع لسانه . (۱)

یعنی اٹھو اور اس کی زبان کاٹ دو۔

جس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کو کچھ دے دو، حقیقی معنی مراد نہ تھے؛ تو اسی طرح یہاں اس حدیث کو بھی سمجھنا چاہیے کہ آنکھ پھوڑنے سے آپ کی مراد یہ ہو کہ اس کے ساتھ ایسا کام کرنا چاہیے کہ پھر وہ کبھی جھانکنے کا نہ سوچے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب نمبر 64 : تہمت کی جگہ سے بچنے کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو محل تہمت بنائے اور تہمت لگے ہوئے لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھے، اور اُن سے کوئی ربط ضبط نہ رکھے؛ کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو یہ بھی متہم ہوگا اور اللہ جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے :

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ، اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ o (سورۂ نساء:۴/۱۴۰)

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۰/۵۱۷ حدیث:۳۰۱۸۶۔

...جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ (انکار اور تمسخر کو چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں؛ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من تشبه بقوم فهو منهم . (۱)

یعنی جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

حکیم لقمان فرما گئے ہیں :

من يصحب صاحب السوء لم يسلم، ومن يدخل السوء يتهم، ومن لا يملك لسانه ندم .

یعنی جو بری صحبت میں بیٹھے گا وہ سالم نہ رہے گا۔ جو بری جگہ جائے گا وہ متہم ہوگا، اور جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھے گا وہ نادم ہوگا۔

اور اسی طرح کے الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہیں۔

حضرت ابن شہاب حضرت علی بن حسن رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی چچی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ پھر جب وہ وہاں سے گھر کو لوٹیں تو آپ ان کو پہنچانے آئے۔ راستہ میں دو انصاری جاتے ہوئے ملے، تو آپ نے فرمایا :

إنما هي عمتي صفية .

یعنی یہ میری چچی صفیہ ہیں۔

یہ سن کر انہوں نے عرض کی سبحان اللہ! (آپ نے کیا خیال فرما لیا!)

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۱/۴۸ حدیث: ۳۵۱۲...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۶۳۹ حدیث: ۷۹...... مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۵۴ حدیث: ۲۰۹۸۶...... مسند شہاب قضاعی: ۲/۱۴۱ حدیث: ۳۷۲۔

آپ نے ارشاد فرمایا :

إن الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم، ولقد خشیت أن تظنا فتهلکا .

یعنی شیطان آدمی کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر تم (میری بابت) کسی بدگمانی میں مبتلا ہو گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الأخر لایقفن مواقف التهمات .

یعنی جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ تہمت کی جگہوں پر کھڑا نہ ہوا کرے۔

باب نمبر 65 : ہر کام میں نرمی برتنی چاہیے

فقیہ ابواللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر کام میں نرمی برتیں اور بغیر ذلت کے تواضع اِختیار کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما دخل الرفق في شيئ إلا زانه وما دخل الخرق في شيئ إلاشانه . (۱)

یعنی جس چیز میں نرمی داخل ہو وہ اسے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز میں سختی داخل ہو وہ اسے عیب دار کر دیتی ہے۔

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

(۱) صحیح مسلم:۱۲/۴۸۷ حدیث: ۴۶۹۸......سنن ابوداؤد:۶/۴۷۸ حدیث:۲۱۱۹......سنن ترمذی:۷/۲۴۲ حدیث:۱۸۹۷......سنن ابن ماجہ:۱۲/۲۲۳ حدیث:۴۱۷۵۔

لو نظر الناس إلى خلق الرفق لم يروا مخلوقا أحسن منه ولو نظروا إلى خلق الخرق لم يروا مخلوقا أقبح منه . (۱)

یعنی اگر انسان نرمی کی تخلیق پر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ نرمی سے اچھی کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی گئی۔ یوں ہی اگر سختی کی تخلیق پر نگاہ کرے تو اسے پتا چلے گا کہ سختی سے بری کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت عروہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھر میں آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا: اسے آنے دو، گرچہ یہ بہت اچھا رشتہ دار نہیں ہے۔

پھر جب وہ اندر آ گیا تو آپ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے گفتگو کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے پہلے تو اس کے حق میں وہ کچھ فرمایا پھر ملائمت سے گفتگو کی، اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا :

إن شر الناس منزلة يوم القيمة من أكرمه الناس اتقاء فحشه. (۲)

یعنی سب سے برا قیامت کے روز وہ شخص ہوگا جس کی برائی کے خوف سے لوگ اُس کی تعظیم کریں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ 'ہم بہت لوگوں کے سامنے دانت نکالتے ہیں (یعنی مسکرا کر ملتے ہیں) حالاں کہ ہمارے دل ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں'۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

طوبى لمن تواضع في غير منفعة وأنفق مالا جمعه في غير معصية، ورحم أهل الذل والمسكنة، وخالط أهل الفقه والحكمة .

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۲۶۸/۲۳ حدیث: ۲۶۰۰۵ ...... کنز العمال: ۴۸/۳ حدیث: ۵۴۲۴۔

(۲) صحیح بخاری: ۴۸۹/۱۸ حدیث: ۵۵۹۴ ...... صحیح مسلم: ۴۸۱/۱۲ حدیث: ۴۶۹۳ ...... سنن ترمذی: ۲۷۵/۷ حدیث: ۱۹۱۹ ...... مسند حمیدی: ۱۶۷/۱ حدیث: ۲۶۴۔

یعنی خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو کسی فائدہ کی اُمید رکھے بغیر تواضع وانکسار کرے، اور حلال مال کو نیک راہ میں خرچ کرے، اور مسکین اور ذلیل پر رحم کرے اور علم وحکمت والوں سے میل جول رکھے۔(۱)

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد کی وساطت سے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جھگڑے کا ایک مقدمہ لے کر آیا اور وہ دوسرے شخص سے جھگڑتا جاتا تھا ساتھ ہی کہتا تھا: 'حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل' (مجھے اللہ کافی ہے اور وہی بہتر وکیل ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰـه تعالیٰ یلوم عبده علی العجز فأبلغ بنفسک عذرها في حجتها ثم قل حسبی اللّٰه ونعم الوکیل . (۲)

یعنی اللہ اس بندے کو اچھا نہیں سمجھتا جو خواہ مخواہ اپنے آپ کو عاجز بنا دے؛ لہٰذا جو کچھ تجھے عذر ہے اس کو بیان کر، اور پھر حسبی اللہ ونعم الوکیل کہہ۔

حضرت حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا :

یابنی لا تکن مرًّا فتلفظ ولا تکن حلوا فتبتلع .

یعنی اے میرے بیٹے! نہ اتنا کڑوا بن کہ کوئی تجھے تھوک دے، اور نہ اتنا میٹھا بن کہ لوگ تجھے نگل جائیں۔

حضرت ابراہیم نخعی نے اللہ کے اس قول: **وَالّـذِیْـنَ اِذَا اَصَـابَهُـمُ الْبَغْـیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ o** (اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں۔) کی تفسیر میں فرمایا :

---

(۱) الآحاد والمثانی :۵/۸ ۷حدیث: ۲۴۵۵......کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۵/ ۷ ۹۱حدیث: ۴۳۵۸۲......مسند شہاب قضاعی:۲/ ۲۶۷ ۴حدیث:۵۸۰......مسند شامیین:۳/ ۲۴۵حدیث:۸۸۵۔

(۲) سنن ابوداوٗد:۳/ ۳۴۸حدیث: ۳۶۲۹......مسند احمد بن حنبل:۳۹/ ۴۰۸ حدیث: ۲۳۹۸۳......سنن نسائی:۶/ ۱۶۰حدیث:۱۰۳۸۷......جامع الاصول فی احادیث الرسول:۱۰/ ۱۷۵ حدیث:۷۶۷۰۔

'وہ اہل ایمان کے لیے اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنی عزتِ نفس کو مجروح کرے'۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی عورت نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں میں سے بعض میری اہانت کرتے ہیں اور بعض اکرام کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا :

أهني من أهانک و أكرمي من أكرمک .

یعنی جو تیری اہانت کرتے ہیں تو ان کی اہانت کر،اور جو تیری عزت کرتے ہیں تو ان کی عزت کر۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو جواباً اِرشاد فرمایا وہی انصاف اور قرین عدل ہے؛ مگر جو فضیلت اختیار کرے اور برے کے ساتھ بھلائی کرے تو یہ بات افضل ہے؛اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ o

(سورۂ شوریٰ:۴۲/۴۰)

اور برائی کا بدلہ اسی برائی کی مثل ہوتا ہے، پھر جس نے معاف کر دیا اور (معافی کے ذریعہ) اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

مشہور ہے کہ تین خصلتیں جنتی لوگوں کے اخلاق سے ہیں جو کسی کریم النفس کے سوا دیگر میں نہیں پائی جاتیں۔

۱) برائی کرنے والے پر احسان کرنا۔

۲) جو ظلم کرے اس کو معاف کرنا۔

۳) جو محروم کرے اس پر خرچ کرنا۔

اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے :

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ o (سورۂ

اعراف:۷/۱۹۹)

(اے حبیبِ مکرم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

حضرت علی بن زید حضرت سعید بن میسّب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

رأس العقل بعد الإيمان باللّٰه مداراة الناس، وأهل المعروف في الدنيا هم أهل المعروف في الأخرة، ولن يهلك امرؤ بعد المشورة لقوله تعالىٰ: 'وشاورهم في الامر' o (سورۂ آل عمران:۳/۱۵۹)

یعنی اللہ پر ایمان لانے کے بعد عقل لگتی بات یہ ہے کہ لوگوں سے مدارت پیش آیا جائے۔ جو دنیا میں اہل معروف ہیں وہی آخرت میں اہل معروف ہیں، اور مشورہ کے بعد کوئی شخص نقصان نہیں اٹھاتا؛ کیوں کہ اللہ کا قول اس پر شاہد ہے: 'اور (اہم) کاموں میں اُن سے مشورہ کیا کریں'۔(۱)

باب نمبر 66 : عصا رکھنے کی فضیلت

حضرت میمون بن مہران حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں :

إمساک العصا سنة الأنبياء وعلامة المؤمن .

یعنی عصا رکھنا انبیاے کرام علیہم السلام کی سنت اور اہل ایمان کی پہچان ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصا میں چھ خوبیاں پائی جاتی ہیں :

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۳/۴۰۷ حدیث:۷۱۷۱۔

سنة الأنبياء، وعلامة المومن، وزينة الصلحاء، وسلاح على الأعداء -يعني الكلب والحية وغيرهما- وعون الضعفاء، ورغم المنافقين، وزيادة في الطاعات .

یعنی یہ انبیا کی سنت ہے۔ مردِ مومن کی علامت ہے۔ نیک لوگوں کی زینت ہے۔دشمنوں یعنی کتے اور سانپ وغیرہ سے بچنے کے لیے ہتھیار ہے۔ضعیفوں کا مددگار ہے۔منافقوں کے لیے جھڑکی ہے۔اور طاعت ونیکی میں اضافہ (کرنے کا باعث) ہے۔

منقول ہے کہ جب مؤمن کے ہاتھ میں عصا ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور منافق وفاجر اس سے خوف کھاتا ہے۔ نیز جب وہ نماز پڑھتا ہے تو سترہ بن جاتا ہے اور جب وہ تھک جاتا ہے تو اس سے سہارا لیتا ہے۔علاوہ بریں عصا کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے :

هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى o (سورۂ طٰہٰ:۱۸/۲۰)

یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے کئی اور فائدے بھی ہیں۔

بعض عرفا نے بیان کیا ہے کہ عصا کے اندر ہزار قسم کے فوائد مضمر ہیں۔

باب نمبر 67 : مؤمن کو دنیا کم ملتی ہے

حضرت اَمیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کرتے تھے :

أما أبوبكر فلم يرد الدنيا ولم ترده، وأما عمر فقد أرادته ولم يردها، وأما عثمان فقد نال منها ونالت منه، وأما علي

فكان يرجو منها أحيانا ويتركها أحيانا،و أما نحن فقد تمرغنا فيها ظهراً لبطن فلا ندرى إلى ما يصير الأمر .

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دنیا کی خواہش نہیں کی اور نہ دنیا نے اُن کی خواہش کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کی خواہش نہیں کی؛ مگر دنیا نے اُن کی خواہش کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دنیا سے کچھ لیا اور دنیا نے اُن سے کچھ لیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی کبھی دنیا کی آرزو کرتے تھے اور کبھی اس سے بالکل ترکِ تعلق کر لیتے تھے؛ لیکن ہم تو سراپا دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور کچھ پتا نہیں انجامِ کار کیا ہوگا۔

حضرت زید بن ارقم نے فرماتے ہیں کہ 'ہم حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے پانی طلب کیا۔ لوگوں نے شہد کا شربت پیش کیا۔ جب اس کو منہ کے قریب لے گئے تو رو پڑے۔ دیکھا دیکھی ہم بھی رونے لگے۔ کچھ دیر بعد ہم تو چپ ہو گئے مگر وہ نہ چپ ہوئے۔ پھر جب انھوں نے آنکھیں پونچھیں اور ہم نے عرض کی :

اے خلیفہ رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو اس قدر رلایا؟۔

فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو اپنی طرف سے ہٹاتے ہیں اور ظاہر میں وہاں کوئی شے نہ تھی۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ کسی چیز کو ہٹاتے ہیں حالانکہ یہاں کوئی چیز نہیں۔ فرمایا :

هذه الدنيا تمثلت لى، فقلت لها إليک عنى فتنحت، فقالت أما إنک إن تفلت عنى فلا يفلت عنى من بعدک. (۱)

یعنی یہ دنیا مشکل صورت میں میرے سامنے آئی، میں نے کہا: دور ہو، تو وہ

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۳۴۵/۲۴ حدیث: ۲۷۲۸۶......کنز العمال: ۱۸۴/۷ حدیث: ۱۸۵۹۷۔

دور ہوگئی، پھر اس نے کہا: اگرچہ آپ میرے فریب میں نہ آئیں گے؛ مگر جو لوگ آپ کے بعد ہوں گے وہ مجھ سے بچ نہ پائیں گے۔

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم علیہ السلام کے اُسی فرمان کے حیا میں) میں ڈرا کہ کہیں دنیا مجھے نہ آدبوچے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے برتن اپنے ہاتھ سے نیچے رکھ دیا اور وہ شربت نہ پیا'۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کو دنیا کی حلال چیز مل جائے تو اس کے لینے میں کچھ حرج نہیں؛ مگر پھر بھی نہ لینا بہتر ہے کہ یہ اس کی آخرت کے لیے زیادہ نفع رساں ہوگا؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے :

حلالها حساب وحرامها عذاب . (۱)

یعنی اُس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

من أصاب شيئا من الدنيا نقص من آخرته وإن كان كريماً على الله، نعوذ بالله من مكر الله .

یعنی جس کسی کو دنیا میں سے کچھ حصہ پہنچا تو آخرت میں اس کا اتنا ہی حصہ کم ہوگیا اگرچہ وہ اللہ کے ہاں مقبول ہو۔ ہم اللہ کی خفیہ تدابیر سے اللہ ہی کی پناہ چاہتے ہیں۔

باب نمبر 68 : قیامت کی نشانیاں

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت وکیع اپنی سند سے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال: ۳/۴۳۷ حدیث: ۶۳۲۸ ...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱۳/۲۰۴ حدیث: ۱۲۹۳۵ ......مسند فردوس، دیلمی: ۳/۵۸۵ حدیث: ۵۸۳۰۔

کھڑکی سے جھانکا اور ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا :

لا تقوم الساعة حتی تکون عشر آیات قبلها: طلوع الشمس من مغربها، والدجال، والدخان، و دابة الأرض، ویاجوج وماجوج، وخروج عیسی علیه السَّلام، وثلث خسوف: خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرة العرب، ونار تخرج من قعر عدن تسوق الناس إلی المحشر تبیت معهم إذا باتوا وتقیل معهم إذا قالوا . (۱)

یعنی قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں:

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دجال کا پیدا ہونا۔ دھویں کا نکلنا۔ دابۃ الارض (زمین سے جانور) کا نکلنا۔ یاجوج وماجوج کا نکلنا۔ حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نزول فرمانا۔ اور زمین تین جگہ سے دھنس جائے گی: ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرۃ العرب میں۔ نیز ایک آگ عدن سے نکلے گی اور تمام مخلوق کو محشر کی طرف ہانک لے جائے گی اس کے ساتھ وہ آگ رات کرے گی جہاں وہ ٹھہریں گے، اور دوپہر کو ان کے ساتھ ہوگی جب وہ قیلولہ کریں گے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب کبھی دجال کا ذکر کیا جاتا تو آپ فرماتے :

إنما أمره لا یخفی علیکم إن اللّٰه تعالیٰ لیس بأعور وإن المسیح الدجال أعور العین الیمین کأن عینه طافئة کالعنبة .

---

(۱) صحیح مسلم:۱۴/۹۵حدیث: ۵۱۶۳......سنن ابن ماجہ:۱۲/۵۰حدیث:۴۰۳۱......۱۲/۵۰ حدیث: ۴۰۳۱ ......مستدرک حاکم:۱۹/۱۹۴حدیث:۸۴۳۵......مسند شامیین:۳/۱۸۲حدیث:۸۳۸۔

(۲) صحیح بخاری:۲۲/۲۱۳حدیث: ۶۸۵۸ ......صحیح مسلم:۱/۳۹۹حدیث: ۲۴۷......مسند احمد بن حنبل:۱۰/۲۴۶حدیث:۴۷۱۰......مصنف ابن ابی شیبہ:۸/۶۴۶......اخبار مکہ فاکہی:۵/۱۲۷حدیث:۱۸۵۱۔

یعنی دجال کا حال تم پر پوشیدہ نہ رہے گا؛ کیونکہ اللہ کانا نہیں، اور بے شک مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اُس کی دائیں آنکھ ایسی ہوگی جیسے ابھرا ہوا انگور۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما بعث اللّٰه تعالیٰ من نبي إلا أنذر قومه بالأعور الكذاب إنه أعور وإن ربكم ليس بأعور مكتوب بين عينيه كافر . (۱)

یعنی اللہ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں کیا جس نے اپنی قوم کو کانے کذاب (دجال) سے نہ ڈرایا ہو؛ لہٰذا سن لو کہ وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں۔ نیز اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان 'کافر' لکھا ہوگا۔

صاحب سرّ رسول حضرت سیدنا حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن مع الدجال ماء ونارا، فماء ه نار وناره ماء . (۲)

یعنی بے شک دجال کے ساتھ آگ اور پانی ہوں گے، اور (درحقیقت) اس کی آگ پانی ہوگی اور پانی آگ ہوگا۔

حضرت فاطمہ بنت قیس روایت کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشا کی نماز میں تاخیر کی پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا :

إنما حبسني حديث كان يحدثني به تميم الداري أن ابن عم لـه ركب البحر فوقع في جزيرة من جزائر البحر فإذا هو بقصر

(۱) صحیح بخاری:۲۲/۴۱۴ حدیث: ۶۸۵۹ ...... مسند احمد بن حنبل:۲۴/۱۱۲ حدیث:۱۱۵۶۶......مسند ابویعلی موصلی:۷/۵۳ حدیث:۲۹۴۰......مسند طیالسی:۳/۲۸۴ حدیث:۱۱۸۹۔

(۲) صحیح بخاری:۱۱/۲۶۹ حدیث:۳۱۹۴......صحیح مسلم:۱۴/۱۶۵ حدیث:۵۲۲۶......معجم کبیر طبرانی:۱۲/۱۸۶ حدیث:۱۴۰۶۶......شعب الایمان بیہقی:۱۵/۱۹۴ حدیث:۶۸۹۸۔

فيه رجل يجر شعره مسلسل بالأغلال فقال له من أنت؟ فقال أنا الـدجال أما خرج الرسول الأمي بعد ؟ قال نعم، قال فأطاعوه أم عصوه؟ قال بل أطاعوه. قال ذلک شر لي خير لهم . (۱)

یعنی ایک بات کی وجہ سے مجھے تاخیر ہوگئی اور وہ بات یہ ہے کہ تمیم داری نے مجھ سے بتایا کہ میرا چچازاد بھائی سمندر کے ایک سفر پر تھا، اچانک اس کا جہاز طوفان میں آکر کسی جزیرہ کے کنارے آلگا، اور لوگ وہاں اُتر پڑے۔ میں نے وہاں ایک بڑا مکان دیکھا اس میں ایک شخص لمبے بالوں والا زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں دجال ہوں۔ پھر دجال نے پوچھا: نبی اُمی ابھی مبعوث ہوئے یا نہیں؟ میں نے کہا: ہاں وہ مبعوث ہوگئے ہیں۔ اس نے پوچھا، لوگوں نے ان کی اطاعت کی یا نافرمانی؟ میں نے کہا: اطاعت کی۔ اس نے کہا، یہ بات میرے لیے بری مگر ان کے حق میں اچھی ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم نے دجال کے بارے میں باہم اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا کہ وہ اب تک قید ہے، اور اخیر زمانہ میں نکلے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اب تک پیدا ہی نہیں ہوا اور اخیر زمانہ میں پیدا ہوگا، اور مخلوق سے اپنی عبادت چاہے گا، بے شمار یہودی اس کے ساتھ ہو جائیں گے، بہت سے شہروں میں پھرے گا اور بہت سی مخلوق اس کے فریب میں پھنس جائے گی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور اس کو بیت المقدس میں بابِ لد پر قتل کریں گے، اور اسلام تمام روے زمین پر پھیل جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۱/۴۰۳ حدیث: ۳۷۶۷......الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۴۶/۹ حدیث: ۲۸۲۴......معجم کبیر طبرانی: ۱۰۲/۱۸......معرفۃ الصحابۃ ابونعیم اصبہانی: ۴۲۲/۲۳ حدیث: ۷۱۵۶۔

باب نمبر 69 : سلیقۂ گفتگو

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صاحب عقل وخرد کو اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا کلام باوزن ہو یعنی حسب موقع ومحل ہو اور بے فائدہ بات زبان سے نہ نکلے۔ اگر وہ بے فائدہ باتوں میں لگ جائے تو فائدے کی بہت سی باتیں کھو بیٹھے گا۔ اور بن سوال کسی چیز کا جواب نہ دے؛ اس لیے کہ یہ سفاہت اور ہلکے پن کی بات ہے۔

یوں ہی ایک عقل مند کو چاہیے کہ بے فائدہ کسی بات پر غصہ نہ کرے۔ کسی نے کیا خوب بات کہی ہے کہ آدمی کے جاہل ہونے کی علامت یہ ہے کہ جانوروں کو گالی دے؛ کیونکہ جانور پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں جانتے؛ لہٰذا جانوروں کو برا بھلا کہنے میں مشغول ہو جانا کمالِ جہالت ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ ہَوا کو برا بھلا کہہ رہا ہے، تو آپ نے فرمایا :

من لعن شيئا لم يكن أهلا لها رجعت اللعنة عليه . (۱)

یعنی جو شخص کسی ایسی شے پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہیں تو وہ لعنت ازخود کہنے والے پر لوٹ آتی ہے۔

حضرت ابوملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سواری پر ان کے پیچھے سوار تھا، پھر کیا ہوا کہ جانور اُن دونوں کو لے کر گر گیا۔ اس شخص کی زبان سے اچانک نکلا :

تعس الشيطان .

(۱) سنن ابوداؤد:۶۲/۱۳ حدیث:۴۲۶۲......سنن ترمذی:۲۴۷/۷ حدیث:۱۹۰۱......معجم کبیر طبرانی:۳۰۵/۱۰ حدیث:۱۲۵۸۸......شعب الایمان بیہقی:۲۲۷/۱۱ حدیث:۵۰۱۳۔

یعنی شیطان ہلاک ہو جائے۔

(جب یہ مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا) تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا :

لاتـقـل تعس إبليس فإنه عند ذلک يتعاظم حتى يكون ملء البيت ولكن قل بسم اللّٰه فإنه يصغر حتى يكون مثل الذباب .

یعنی یوں نہ کہہ کہ 'ابلیس ہلاک ہو' کیوں کہ اس طرح کہنے سے وہ اتنا پھولتا ہے کہ پورے گھر میں سما جاتا ہے۔ بلکہ کہو 'بسم اللہ' اس سے وہ اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ مکھی کے پر کے برابر معلوم ہوتا ہے۔(۱)

حضرت سماک بن حرب حضرت ابولفافہ عددی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں نے ایک جوان اونٹ لیا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوا، سوچا کہ اسے بیچ دوں، کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے اور فرمایا: اے اعرابی! کیا تجھے یہ اونٹ کو بیچنا ہے؟۔

میں نے عرض کی: جی ہاں، اے رسول اللہ کے خلیفہ!۔

فرمایا: کتنے میں؟ میں نے عرض کی: ڈیڑھ سو درہم میں۔

فرمایا: سو درہم میں بیچنا ہے؟۔

میں نے عرض کی :

لا عافاک اللّٰه .

یعنی نہیں اللہ آپ کو عافیت سے رکھے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا :

لاتقل لا عافاک اللّٰه ولكن قل: لا وعافاک اللّٰه .

---

(۱) مسند احمد بن حنبل:۳۴/۱۹۸حدیث:۲۰۵۹۱......شعب الایمان بیہقی:۴/۳۰۱حدیث:۵۱۸۳......مسند جامع نوری:۴۶/۳۳۰حدیث:۱۵۵۰۸......مجمع الزوائد:۱۰/۱۸۶حدیث:۱۷۰۹۹۔

یعنی یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ نہیں، اور اللہ آپ کو عافیت سے رکھے۔

حضرت فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کو گفتگو کا سلیقہ سکھایا یعنی فرمایا: '**لا عافاک اللّٰه**' نہ کہہ؛ اس لیے کہ یہ کلام بددعا کا وہم دِلاتا ہے۔

ایک عاقل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی بات سنتے ہی وہ اس کو جھوٹی یا سچی نہ خیال کرلے؛ اس لیے کہ اگر فوراً اس کی تصدیق کردی تو شاید وہ جھوٹی ہو، اور اگر اس کی تکذیب کی تو ہوسکتا ہے وہ سچی ہو، ہاں یوں کہے کہ یہ بات میں نے نہیں سنی، یا میں اسے سرے سے نہیں جانتا۔

حضرت یحییٰ، ابوکثیر سے اور وہ ابوسلمہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو اس کا ترجمہ عربی میں سناتے تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تصدقوا أهل الكتاب و لا تكذبوا وقولوا آمنا باللّٰه وما أنزل علينا وما أنزل من قبل .

یعنی اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو اور نہ ہی تکذیب کرو، ہاں اتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا اور جو ہم سے قبل نازل ہوا۔

بعض متقدمین سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تو فلاں نبی پر ایمان لاتا ہے، پھر اس نے اس نبی کا نام لیا، حالانکہ یہ شخص اس نبی کو نہیں جانتا۔ تو اب اگر وہ 'ہاں' کہتا ہے تو ہوسکتا ہے وہ نبی نہ ہو اور اس نے غیر نبی کو نبی مان لیا۔ اور اگر وہ کہتا ہے 'نہیں' تو شاید وہ واقعتاً نبی ہوں اور یہ ایک نبی کا منکر ہوگیا تو اب کیا کرے؟۔

فرمایا: اس کو یوں کہنا چاہیے: 'اگر واقعتاً نبی ہیں تو میں ان پر ایمان لاتا ہوں'۔

حضرت ابونصر محمد بن سلام علیہ الرحمہ سے ایک مرتبہ علم کلام کا ایک مسئلہ دریافت کیا

گیا تو آپ نے اس کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اس طرح کے مسائل میں کبھی ہمیں ابہام واشکال ہو جائے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہہ دیا کرو :

آمنا بالله وبجميع ما أراد الله وبجميع ما قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وبجميع ما أراد رسول الله ﷺ .

یعنی ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے جو اللہ نے ارشاد فرمائیں اور جو کچھ اُس کی مراد ہے، اور ہم ایمان لائے ان سب باتوں پر جو رسول اللہ نے ارشاد فرمائیں اور جو اُن کی مراد ہے۔

باب نمبر 70 : تصاویر کی ممانعت

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی جاندار کی تصویر بنائے۔ ہاں! بے جان شے مثلاً درختوں وغیرہ کی تصویر بنانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيمة ويقال لهم أحيوا ما خلقتم . (۱)

یعنی تصویر بنانے والے قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اس کو زندہ کرو جس کی تم نے تخلیق کی ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۷/۲۹۳ حدیث: ۱۹۶۳...... صحیح مسلم:۱۱/۲۱ حدیث: ۳۹۴۱...... مؤطا امام مالک: ۶/ ۵۷ حدیث:۱۵۲۵...... سنن نسائی:۱۶/۱۷۸ حدیث:۵۲۶۶...... سنن ابن ماجہ:۶/۳۷۲ حدیث:۲۱۴۲۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ومن أظلم ممن یخلق کخلقي . (۱)

یعنی اللہ فرماتا ہے: 'اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو میرے پیدا کیے کے مثل پیدا کرے'۔ (یعنی میری تخلیق کا مقابلہ کرے)

حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب أو صورة فإما أن یقطع رأسها أو تبسط . (۲)

یعنی فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہو یا تصویر ہو۔ ہاں اگر اس تصویر کا سر کاٹ دیا جائے یا تصویر کو فرش بنا دیا جائے (تو پھر کوئی بات نہیں)۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یعنی جن کپڑوں پر تصاویر ہوں اُن کو بچھا دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حضرت عطا اور حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: 'تصاویر کا عزت وحرمت سے اچھی جگہ رکھنا ناجائز ہے؛ لیکن اگر تصاویر پاؤں میں روندی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں'۔

باب نمبر 71 : بدکار عورت سے نکاح کا مسئلہ

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زانیہ عورت سے نکاح میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ناجائز ہے، اور اکثر نے کہا کہ جائز ہے، اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔ پہلے گروہ کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ نے اِرشاد فرمایا :

(۱) صحیح بخاری:۳۳۰/۱۸ حدیث:۵۴۹۷......صحیح مسلم:۲۷/۱۱ حدیث:۳۹۴۷۔

(۲) صحیح بخاری:۲/۱۱ حدیث:۲۹۸۶......صحیح مسلم:۱۳/۱۱ حدیث:۳۹۳۳......سنن ترمذی:۴۹۶/۹ حدیث: ۲۷۲۸......سنن نسائی:۲۲۳/۱۳ حدیث:۴۲۰۸......سنن ابن ماجہ:۳۵/۱۱ حدیث:۳۶۳۹۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ o (سورۂ نساء:۴/۲۴)

اوران کے سوا(سب عورتیں) تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں تاکہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلبِ نکاح کرو پاک دامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔

یعنی غیر زانیہ سے،تو اللہ تعالیٰ نے غیر مسافح سے نکاح کو مباح قرار دیا؛ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ زانیہ سے نکاح باطل ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ o (پارہ 18،النور:3)

بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک عورت کے(کسی پاکیزہ عورت سے) نکاح (کرنا پسند) نہیں کرتا اور بدکار عورت (بھی) سوائے بدکار مرد یا مشرک کے (کسی صالح شخص سے) نکاح (کرنا پسند) نہیں کرتی، اور یہ (فعلِ زنا) مسلمانوں پر حرام کردیا گیا ہے۔

بعض صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس سے نکاح کرلیا آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟۔فرمایا: یہ تو پہلے سے بھی برا ہے۔

اُم المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے بھی اس کو ناجائز ہی فرمایا۔

جائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اسی سے نکاح کرلیا اس کا کیا حکم ہے؟۔فرمایا :

أولہ سفاح وآخرہ نکاح لا یحرم الحرام الحلال، والنکاح

مباح فلا يحرم السفاح النكاح .

یعنی پہلا زنا اور دوسرا نکاح ہے، اور حرام' حلال کو حرام نہیں کر سکتا؛ لہٰذا (زانیہ سے) نکاح مباح ہے، اور زنا مباح کو حرام نہیں کرتا۔

آگے فرمایا :

هذا بمنزلة من أكل من نخلة إنسان فى أول النهار ثم اشتراها فى آخره .

یعنی یہ اس طرح ہے جیسے کسی نے کسی دوسرے کی کھجور کے درخت سے صبح کو کچھ کھجوریں کھالیں اور شام کو اس درخت کو خرید لیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول (**الزَّانِي لاَ يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً أو مُشْرِكةً**) کی تاویل میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ضحاک نے فرمایا ہے :

الزانى لا يزنى إلا بزانية مثله .

یعنی زانی زنا نہیں کرتا مگر اپنی ہی مثل زانیہ سے

ٹھیک یہی تاویل حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

نیز یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے؛ کیونکہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا :

'میری عورت کسی ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی'۔ فرمایا :

طلِّقْها .

یعنی اس کو طلاق دے دو۔

اس نے عرض کی: مگر مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ فرمایا :

أمسكها .

یعنی پھر اسے طلاق نہ دے، اور اپنی زوجیت میں روک کر رکھ۔

باب نمبر 72 : افضل کون؟ فقیر یا غنی

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماے کرام نے فقیر کے مالدار سے افضل ہونے کی بابت اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ غنی افضل ہے اور بعض نے کہا کہ فقیر۔ اور حاصل اختلاف یہ ہے کہ غنیِ صالح افضل ہے یا فقیر صالح؟۔

بعض نے کہا کہ غنی صالح افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ فقیر صالح، اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ غنی افضل ہے اُن کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی ہ (سورۂ الضحیٰ:۹۳/۸)

اور تمھیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر غنا کے ذریعہ احسان جتلایا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر غنا افضل نہ ہوتا تو اللہ احسان نہ جتلاتا۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

ما أحسن الغنى مع التقى .

یعنی غنا تقوی کے ساتھ کیا ہی اچھا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

نعم المال الصالح للرجل الصالح . (۱)

یعنی صالح مال صالح آدمی کے لیے کتنا اچھا ہے۔

حضرت ہشام روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا :

كرمكم تقواكم، وشرفكم غناكم، وأحسابكم أخلاقكم .

(۱) صحیح ابن حبان: ۱۳/۴۲۱ حدیث: ۳۲۷۹...... مسند احمد بن حنبل: ۳۶/۱۶۵ حدیث: ۱۷۰۹۶...... شعب الایمان بیہقی: ۳/۲۹۰ حدیث: ۱۲۴۱...... معرفۃ الصحابہ، اصبہانی: ۱۴/۱۶۸ حدیث: ۴۴۵۵۔

یعنی تمہارا کرم تقویٰ ہے، تمہارا شرف غنا ہے، اور تمہارا حسب تمہارے اخلاق میں ہے۔

بعض متقدمین نے فرمایا :

المال فی الغربة وطن والفقر فی الوطن غربة.

یعنی مال مسافرت میں وطن ہے اور فقر، وطن میں مسافرت ہے۔

ایک شاعر نے اسی مضمون کو یوں نظم کیا ہے ۔

الفقر فی أوطاننا غربة

والمال في الغربة أوطان

یعنی فقر اپنے وطن میں مسافرت ہے، اور مال، مسافرت میں وطن ہے۔

اور جس نے فقر کا جامہ پہن لیا ہے وہ جہاں بھی جائے گا مسافر ہی لگے گا۔

حضرت محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں :

إن الغني إذا كان تقياً يضاعف الله له الأجر مرتين .

یعنی مال دار اگر متقی ہو تو اللہ اس کو دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفَاتِ آمِنُوْنَ o (سورۂ سبا: ۳۴/۳۷)

اور نہ تمہارے مال اس قابل ہیں اور نہ تمہاری اولاد کہ تمہیں ہمارے حضورِ قرب اور نزدیکی دلا سکیں مگر جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، پس ایسے ہی لوگوں کے لیے دوگنا اجر ہے ان کے عمل کے بدلے میں اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں امن و امان سے ہوں گے۔

حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں: اس مال میں خیر و برکت نہیں جو حلال سے جمع نہ ہوا ہو، کہ اس سے نہ اس کا حق نکالا جائے، نہ دوسروں کی آبرو اس سے بچائی جائے، اور نہ ہی اس سے صلہ رحمی کی جائے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس وقت حضرت زبیر بن عوام کا مال تہائی حصہ نکالنے کے بعد تقسیم کیا گیا تو چار کروڑ درہم تھا۔

مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ازواج کی تعداد تین تھی، ایک کو مرض الموت میں طلاق دے دی سواُن کے ورثا نے ان کے وصال کے بعد اس کے حصہ پر جو کہ آٹھویں حصہ کی تہائی تھی تر اسی ہزار درہم پر صلح کر لی تو اس حساب سے کل مال آٹھ ہزار کم چار لاکھ درہم یعنی (392000) ہوا۔

حضرت سیدنا سفیان بن عینیہ حضرت عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی یومیہ آمدنی ایک ہزار اوقیہ تھی۔

فقر کو غنا سے افضل بتانے والوں کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ (سورۂ علق:۹۶/۶)

(نافرمان) اِنسان سرکشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو (دنیا میں ظاہراً) بے نیاز دیکھتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی وضاحت فرمادی کہ دولت وغنا نافرمانی وطغیانی پر برانگیختہ کرتی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ۝ (سورۂ ہود:۱۱/۲۷)

اور ہم نے کسی (معزز شخص) کو تمہاری پیروی کرتے ہوئے نہیں دیکھا

سوائے سطحی رائے رکھنے والے پست وحقیر لوگوں کے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دے دی کہ انبیا کے تابعین فقیر ہی ہوتے ہیں۔

حضرت اَبان حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لکل أحد حرفة وحرفتي اثنتان: الفقر والجهاد، فمن أحبهما فقد أحبنی ومن أبغفهما فقد أبغضني . (۱)

یعنی ہر کسی کا ایک پیشہ ہوتا ہے اور میرے دو پیشے ہیں: ایک فقر اور دوسرا جہاد، تو جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اللّٰهم من أحبني فارزقه العفاف والكفاف ومن أبغضني فاكثر ماله وولده . (۲)

یعنی اے پروردگار! جو مجھ کو دوست رکھے تو اسے عفت عطا فرما اور بقدر کفایت اسے روزی دے اور جو مجھ سے دشمنی رکھے تو اس کو مال اور اولاد کی کثرت دے دے۔

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

ما أصاب عبدًا شيئ من الدنيا إلا نقص من درجاته عند اللّٰه تعالیٰ و إن كان كريما على اللّٰه .

---

(۱) مسند فردوس دیلمی: ۳۳۹/۳ حدیث: ۵۰۲۱۔ لیکن شیخ فتنی نے 'تذکرۃ الموضوعات' میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ -چڑیا کوٹی-

(۲) شعب الایمان بیہقی: ۱۱/۴ حدیث: ۱۴۵۴...... کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۴۸۳/۶۔

یعنی کس بندے کو دنیا میں کوئی شے نہیں ملتی؛ مگر اللہ کے ہاں اس کا کوئی درجہ کم ہوجاتا ہے، اگرچہ وہ اللہ کے ہاں مقبول ہو۔

حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

الفقر مشقة فی الدنیا ومسرة فی الأخرة والغنی مسرة فی الدنیا مشقة فی الأخرة .

یعنی فقر اس دنیا میں مشقت ہے اور آخرت میں خوشی کا موجب ہے، جبکہ غنا دنیا میں خوشی ہے اور آخرت میں مشقت کا باعث۔

حضرت سیدنا انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے :

اللّٰھم احینی مسکینا وأمتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین .

یعنی اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھ، اور اسی پر وصال فرما اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں کر۔

کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! ایسا کس لیے کہا؟۔ فرمایا :

لأنهم یدخلون الجنة قبل الأغنیاء بأربعین خریفا، ولأن الغني یتمنی عند موته أن لو کان فقیرا ولا یتمنی الفقیر أن لو کان غنیا. (۱)

یعنی اس لیے کہ فقیر غنی سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور موت کے وقت غنی تمنا کرے گا کہ کاش میں فقیر ہوتا، جب کہ فقیر موت کے وقت غنی ہونے کی تمنا نہ کرے گا۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۸/۳۵۴ حدیث: ۲۲۷۵...... سنن ابن ماجہ: ۱۲/۱۵۴ حدیث: ۴۱۱۶...... مستدرک حاکم: ۱۸/۲۸۶ حدیث: ۸۰۲۸...... شعب الایمان بیہقی: ۳/۴۹۱ حدیث: ۱۴۳۴۔

تو اگر فقیر کے لیے سوائے اس کے - کہ قیامت میں اس کا حساب کم اور ہلکا ہوگا - کوئی اور فضیلت نہ ہوتی تب بھی یہی اس کے لیے کافی وافی تھا۔

منقول ہے کہ قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندے پر بڑا اِحسان یہ ہوگا کہ اللہ بندے سے فرمائے گا :

أ لم أجمل ذكرك .

یعنی کیا تیرا نام میں نے فقر کے سبب گم نہیں کیا۔

ایک شاعر نے اس ضمن میں دو شعر کہے ہیں ۔

دليلك أن الفقر خير من الغنى

وأن قليل المال خيرمن الكثير

لقاؤك مخلوقا عصى الله بالغنى

ولم تر مخلوقا عصى الله بالفقر

یعنی تیری دلیل اِس امر میں کہ فقیر مالدار سے اچھا ہے، اور تھوڑا مال بہت مال سے بہتر ہے یہ ہونی چاہیے کہ تو نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ انھوں نے مالداری کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کی ہے؛ مگر ایسے لوگ تو نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے جنھوں نے فقر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کی ہو۔

ایک دوسرے شاعر نے اس مفہوم کو یوں نظم کیا ہے ۔

يا عائب الفقر أ لم تترجر ☆ عيب الغنى أكبر لو تعتبر

إنك تعصى لتنال الغنى ☆ وليس تعصي الله كي تفتقر

یعنی اے فقر کو کوسنے والے! ذرا ہوش سے کام لے اور غور کر کہ مال داری وتونگری کا عیب، فقروغربت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تو نافرمانیاں اور حکم عدولیاں اس لیے کرتا ہے تا کہ مال دار ہو جائے، لیکن کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے

کہ کسی نے فقیر ہونے کے لیے اللہ کی نافرمانی کی ہو!۔

حضرت فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فقر بے شک مال داری سے افضل ہے؛ تاہم مال داری میں کوئی عیب نہیں ہے۔ ذرا اندازہ فرمائیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے کیسے کیسے صاحبانِ مال اور اربابِ ثروت ہوئے ہیں؛ لیکن تاجدارِ کائنات نے انھیں اپنے مالوں سے ہاتھ اُٹھا لینے کا حکم نہیں دیا۔

لہٰذا اگر مالداری اور امیری قابل مذمت چیز ہوتی تو بھلا معلم کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے کہاں برداشت فرماتے، فوراً ہی انھیں منع فرمادیتے؛ لہٰذا جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ مالداری وتونگری میں کوئی عیب وقباحت نہیں۔ ہاں! عیب وقباحت اس مال دار شخص میں ہے جو اپنے مال کو اللہ ورسول کے حکم کے خلاف استعمال کرے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانۂ اوّل میں اس امر میں اختلاف - کہ غنا فقر سے افضل ہے - اس لیے تھا کہ ان کے مال حلال ذریعے سے حاصل کیے گئے تھے، اور جب کوئی شخص حلال طریقہ سے مال جمع کرے اور اس کو اپنے موقع پر صرف کرے تو ظاہر ہے کہ غنا ہی افضل ہوگا؛ لیکن اِس زمانہ میں جب کہ اکثر مال حرام یا مشتبہ ہے تو اس اختلاف کی کوئی وجہ نہیں؛ لہٰذا اب تو بالاتفاق فقر افضل ہے۔

باب نمبر 73 : قرض لینے کی فضیلت

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بوقت ضرورت قرض لینے میں کچھ حرج نہیں جبکہ اِرادہ اَدا کرنے کا ہو، اور اگر آدمی نے قرض لیا اور ارادہ کیا کہ اَدا نہ کروں گا تو وہ بلاشبہہ حرام خور ہے۔

مروی ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار قرض لیا کرتی تھیں۔کسی نے پوچھا کہ آپ کو قرض سے کیا علاقہ (تعلق)!۔فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

من كان عليه دين ينوى قضاءه كان معه من اللّٰه تعالىٰ عون. (۱)

یعنی جس شخص کے اوپر کچھ قرض ہو اور وہ اس کے اَدا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ کی مدد اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔

تو میں ایسا کر کے دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد ونصرت کی طالب ہوں۔

مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

تعرضوا للرزق فإن غلب أحدكم فليستدن على اللّٰه تعالىٰ وعلى رسوله . (۲)

یعنی روزی کماؤ،لیکن اگر تم میں سے کوئی بے بس ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے بھروسہ پر قرض لے لے۔

حضرت محمد بن علی سے مروی ہے کہ وہ قرض لیا کرتے تھے۔کسی نے پوچھا کہ آپ قرض کیوں لیتے ہیں جب کہ آپ کے پاس تو اِتنا اِتنا مال ہے؟،فرمایا:اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰه تعالىٰ مع المديون حتى يقضي دينه . (۳)

یعنی اللہ قرض دار کے ساتھ ہے جب تک کہ وہ قرض اَدا نہ کر دے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل:۱۴۹/۵۳حدیث:۲۴۹۹۱......معجم کبیر طبرانی:۲۷۹/۷حدیث:۷۸۷۷......معجم اوسط طبرانی:۳۹۹/۱۶حدیث:۷۸۲۳۔

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۲/۴حدیث:۹۲۵۱۔

(۳) سنن ابن ماجہ:۲۴۵/۷حدیث:۲۴۰۰......مستدرک حاکم:۳۱۰/۵حدیث:۲۱۶۷...... سنن دارمی: ۱۴۱/۸حدیث:۲۶۵۰......معرفۃ الصحابہ:۳۱۶/۱۱حدیث:۳۵۸۴۔

لٰہذا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرے ساتھ ہو۔
لیکن اگر کسی نے قرض لیا اور اُس کی نیت اَدا نہ کرنے کی ہو تو وہ حرام خور ہے؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا :

من تزوج امرأة ونيته أن يذهب بصداقها جآء يوم القيامة زانيا. ومن اشترى شيئا ومن نيته أن يذهب بثمنه جاء يوم القيامة سارقاً. (۱)

یعنی اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس کا مہر چھین لے (یا نہ دے) تو وہ روزِ قیامت زانی شمار ہوگا۔ یوں ہی جس شخص نے کوئی چیز خریدی اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس کی قیمت دبا لے تو وہ قیامت کو چور اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابوقتادہ بیان کرتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اللہ کے راستہ میں مارا جائے کیا اس کے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے؟۔ فرمایا :

نعم إذا قتل محتسباً صابراً مقبلاً غير مدبر إلا الدين فإنه مأخوذ به. (۲)

یعنی ہاں، اگر نڈر اور صبر کے ساتھ خالص طلبِ ثواب کے لیے مارا گیا ہو، سوائے دین کے کہ اس کا اس سے مواخذہ ہوگا۔

لقمانِ حکیم نے فرمایا :

حملت الحديد والجندل فلم أحمل شيئا أثقل من الدين.

یعنی میں نے پتھر اور لوہا اٹھایا مگر کوئی شے قرض سے زیادہ بھاری نہ اٹھائی۔

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۰/۲۹۷ حدیث: ۲۹۴۹۶۔
(۲) سنن نسائی: ۶/۳۳ حدیث: ۳۱۵۵...... سنن دارمی: ۲/۲۷۳ حدیث: ۲۴۱۲...... جامع الاحادیث سیوطی: ۳۹/۴۵ حدیث: ۴۲۰۱۷۔

باب نمبر 74 : عزل کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عزل میں کچھ مضائقہ نہیں، اگر عورت کی اجازت سے ہو۔ عزل اس کو کہتے ہیں کہ عورت سے مجامعت کرے اور حمل کے خوف سے اِنزال سے قبل الگ ہو جائے۔

یہودی عزل کو ناجائز سمجھتے اور کہتے تھے کہ عزل زندہ درگور کرنے کی ادنیٰ قسم ہے، پس اس بارے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی :

نِسآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأتُوْا حَرْثَکُمْ انّٰی شِئْتُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں، پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے عزل کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا: اگر اس بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے تو وہی ٹھیک ہے؛ ورنہ میں وہی کہتا ہوں جو اللہ پاک نے فرمایا ہے :

نِسآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأتُوْا حَرْثَکُمْ انّٰی شِئْتُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں، پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔

لہٰذا جس کا جی چاہے عزل کرے اور جس کا چاہے نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی روح سے جو کسی شخص کی پشت میں تھی عہد لیا ہے تو اگر اس نے اپنے نطفے کو پتھر پر بھی گرا دیا ہو تب بھی اللہ اس پتھر سے ہی اس جان کو پیدا کر دے گا؛ لہٰذا اگر تیرا جی چاہے تو عزل کر اور نہ چاہے تو نہ کر۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی سوال کیا گیا تو آپ نے بھی یہی جواب مرحمت فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے :

نِسآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ انّٰى شِئْتُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں، پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔

تو فرمایا: اگر تمہارا جی چاہے تو عزل کرو اور جی نہ چاہے تو نہ کرو۔

حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ (ظاہری) میں عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن پاک نازل ہوتا تھا، مگر آپ نے ہمیں اس سے منع نہ فرمایا۔

باب نمبر 75 : رونا میت کے لیے باعثِ مصیبت

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے کرام نے گھر والوں کے رونے کے سبب مردہ کے عذاب کے بارے میں کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، اور اُن کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن الميت ليعذب ببكاء أهله . (۱)

یعنی بے شک گھر والوں کے رونے کے سبب مردے کو عذاب ہوتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری:۵/۳۳ حدیث: ۱۲۰۶...... صحیح مسلم:۴/۵۰۰ حدیث: ۱۵۴۳...... سنن ابوداؤد:۸/ ۳۹۸ حدیث:۲۷۲۲...... سنن نسائی:۶/۳۹۷ حدیث:۱۸۳۲...... مسند احمد:۱۰/۲۵۵ حدیث:۴۷۱۹۔

مگر اکثر اہلِ علم نے فرمایا کہ مردے پر زندوں کے رونے کے سبب عذاب نہیں ہوتا اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی o (سورۂ بقرہ:۱۷/۱۵)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه . (۱)

یعنی بے شک مردے کو گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب ہوتا ہے۔

نیز ابن عباس بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کرتے ہیں۔

یہ سن کر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :

إنكم لتحدثون عن ابن عمر وابن عباس وهما غير كاذبين ولا مكذبين ولكن السمع يخطئ .

یعنی تم ابن عمر اور ابن عباس سے حدیث بیان کرتے ہو، اور بے شک وہ دونوں نہ تو جھوٹے ہیں اور نہ ہی کوئی انھیں جھوٹا کہہ سکتا ہے؛ مگر کبھی کبھار سننے میں غلطی ہوجاتی ہے۔

اور مذکورہ حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص قریب المرگ ہوتا تھا تو اپنے گھر والوں کو اپنے اوپر نوحہ کرنے کی وصیت کرتا تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس پس منظر میں) فرمایا :

---

(۱) صحیح بخاری:۵/۳۳ حدیث: ۱۲۰۶...... صحیح مسلم:۴/۵۰۰ حدیث: ۱۵۴۳...... سنن ابوداؤد:۸/ ۳۹۸ حدیث:۲۷۲۲...... سنن نسائی:۶/۳۹۷ حدیث:۱۸۳۲...... مسند احمد:۱۰/۲۵۵ حدیث:۴۷۱۹۔

إن الميت ليعذب ببكاء أهله .

یعنی بے شک مردے کو گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب ہوتا ہے۔

کیونکہ وہ پہلے ہی سے اس کا حکم کر گیا تھا۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک یہودی کی قبر سے ہوا اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے، تو اس موقع پر آپ نے فرمایا :

إنهم يبكون عليه وهو يعذب في قبره . (۱)

یعنی وہ رو رہے ہیں اور مردے کو اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

تو اس حدیث سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ ان رونے والوں کی وجہ سے میت کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ تاویل اس طرح کی ہے کہ حضرت عروہ کے بیان کے مطابق اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا ذکر آیا، تو فرمایا :

ذهل أبو عبدالرحمٰن، إنما قال (إن أهل الميت ليبكون عليه وإنه يعذب بجرمه .

یعنی ابو عبدالرحمٰن کو یہاں وہم ہوا، کیوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا: 'گھر والے تو رو رہے ہیں اور مردہ اپنے گناہوں کے سبب عذاب میں گرفتار ہے'۔

باب نمبر 76 : مردے پر رونا کیسا؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نوحہ کرنا حرام ہے، اور فقط آنسوؤں سے رونے میں مضائقہ نہیں، اور صبر بہر حال افضل ہے؛ اس لیے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے :

(۱) سنن ابوداؤد: ۳/۱۶۳ حدیث: ۳۱۳۱ ..... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۵۸ حدیث: ۲۰۴۸۴۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ o (سورۂ زمر:۳۹/۱۰)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اَجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔

حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

النائحة ومن حولها من مستمعيها فعليهم لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين .

یعنی نوحہ کرنے والی عورت اور اس کے اِرد گرد جو سننے والے ہیں ان پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

منقول ہے کہ حضرت حسن بن حسن رضی اللہ عنہما کا اِنتقال ہوا تو اُن کی زوجہ فاطمہ بنت حسین ان کی قبر پر ایک سال تک بیٹھی رہی، جب دوسرا سال شروع ہوا اور لوگوں نے خیمہ اکھاڑا تو ایک جانب سے آواز سنی :

هل وجدوا ما فقدوا .

یعنی کیا کھونے والوں نے کچھ پایا؟۔

پھر دوسری جانب سے یہ آواز سنی :

يئسوا وانقلبوا .

یعنی نہیں بلکہ نا اُمید ہو کر پلٹ گئے۔

(مگر کوئی آواز دینے والا دکھائی نہ دیا کہ یہ آواز آئی کہاں سے!)۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا وصال ہو گیا تو آپ کی چشمانِ مبارک سے آنسو رواں ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا آپ نے ہمیں رونے سے منع نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا :

ما نهيتكم عن البكاء إنما نهيتكم عن صوتين أحمقين

فاجرين صوت النائحة وصوت الغنا فإنه لعب ولهو و مزامير الشيطان وعن خدش الوجوه وشق الجيوب ورنة الشيطان ولكن هذا رحمة جعلها اللّٰه تعالىٰ فى قلوب الرحماء .

یعنی میں نے رونے سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے تو دو بری آوازوں سے منع کیا ہے: ایک نوحہ اور گانے کی آواز سے؛ اس لیے کہ یہ کھیل کود اور مزامیر شیطانی ہے۔ اور ایک منہ نوچنے، گریبان پھاڑنے اور شیطان کی طرح رونے سے۔ (مگر آہستگی سے رونا) تو رحمت ہے جو اللہ نے رحم والوں کے دل میں ڈال دی ہے۔

پھر فرمایا :

القلب يحزن و العين تدمع ولا نقول ما يسخط الرب . (۱)

یعنی دل غمگین ہوتا ہے اور آنکھ روتی ہے، تو ہم ہرگز وہ بات نہ کریں گے جس سے رب تبارک وتعالیٰ ناراض ہو۔

حضرت وہب بن کیسان حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو کسی میت پر روتے دیکھا تو منع کیا۔ یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

دعها يا أبا حفص فإن العين باكية والنفس مصابة والعهد حديث . (۲)

یعنی اے ابوحفص! اسے چھوڑ دو؛ کیونکہ آنکھ رونے والی ہے، نفس مصیبت زدہ ہے اور (رنج کا) نیا زمانہ ہے۔

---

(۱) مستدرک حاکم: ۴۳۹/۳ حدیث: ۱۳۶۰ ...... معجم کبیر طبرانی: ۲۸۳/۶ حدیث: ۶۵۲۷ ...... صحیح ابن حبان: ۳۱۲/۱۳ حدیث: ۳۲۲۷۔

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۸/۱۵ ۷حدیث: ۴۲۸۹۹۔

مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد سے لوٹتے ہوئے بنوعبدالاشہل سے گزرے اور وہ سب اپنے شہدا کے لیے رو رہے تھے، تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا :

لكل أحد باكية و لكن حمزة لا يبكى أحد له . (۱)

یعنی ہر ایک کا کوئی نہ کوئی رونے والا ہے سوائے حمزہ کے کہ اس پر رونے والا کوئی نہیں۔

جب ان رونے والیوں نے یہ سنا تو آپ کے دروازہ پر آئیں اور حضرت حمزہ کو رونے لگیں، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر رو رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی آواز سنی جا رہی تھی، اور آپ (نے اس قدر گریہ فرمایا کہ) سانس رک گئی۔

باب نمبر 77 : اصحابِ فضل وشرف کی تعظیم کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل فضل کی تعظیم وتکریم کرنا مستحب ہے لیکن یہ تعظیم اِفراط وتفریط کے درمیان ہونی چاہیے۔ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ دنیا حاصل کرنے کے لیے کسی کی تعظیم بجالائے؛ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

من تواضع لغني لأجل الدنيا ذهب ثلثا دينه ولكن يكرم أهل الفضل لفضلهم وشرفهم . (۲)

یعنی جس نے کسی غنی (مالدار) کی تواضع وتکریم طلب دنیا کے لیے کی تو اس کا ایک تہائی دین جاتا رہا اور اہل فضل کی تعظیم اُن کے فضل وشرف کی وجہ سے کی جانی چاہیے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۸/۹ حدیث: ۴۹۸۴ ...... شرح معانی الآثار طحاوی: ۲۹۳/۴ حدیث: ۶۹۷۳۔

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۳۰/۳ حدیث: ۶۲۸۸ ...... مسند فردوس دیلمی، عن ابی ذر۔

حضرت ہشام بن حسان روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آئے اور مجلس میں بیٹھنے کے لیے بالکل جگہ نہ تھی۔ تو حضرت ابوبکر صدیق حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے سرک گئے، اور کہا۔ 'اے ابوالحسن! یہاں تشریف لائیے'۔

چنانچہ ابوبکر صدیق کے اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا :

أهل الفضل أولى بأهل الفضل، ولا يعرف فضل أهل الفضل إلا أهل الفضل . (١)

یعنی اہل فضل اہل فضل کی خدمت کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اہل فضل کے فضل وشرف کو اہل فضل ہی پہچانتے ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے :

من تهاون بالإخوان ذهبت مروء ته، ومن تهاون بالسلطان ذهبت دنياه، ومن تهاون بالصالحين ذهبت آخرته .

یعنی جس نے اپنے بھائیوں سے اہانت کا برتاؤ کیا اس کی ناموس ومروّت جاتی رہی۔ جس نے سلطان (یا کسی بادشاہ) کی توہین کی اس کی دنیا جاتی رہی، اور جس نے نیک بندوں سے ایسا برتاؤ کیا تو اس کی آخرت جاتی رہی۔

حضرت عمرہ؛ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أقيلوا ذوي الهيئات عثراتهم إلا حدا من حدود اللّٰه تعالیٰ .

---

(١) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۵۱۵/۱۳ حدیث: ۳۷۳۲۱۔

یعنی اہل عزت اہل علم کی خطاؤں سے درگزر کیا کرو سوائے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے معاملہ میں۔(۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے پاس سے ایک سائل گزرا تو آپ نے ایک روٹی کا ٹکڑا دلوا دیا۔ پھر ایک شخص اشراف صورت گزرا، تو آپ نے اس کو بٹھایا اور اس کے لیے دسترخوان بچھوایا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں تاجدارِ کائنات علیہ السلام کا حکم ہے :

ان ننزل الناس منازلهم . (۲)

یعنی ہم ہر شخص سے اس کے رتبہ کے موافق برتاؤ کریں۔

حضرت طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حضرت شعبی کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں بلال بن جریر آئے تو حضرت شعبی نے ان کے واسطے بستر بچھا دیا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا أتاكم كريم قوم فاكرموه . (۳)

یعنی جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو اس کی تکریم کرو۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ تعظیم اور محبت میں اِفراط کرنا مستحب نہیں؛ کیونکہ افراط ہر چیز میں بری ہے اور اس میں آفت کا خوف ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا خوب فرمایا ہے :

أحبب حبيبك هونا ما عسى أن يكون بغيضك يوما ما
وابغض بغيضك هونا ما عسى أن يكون حبيبك يوما ما

---

(۱) سنن ابوداؤد:۱۱/۴۴۷ حدیث:۳۸۰۳......معجم اوسط طبرانی:۱۶/۳۵۱ حدیث:۷۷۷۵۔

(۲) مقدمہ صحیح مسلم:۱/۴......سنن ابوداؤد:۱۲/۴۷۲ حدیث: ۴۲۰۲...... شعب الایمان بیہقی:۲۲/ ۳۸۶ حدیث:۱۰۵۶۱......مسند ابویعلی موصلی:۱۰/۸۷ حدیث:۴۷۰۲۔

(۳) سنن ابن ماجہ:۱۱/۱۲۱ حدیث:۳۷۰۲......مستدرک حاکم:۱۸/۱۵۶ حدیث:۷۹۰۰......معجم کبیر طبرانی:۲/۴۷۳ حدیث:۲۳۰۸......دلائل النبوۃ بیہقی:۵/۴۴۰ حدیث:۲۰۹۴۔

یعنی اپنے دوست سے ایک حد میں رہ کر محبت کر، شاید کسی دن وہ تیرا دشمن ہو جائے، اور اپنے دشمن سے تھوڑی دشمنی کر، شاید کسی دن وہ تیرا دوست بن جائے۔

یہ بھی مرفوعاً آیا ہے کہ نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں اتنا افراط کیا کہ کہ اُن کو خدا بنا ڈالا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی محبت میں غلو کرتے ہوئے اُن کو خدا ٹھہرالیا۔ اور روافض نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ دیگر اصحابِ کرام سے دشمنی کرنے پر اُتر آئے۔

لہٰذا اربابِ شعور وخرد کو چاہیے کہ اہل فضل وکمال سے محبت کرے، اُن کا حق پہچانے لیکن اِفراط نہ کرے۔ کسی صاحب دل نے بڑی پتے کی بات کہی ہے :

لا خير في الإفراط والتفريط كلاهما عندي من التخليط وبالله التوفيق .

یعنی اِفراط وتفریط کسی میں خیر نہیں ہے، یہ دونوں میرے نزدیک کسی چیز کو گڑھ مڈھ کردینے کے برابر ہے۔ اور توفیق خیر اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

باب نمبر 78 : غیرت کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمان کو چاہیے کہ صاحب غیرت ہو، گناہ اور بے حیائی سے کبھی سمجھوتہ نہ کرے۔ اگر کسی مرد یا عورت کو گناہ میں مبتلا دیکھے تو ہاتھ سے روکے، اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل میں برا جانے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الغيرة من الإيمان، والمذاء من النفاق .

یعنی غیرت ایمان سے ہے اور بے غیرتی نفاق سے۔(۱)

اور بے غیرتی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر والوں کو بے حیائی کے کاموں میں مبتلا دیکھے اور اُن سے منع نہ کرے بلکہ اس پر راضی ہو۔

بے غیرتی کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ مردوں یا عورتوں کا ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ برائی کرنا۔

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

أقبح اللؤم بالرجل أن لا يكون غيوراً، ألا يستحي أحدكم أن تخرج أمه أو امرأته تزاحم الناسا في السوق والمجالس .

یعنی جو آدمی غیرت والا نہ ہو اس کو کیا ملامت کی جائے۔ کیا تم میں سے کسی کو حیا نہیں آتی کہ اس کی ماں یا بیوی بازاروں اور مجلسوں میں جائے اور مرد چاروں طرف سے اس کو گھوریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں کسی اجنبی کو اپنی زوجہ کے ساتھ مشغول دیکھ لوں تو ان کی گردن تلوار کی دھار سے اُڑا دوں۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا :

أ تعجبون من غيرة سعد والله لأنا أغير منه والله تعالىٰ أغير مني، ومن أجل ذلك حرم الفواحش ما ظهر منها و ما بطن .

یعنی کیا تم لوگ سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو، اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اور اسی لیے اللہ نے بے حیائی کے سارے کام -خواہ ظاہری ہوں یا باطنی- حرام فرمائے ہیں۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۴۰۹ حدیث: ۱۹۵۲۱......الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۲/۴۴۹ حدیث: ۹۲۷......سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۲۲۶......مسند شہاب قضاعی: ۱/۲۴۹ حدیث: ۱۴۷۔

پھر ارشاد فرمایا :

وما أحد أحب إليه العذر من اللّٰہ تعالیٰ و من أجل ذلک بعث اللّٰہ المنذرين و المبشرين، وما أحد أحب إليه المدحة من اللّٰہ تعالیٰ و من أجل ذلک وعد الجنة . (۱)

یعنی کسی کو عذر اتنا پسند نہیں جتنا اللہ کو پسند ہے، اور اسی لیے اللہ نے ڈرانے والے اور خوش خبریاں دینے والے (انبیا) مبعوث فرمائے اور کسی کو تعریف اتنی محبوب نہیں جتنی اللہ کو ہے، اور اسی لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

بلغني أن نساء كم يخرجن إلى السوق يدافعن العلوج، قبح اللّٰہ رجلاً مؤمنا لا يكون غيوراً .

یعنی مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں نکلتی ہیں اور کافروں سے دھکم پیل ہوتی ہے، اللہ اس شخص کو رسوا کرے جس میں غیرت نہ ہو۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کو دیوث سے بڑھ کر کوئی ناپسند نہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لعن اللّٰہ الديوث والديوثة، فالديوث أن يرضى الرجل بفاحشة امرأته وكذالک المرأة بفاحشة الزوج . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دیوث مرد اور دیوث عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ اور دیوث وہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ ہونے والی برائی کو برا نہ جانے، یوں عورت اپنے شوہر کی برائی کو دیکھ کر اس پر راضی ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/۴۲۴ حدیث: ۶۸۶۶ ...... صحیح مسلم: ۷/۴۹۸ حدیث: ۲۷۵۵ ...... مسند احمد: ۳۷/۱۲۰ حدیث: ۱۷۴۶۴ ...... مستدرک حاکم: ۱۸/۴۳۶ حدیث: ۸۱۷۵۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۷/۹۷ حدیث: ۱۷۶۶۲ ...... جامع الاصول: ۱۱/۷۰۷ حدیث: ۹۳۶۲۔

باب نمبر 79 : جود وسخا کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عروہ ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الجنة دار الأسخياء والشاب الفاسق الغافل السخي أحب إلى اللّٰه تعالىٰ من الشيخ العابد البخيل . (۱)

یعنی جنت سخیوں کا گھر ہے، اور ایک فاسق ولا پرواجوان سخی اللہ کے نزدیک بوڑھے عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ليس منا من وسع اللّٰه تعالىٰ عليه فلم يوسع على نفسه وعياله . (۲)

یعنی جسے اللہ نے وسعت عطا کی ہو اور وہ اپنے اور اپنی عیال کے اوپر وسعت نہ دے، تو وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا :

إن العبد يأخذ من اللّٰه أدبا حسناً إن وسع اللّٰه عليه وسع وإن أمسک عليه أمسک . (۳)

یعنی بندے کو چاہیے کہ اللہ سے اچھا اَدب لے۔ اگر اللہ نے اس کو وسعت رزق عطا کی تو فراغت سے خرچ کرے، اور اگر تنگیِ رزق دی تو تنگی سے خرچ کرے۔

---

(۱) کنز العمال ہندی متقی: ۶/ ۳۹۳ حدیث: ۱۶۲۱۶...... مسند شہاب قضاعی: ۱/ ۱۸۵ حدیث: ۱۱۱۔
(۲) مسند شہاب قضاعی: ۴/ ۳۱۰ حدیث: ۱۱۰۲...... کنز العمال: ۱۶/ ۳۷۲ حدیث: ۴۴۹۵۰۔
(۳) امام حسن بصری کی اس سے مراد شاید اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے: فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ . (وہ اس میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا)۔ (سورۂ طلاق: ۷)

حضرت یوسف بن خالد سمنی کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حجاج کی طرف سے ایک ہزار جوتے ہدیۃً آئے، تو آپ نے ان کو اپنے مسلمان بھائیوں میں تقسیم فرما دیا۔ پھر میں نے ایک دو روز بعد ان کو اپنی صاحبزادی کے لیے جوتے خریدتے دیکھا، تو میں نے عرض کی: کیا آپ کے پاس اس سال کوئی ایک ہزار جوتے نہیں آئے تھے؟۔

فرمایا: بے شک آئے تھے، لیکن میرا مذہب ہدیوں کے بارے میں یہ ہے کہ انھیں تقسیم کر دیا جائے خواہ وہ کتنے ہی ہوں، اور ان کے برابر یا زیادہ بدلہ دینا۔ نیز ان ہدیوں کی تقسیم میرے بھائیوں پر ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا أهدى للرجل فجلساؤه شركاؤه .

یعنی جب کسی شخص کے پاس کچھ ہدیہ آئے تو اس کے ہم نشین اس میں اس کے شریک ہیں۔

اور میرے بھائی میرے ہم نشین ہیں؛ لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تنہا رکھ لوں اور دوسروں کو نہ دوں، بلکہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ اپنا حصہ بھی دوسروں کو دے دوں۔

اور میرے نزدیک ہدیہ قبول کرنا جائز ہے؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے، اور دعوت کو منظور کرتے تھے۔

میری رائے میں ہدیہ کا بدل اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے :

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّو بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (سورۂ نساء: ۴/۸۶)

اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے :

وَ لاَ تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَیۡنَکُمۡ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۳۷)

اور آپس میں فضل (و احسان) کرنا نہ بھولا کرو۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت اُن کے پاس کچھ ہدیہ لے کر آئی، مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا :

هلا قبلت هديتها .

یعنی اس کا ہدیہ کیوں قبول نہ کیا؟۔

آپ نے جواب دیا: میں جانتی تھی کہ وہ خود اس کی زیادہ محتاج ہے۔

پس آپ نے فرمایا :

هلا قبلتها و كافأتها بأحسن منها .

یعنی کیوں نہ اس کو قبول کر لیا اور اس سے بہتر اس کو بدلہ میں دے دیا۔

حضرت زید بن اسلم حضرت عطا بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کے پاس کچھ مال بھیجا؛ لیکن انہوں نے واپس لوٹا دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا :

لم رددته ؟.

یعنی کیوں لوٹا دیا۔

عرض کی: یارسول اللہ! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ 'ہم میں سے کسی کے لیے کسی سے کوئی چیز لینے میں خیر نہیں'۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :

إنما ذلک عن مسألة وأما إذا كان من غير مسألة فإنما هو رزق رزقه الله تعالىٰ إياه .

یعنی یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب کوئی سوال کرے، اور جب بغیر سوال کے کچھ ملے تو (اسے فوراً لے لینا چاہیے کہ) وہ اللہ کا بھیجا ہوا رزق ہے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

أنـي لا أسأل أحدا شيئاً ولا أعطاني أحد شيئا بغير مسألة إلا قبلت منه .

یعنی میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا۔ لیکن جب کوئی بے مانگے مجھے کچھ دے دے تو اس کو لے لیتا ہوں۔

حضرت سفیان ثوری سے کسی نے پوچھا کہ کس کس کے ساتھ احسان کرنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :

ذلک طريق نبت فيه العوسج والشوک .

یعنی یہ ایک ایسا راستہ ہے جس میں عوسج (خاردار درخت) اور کانٹے ہیں۔

باب نمبر 80 : سفارش کا بیان

یاد رہے کہ فرائض کی اَدائیگی کے بعد جملہ اعمال سے افضل عمل اچھی سفارش ہے کہ جب کسی آدمی کو کسی سے کوئی حاجت ہو یا اس سے دفعِ ظلم کے لیے اس کی سفارش کر دی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ سعادت بنیاد ہے :

خَيْرُ النَّاسِ مَن يَّنفَعُ النَّاس . (۲)

یعنی لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔

(۱) موطا امام مالک:۶/۱۵۷ حدیث:۱۵۸۷...... کنز العمال:۶/۶۳۳ حدیث:۱۷۱۵۱۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی:۳۴/۴۳۰...... کنز العمال من سنن الاقوال والافعال:۱۶/۱۲۸۔

حضرت سفیان بن عیینہ' حضرت عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اشفعوا تؤجروا فإن الرجل منکم یسألنی فأمنعه کیما تشفعوا و تؤجروا . (۱)

یعنی سفارش کیا کرو ثواب پاؤ گے؛ کیونکہ تم میں سے کوئی شخص جب مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے، تو میں اسے اس لیے منع کرتا ہوں تا کہ تم اس کی سفارش کرو اور اس پر اَجر کماؤ۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں :

الشفاعة یجزی أجرها لصاحبها ماجرت منفعتها .

یعنی سفارش کرنے والے کے حق میں اُس کا ثواب اُس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس کا نفع جاری رہے۔

حضرت مجاہد مندرجہ ذیل فرمانِ خداوندی :

مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّکُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّکُنۡ لَّهٗ کِفۡلٌ مِّنۡهَا o (سورۂ نساء:۴/۸۵)

جو شخص کوئی نیک سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے ثواب) سے حصہ (مقرر) ہے، اور جو کوئی بری سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے گناہ) سے حصہ (مقرر) ہے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ 'اس سے مراد لوگوں کا ایک دوسرے کے لیے سفارش کرنا ہے'۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اونٹ کا

(۱) سنن ابوداوٗد:۱۳/۳۴۱ حدیث:۴۴۶۷۔

سوال کیا تا کہ جہاد کے لیے اس پر سوار ہو؛ لیکن اس وقت آپ کے پاس اونٹ نہ تھا۔ تو

آپ نے اس کو ایک انصاری صحابی کے پاس بھیج دیا۔

وہ اُن کے پاس پہنچا۔ اپنا مطالبہ رکھا تو اس انصاری نے اسے اونٹ دے دیا۔ وہ شخص اونٹ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا :

الدال علی الخیر کفاعله . (۱)

یعنی نیک کام کی طرف رہنمائی کرنے والے کا اَجر نیک کام کرنے والے کے برابر ہے۔

عربی کی مشہور کہاوت ہے :

لکل شیء صدقة وصدقة الریاسة الشفاعة وإعانة الضعفاء.

یعنی ہر چیز کا ایک صدقہ ہوتا ہے اور ریاست کا صدقہ سفارش کرنا اور ضعیفوں کی اِمداد کرنا ہے۔

اربابِ دانش واَدب کا کہنا ہے :

من کان دخالاً علی الأمراء ولایکون متشفعا فهو دعي .

یعنی جو شخص اُمرا وسلاطین کے دربار میں باریاب ہوتا رہتا ہو اور لوگوں کی سفارش نہ کرتا ہو تو سمجھو وہ ولدالزنا (حرامی) ہے۔

حضرت جعفر بن محمد روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ 'میرے بندوں میں سے ایک بندہ محض ایک نیکی لے کر آئے گا، اور میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا'۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۲۷۹/۹ حدیث: ۲۵۹۴ ...... مسند احمد بن حنبل: ۴۷/۱ حدیث: ۲۱۹۴۹ ...... مشکل الآثار طحاوی: ۸۰/۴ حدیث: ۱۳۳۴ ...... معجم ابن عساکر: ۲۳۱/۱۔

حضرت داوٗد نے عرض کی: اے رب! وہ نیکی کون سی ہے؟۔ فرمایا :

من یفرج عن مؤمن کربة ولو بشق تمرة .
یعنی جوکسی مسلمان کی مشکل آسان کردے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے۔

باب نمبر81: قصداً قتل کرنے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمانے اس شخص کی بابت اختلاف کیا ہے جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ بعض نے کہا: وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ وہ شخص اللہ کی مشیت میں ہے، چاہے تو بخش دے اور اگر چاہے تو عذاب کرے۔

جو کہتے ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، ان کی دلیل یہ ہے کہ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں موجود تھا - اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب وہ نابینا ہو گئے تھے - تو ان کی خدمت میں ایک شخص آ کر پوچھنے لگا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو؟۔ فرمایا: 'اس کی جزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے'۔

اس شخص نے کہا: اگر چہ وہ توبہ کر لے اور ایمان لے آئے پھر ہدایت یافتہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: 'اس کے لیے ہدایت کہاں!۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اس تعلق سے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے اور اس آیت کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہ کیا یہاں تک کہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول ہے، ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰـهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ o (سورۂ نساء:۴/۴۸)

بیشک اللہ اِس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

وَالَّـذِیْـنَ لَا یَـدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ o (سورۂ فرقان:۲۵/۶۸)

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ (ہی) کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیرِ حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے۔

پھر اللہ پاک نے اس آیت کے آخر میں فرمایا :

اِلَّا مَنْ تَـابَ وَ اٰمَـنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ o (سورۂ فرقان:۲۵/۷۰)

مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

اور مذکورہ آیت کریمہ (**وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالداً فِیهَا**) کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ یہ آیت مقیس بن جبابۃ فہری کے حق میں نازل ہوئی تھی، جس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فرمان: **فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ** کا معنی یہ ہے کہ اس کی جزا جہنم ہے اگر جزا دی جائے؛ لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ اس کو- اِن شاء اللہ- یہ جزا نہ

دے گا۔اور یہ معنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے مطابق ہے جسے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

من وعده اللّٰه تعالىٰ على عمل ثوابا فهو منجز له، ومن أوعده على عمل عقابا فهو بالخيار . (۱)

یعنی جس سے اللہ نے کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کیا ہے تو وہ وعدہ ضرور پورا کرے گا، اور جس سے کسی عمل پر عذاب کا وعدہ کیا ہے تو اس میں اللہ کی مشیت پر ہے (چاہے عذاب کرے، چاہے نہ کرے)۔

خودکشی کرنا کیسا؟

یوں ہی اگر کسی نے اپنے آپ کو جان سے مار ڈالا (یعنی خودکشی کر لی) تو بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔اور بعض کے نزدیک وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت پر ہے، جو چاہے کرے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری،اعمش وابوصالح کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من قتل نفسه بسم فسمه بيده يتحساه في نار جهنم خالدا فيها مخلدا أبدا، ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته بيده يجئها في بطنه في نار جهنم خالدا فيها مخلدا أبدا مؤبدا ومن تردى بنفسه من جبل فمات فهو يتردى في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبدا .

(۱) الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ:۲۹/۵ حدیث:۱۹۵۴......معجم اوسط طبرانی:۳۳۲/۱۸ حدیث:۸۷۵۳......مسند ابویعلی موصلی:۳۴۱/۷ حدیث:۳۲۲۷......مشکل الآثار طحاوی:۷۰/۹ حدیث:۳۴۳۶۔

یعنی جس نے اپنے آپ کو زہر سے مار ڈالا تو اس کے ہاتھ میں زہر ہوگا اور

اس کو پیتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیش جہنم کی آگ میں رہے گا۔ اور جس نے اپنے آپ کو کسی لوہے کی چیز سے قتل کیا، تو وہی چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی اور اپنے پیٹ میں اسے مارتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیش نارِ جہنم میں پڑا رہے گا۔ اور جس نے خود کو کسی پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر لیا تو وہ یوں ہی ہمیشہ ہمیش آتش جہنم کے اندر پلٹیاں کھاتا رہے گا۔(۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من قتل نفسه بشيىء عذب به يوم القيمة . (۲)

یعنی جس نے اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کیا تو اس چیز سے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مشیت پر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ o (سورۂ نساء:۴/۴۸)

اور (شرک) سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اور مذکورہ احادیث ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

لعن المؤمن كقتله .

یعنی مسلمان پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۴/۱۸/۷حدیث: ۵۳۳۳...... صحیح مسلم : ۲۸۲/۱ حدیث: ۱۵۸......سنن ابوداؤد:۳۶۹/۱۰ حدیث:۳۳۷۴......سنن ترمذی:۳۶۰/۷حدیث:۱۹۶۷......سنن نسائی:۵۷/۷حدیث:۱۹۳۹۔

(۲) صحیح مسلم:۲۸۱/۱ترجمة الباب...... مسنداحمد:۱۳۴/۳۳حدیث: ۱۵۷۹۷......معجم کبیر طبرانی:۸۰/۲ حدیث:۱۳۱۳......مستخرج ابوعوانہ:۱۰۹/۱حدیث:۱۰۰......مسند شافعی:۳۳۴/۲حدیث:۸۰۹۔

حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر . (١)

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

تو جس طرح یہ دونوں حدیثیں خوف دلانے کے لیے وارد ہوئی ہیں اسی طرح اُن احادیث کو بھی سمجھنا چاہیے؛ یعنی قاتل اللہ کی مشیت پر ہے، چاہے چھوڑ دے اور چاہے تو گرفت فرمائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 82: بچوں کو چومنا کیسا؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چھوٹے بچوں کا بوسہ لینے میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اس میں ثواب ہے؛ اس لیے کہ اس میں اپنے بچے پر شفقت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من لم يوقر كبيرنا ولم يرحم صغيرنا فليس منا . (٢)

یعنی جو ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے، اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت محمد بن اسود اپنے والد اسود بن خلف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی کو اپنی مبارک گود میں لیا اور انھیں بوسہ دیا، پھر صحابۂ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

---

(١) صحیح بخاری:۱/۸۴حدیث:۴۶......صحیح مسلم:۱/۲۰۲حدیث:۹۷......سنن ترمذی:۷/۲۵۵ حدیث:۱۹۰۶......سنن نسائی:۱۲/۴۷۷حدیث:۴۰۳۶......سنن ابن ماجہ:۱/۸۷حدیث:۶۸۔

(٢) سنن ابوداؤد:۱۳/۱۰۵حدیث:۴۲۹۲......سنن ترمذی:۷/۱۵۵حدیث:۱۸۴۲......مسند احمد:۱۳/۳۸۳ حدیث:۶۴۴۵......بغیۃ الحارث:۱/۲۵۱حدیث:۷۹۹......مستدرک حاکم:۱۷/۱۹۸حدیث:۷۴۶۰۔

إن الولد مبخلة مجبنة محزنة . (١)

یعنی اولاد انسان کو کنجوس، بزدل اور غمگین بنا دیتی ہے۔

حضرت اشعث بن قیس کندی بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إنهم لمبخلة مجبنة محزنة، وإنهم لثمرة الفؤاد وقرة العين.(۱)

یعنی بلاشبہ اولاد آدمی کو بخیل، بزدل اور غمگین بنا دیتی ہے، اور وہ یقیناً آدمی کے دل کو پھل، اور اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو کسی کام پر عامل مقرر کیا۔ وہ شخص ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی کو گود میں لیا ہے اور پیار کر رہے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ میرے کئی بچے ہیں اور میں کسی ایک کو بھی پیار نہیں کرتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تجھے چھوٹوں پر رحم نہ آیا تو بڑوں پر کیونکر آئے گا؛ لٰہذا ہمارا کام ہمیں واپس کر اور اپنی راہ لے۔ چنانچہ آپ نے اس کو معزول کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ بوسہ پانچ طرح کا ہوتا ہے۔

بوسۂ مودت۔ بوسۂ رحمت۔ بوسۂ شفقت۔ بوسۂ شہوت۔ بوسۂ تحیت۔

(1) بوسۂ مودت یہ ہے کہ ماں باپ اولاد کے رخسار پر بوسہ دیں۔

(2) بوسۂ رحمت یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کے سر پر بوسہ دے۔

(۱) سنن ابن ماجہ:۱۱/۵۹ حدیث:۳۶۵۶......مسند احمد:۳۵/۴۴۱ حدیث:۱۶۹۰۴......مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۱۴۱ حدیث:۲۰۱۴۵......مسند شہاب قضاعی:۱/۴۱ حدیث:۲۵۔

(۲) معجم کبیر طبرانی:۱/۲۸۳ حدیث:۶۴۴......سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۲۰۲۔

(3) بوسۂ شفقت یہ ہے کہ بہن بھائی کی پیشانی پر بوسہ دے۔

(4) بوسۂ شہوت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے منہ یا چہرہ پر بوسہ دے۔

(5) بوسۂ تحیت یہ ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ پر بوسہ دیں۔

بعض علما نے مردوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دینے کو ناجائز کہا ہے، اوران کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوسہ لینے اور گلے لگنے سے منع فرمایا ہے۔ اور بعض علما نے اس کی رخصت دی ہے اوراسی پر ہمارا عمل درآمد ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس تشریف لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اوران کو گلے لگایا اور اُن کی پیشانی پر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

یوں ہی صحابۂ کرام کا معمول تھا کہ جب وہ سفر سے آیا کرتے تھے تو ایک دوسرے سے گلے ملتے اور ایک دوسرے کو بوسہ دیتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

التمسوا الولد فإنه ثمرة القلوب و قرة العين و إياكم والعجوز العقيم . (۱)

یعنی اولاد کی فکر کرو؛ اس لیے کہ اولاد دلوں کا پھل، اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اور بڑھیا بانجھ سے دور بھاگو۔

روایتوں میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أولادنا أكبادنا .

یعنی ہماری اولاد ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔

(۱) کنز العمال من سنن الاقوال والافعال: ۱۶/۲۸۸ حدیث: ۴۴۵۱۵۔

اسی مضمون کو شاعر نے یوں جامہ شعر پہنایا ہے ۔

من سره الدهــر أن يـرى كبـده

يـمشي على الأرض فليرى ولده

یعنی جس کسی کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ اس کا جگر زمین پر چلے پھرے، اس کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو دیکھے۔

باب نمبر 83: دف بجانے کا اِسلامی تصور

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علما نے نکاح کے وقت دف بجانے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کچھ مضائقہ نہیں جبکہ بعض نے کہا کہ ناجائز ہے۔

جائز ماننے والوں کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أعلنوا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف. (۱)

یعنی نکاح کا اعلان کرو، اور نکاح مسجد میں کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔

حضرت محمد بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الفصل بين الحلال والحرام ضرب الدف و رفع الصوت في النكاح. (۲)

(۱) صحیح ابن حبان: ۱۳۵/۱۷ حدیث: ۴۱۴۲ ...... کنز العمال: ۲۹۱/۱۶ حدیث: ۴۴۵۳۵۔

(۲) ترمذی: ۲۶۷/۴ حدیث: ۱۰۰۸ ...... سنن نسائی: ۲۸/۱۱ حدیث ۳۳۱۶ ...... سنن ابن ماجہ: ۸/۶ حدیث: ۱۸۸۶ ...... کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۹۵/۱۶ حدیث: ۴۴۵۵۲۔

یعنی دف بجا کر حلال و حرام میں فاصلہ کرو اور نکاح میں آواز بلند کرو۔

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی دف کی آواز سنتے تو آپ کو برا معلوم ہوتا اور پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟۔اب اگر لوگ کہتے کہ تقریبِ نکاح یا ختنہ کے سبب سے ہے،تو خاموشی اِختیار فرماتے۔

حضرت ہشام بن عروہ بواسطہ اپنے والد کے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک دن تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے پاس دو بچیاں عید کے دن دف سے کھیل رہی تھیں،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے۔حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو جھڑکتے ہوئے فرمایا :

أ تفعلين هٰذا ورسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه واٰله وسلم جالس.

یعنی کیا تم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کر رہی ہو؟.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

يا أبابكر فإن لكل قوم عيدا وهٰذا عيدنا .(۱)

یعنی اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہمارا عید کا دن ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک جگہ نکاح میں تشریف لے گئیں جب واپس لوٹیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

هل قلت شيئا .

یعنی کیا تم نے شادی میں کچھ گایا؟۔

عرض کی: جی ہاں، یہ گایا تھا :

---

(۱) صحیح بخاری:۱۲/۳۱۷حدیث:۳۶۳۸......صحیح مسلم:۴/۴۱۴ حدیث:۱۴۷۹......سنن نسائی:۶/۵۳ حدیث:۱۵۷۵......سنن ابن ماجہ:۶/۱۱حدیث:۱۸۸۸......صحیح ابن حبان:۲۴/۲۹۱حدیث:۵۹۷۴۔

أتينـــاكم أتينـــاكم فحيـــونا نحييـــكم

فلولا العجوة السوداء　　　لمـــا كنـا بواديـكم

یعنی ہم تمہارے ہاں آئے، ہم تمہارے ہاں آئے، تو تم ہمیں سلام کرو اور ہم تمہیں سلام کریں۔ اگر عجوۂ سیاہ نہ ہوتی تو ہم تمہارے جنگل میں کہاں ہوتے۔

اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هلا قلت ۔

فلـو لا طاعة الرحمن　　　مـــا كنـــا بواديـــكم

یعنی تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ 'اگر رحمٰن کی اطاعت نہ ہوتی تو ہم تمہارے جنگل میں کہاں ہوتے۔

حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے ختنے کرائے تو گانے بجانے والوں کو بلا کر پانچ درہم دیے۔

اور نا جائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كـل لهـو لـلـمـؤمـن بـاطل إلا ثلثة: تأديبه فرسه، ورميه عن قوسه، وملاعبته مع أهله . (۱)

یعنی ہر لغو کام مومن کے لیے نا جائز ہے سوائے تین کھیلوں کے کہ یہ درست ہیں: گھوڑے کا سدھانا، تیر کمان کی مشق کرنا، اور اپنی بیوی کے ملاعبت کرنا۔

حضرت بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر آپ جہاد سے صحیح وسالم واپس تشریف

(۱)　کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۳۵/۴/۴ حدیث: ۱۰۸۶۳۔

لائے تو آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن فعلت ذلک فافعلي و الا فلا.

یعنی اگر تو نے نذر مانی ہے تو پوری کر لے؛ ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے تو یہ نذر مان لی ہے۔فرمایا: 'اضربی' بجاؤ۔

چنانچہ وہ بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے مگر وہ بدستور بجاتی رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اس نے دف کو پھینک دیا اور گھونگھٹ نکال کر بیٹھ گئی۔

یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إني لأحسب أن الشيطان يفر منک يا عمر .

یعنی اے عمر! میں سمجھتا ہوں کہ شیطان تجھے دیکھ بھاگ کھڑا ہوا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ 'اگر تو نے نذر مانی ہے تو بجاؤ؛ ورنہ رہنے دے' اس کی دلیل ہے کہ دف بجانا جائز نہیں۔

اور مذکورہ حدیث کہ 'اعلان کرو نکاح کا اور بوقت نکاح دف بجاؤ' کا جواب یہ ہے کہ یہ دراصل کنایہ ہے اظہارِ نکاح کا، دف کا بجانا حقیقتاً مراد نہیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں جو دف مع جانجھ اور گھونگھرو کے بجائی جاتی ہے وہ بالاتفاق مکروہ ہونی چاہیے۔ اور علما کا یہ اِختلاف صرف اس دف کے متعلق ہے جو پہلے زمانہ میں بغیر جانجھ کے بجائی جاتی تھی۔ واللہ اعلم۔

(۱) البدرالمنیر فی تخریج الاحادیث فی الشرح الکبیر:۹/۶۴۶......التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴/۴۸۷ حدیث:۲۱۲۳۔

باب نمبر 84 : اَمر بالمعروف کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہم پر واجب ہے؛ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لَوْ لَا یَنْہٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِہِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ o (سورۂ مائدہ:۵/۶۳)

انہیں (روحانی) درویش اور (دینی) علما ان کے قولِ گناہ اور اکلِ حرام سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بیشک وہ (بھی برائی کے خلاف آواز بلند نہ کرکے) جو کچھ تیار کر رہے ہیں بہت برا ہے۔

تو آپ دیکھیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ترک کرنے پر اُن کی مذمت فرمائی ہے۔ نیز فرمایا :

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ o (سورۂ آل عمران:۳/۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

و لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليسلطن الله عليكم شراركم على خياركم ثم يدعوا خياركم فلا يستجاب لهم . (۱)

یعنی تم نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے رہو؛ ورنہ اللہ تمہارے اچھوں پر بروں کو مسلط کردے گا، پھر اگر اچھے دعا بھی کریں گے تو ان کی دعا قبول نہ کی جائے گی۔

(۱) سنن ترمذی:۸/۵۷حدیث:۲۰۹۵......مسند ابویعلی موصلی:۱۰/۱۷۴حدیث:۴۷۸۹۔

اَمر بالمعروف کی کئی قسمیں ہیں: اگر غالب گمان یہ ہے کہ لوگ اس کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول کرلیں گے تو پھرامر بالمعروف اس پر واجب ہے، اوراس کے لیے خاموش رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

لیکن اگر غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں کچھ کہوں گا تو لوگ برا بھلا کہیں گے، اور باز نہ آئیں گے بلکہ اس کی تذلیل وتضحیک کریں گے تو امر بالمعروف نہ کرنا افضل ہے۔ یوں ہی اگر اس کا امکان ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے لوگ اسے ماریں گے اور اسے اس پر یارائے صبر نہ ہو سکے گا اوراس سے آپس میں دشمنی بڑھے گی اور لڑائی کا ماحول پیدا ہوگا تو پھر ایسے موقع پر امر بالمعروف کا ترک کرنا افضل ہے۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھے کہ اگر لوگ ماریں گے تو یہ صبر کرلے گا اور کسی سے شکایت نہ کرے گا تو پھر اس کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کچھ مضائقہ نہیں اور اب یہ شخص مجاہد ہوگا اور یہی انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام ہے۔

اور اگر یہ جانے کہ لوگ میرا کہنا نہ مانیں گے اوران سے سب وشتم کا کوئی خوف نہیں تو اب اختیار ہے، چاہے تو امر بالمعروف کرے اور چاہے تو نہ کرے؛ مگر امر بالمعروف کرنا اس کے حق میں افضل ہے۔

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا :

إذا رأى أحدكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان .

یعنی جب تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو (اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ) اسے اپنے ہاتھ سے روکے؛ تاہم اگر اس کی طاقت نہ ہو تو (متوسط درجہ یہ ہے کہ) زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو (کم از کم) دل میں برا

جانے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے.(یعنی یہ کمزور ایمان والے کا فعل ہے)۔(۱)

کسی نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ جس شہر میں چار قسم کے لوگ ہوں تو وہاں کے باشندے ہر قسم کے عذاب و بلا سے محفوظ رہیں گے :

۱) امام عادل کہ کسی پر کوئی زیادتی نہ کرے۔

۲) جادۂ مستقیم پر گامزن عالم۔

۳) شیوخ جو اچھائیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہوں، نیز لوگوں کو قرآن اور علم دین کی تعلیم پر ابھارتے ہوں۔

۴) پردہ نشیں خواتین جو عہد جاہلیت کی عورتوں کی مانند گلی کوچوں میں بے پردہ دندناتی پھریں۔

بعض اہل علم نے (مذکورہ حدیث کی) بڑی خوبصورت تطبیق یوں پیش کی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہاتھ سے کرنا اُمرا (اور سلاطین) کا کام ہے، زبان سے کرنا علما کا فریضہ ہے، اور دل سے (برا جاننا) عوام کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 85 : نکاح کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علما نے نکاح کے باب میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اسے فرض قرار دیا ہے، جب کہ بعض نے سنت کہا ہے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر نفس نکاح کی خواہش رکھتا ہو تو نکاح کرنا افضل ہے، اگر کر سکے۔ اور اگر نفس نکاح کی

(۱) صحیح مسلم: ۱/۱۶۷ حدیث: ۷۰...... سنن ابوداؤد: ۳/۳۶۰ حدیث: ۹۶۳...... سنن نسائی: ۱۵/۲۰۴ حدیث: ۴۹۲۲...... سنن ابن ماجہ: ۴/۱۵۲ حدیث: ۱۲۶۵۔

آرزو نہیں کرتا تو چاہے کرے، چاہے نہ کرے بلکہ (اس صورت میں) اگر مشغولِ عبادت رہے تو افضل ہے۔

نکاح کی فرضیت کا قول کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا کرتے، نیز مجرد (اور تنہا رہنے) سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ اس باب میں ارشادِ رسالت مآب کتنا واضح ہے :

تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيمة. (۱)

یعنی ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو خاوند کو دوست رکھیں اور کثرت سے بچے جنیں؛ کیونکہ میں روزِ قیامت تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر انبیاے کرام پر فخر کروں گا۔

ایک دوسری روایت میں فرمانِ ہدایت نشان ہے :

فإني مكاثر بكم الأمم . (۲)

یعنی میں تمہاری کثرت کے باعث دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔

اور نکاح کو سنت کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے عکاف بن وداعہ سے دریافت فرمایا :

ألک امرأة .

یعنی کیا تیرے پاس بیوی ہے؟۔

عرض کی: نہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۴۳۱/۵ حدیث: ۱۷۵۴...... مسند احمد بن حنبل: ۱۹۸/۲۵ حدیث: ۱۲۱۵۲...... مستدرک حاکم: ۲۹۲/۶ حدیث: ۲۶۳۵...... معجم الاوسط طبرانی: ۳۳۴/۱۱ حدیث: ۵۲۵۶۔

(۲) مستخرج ابوعوانہ: ۲۹۲/۸ حدیث: ۳۲۵۹...... مسند احمد بن حنبل: ۱۹۸/۲۵ حدیث: ۱۲۱۵۲۔

آپ نے پوچھا :

و لا جارية .

یعنی کیا لونڈی بھی نہیں ہے؟۔

انھوں نے عرض کی: نہیں۔

آپ نے پوچھا :

و أنت شباب مؤسر .

یعنی کیا تو مالدار نوجوان ہے؟۔

عرض کی: جی ہاں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

یہ سننے کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

تزوج فانک من إخوان الشياطين أو من رهبان النصارى فان كنت مومنا فافعل ما تفعل فان من سنتنا النكاح . (۱)

یعنی نکاح کرو؛ کیونکہ (اس کے بغیر) تو شیطان کا بھائی ہے یا عیسائی راہب؛ لہٰذا اگر تو مومن ہے تو ویسا کرجیسا ہم کرتے ہیں کیونکہ نکاح ہماری سنت ہے۔

لیکن اگر نفس کو نکاح کی خواہش نہ ہو تو پھر اس کے لیے عبادت افضل ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے :

وَسَيِّداً وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o (سورۂ آل عمران:۳/۳۹)

اور سردار ہوگا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا۔

اور 'حصور' اس کو کہتے ہیں جو عورت کے پاس نہ جائے، اس لیے نہیں کہ وہ نامرد ہے بلکہ اس لیے کہ رب عزوجل کی عبادت میں مشغولیت نے اس کی شہوت کو مار ڈالا ہے۔

---

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۶/۴۹۲ حدیث: ۴۵۶۰۹۔

اور (ایک مسلمان کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ) جب بھی وہ نکاح کرے تو کسی نیک پارسا عورت سے کرے۔ارشادِ رسالت مآب علیہ السلام ہے :

تتزوج المرأة لما لها وجمالها وحسبها ودينها فعليك بذات الدين تربت يداك . (۱)

یعنی عورت سے نکاح کیا جاتا ہے مال کی وجہ سے، جمال کی وجہ سے، حسب کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے، لہٰذا دین دار اور خوفِ خدا رکھنے والی عورت کا اپنے لیے انتخاب کرو، ورنہ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہو جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إياكم وخضراء الدمن .

یعنی سبز کوڑی سے بچو۔

عرض کیا گیا، یارسول اللہ! سبز کوڑی کیا ہے؟۔فرمایا :

المرأة الحسناء في منبت السوء . (۲)

یعنی خوبصورت عورت (لیکن) بد کردار اور بد سیرت ہو۔

بعض حکما کا کہنا ہے :

أفضل النساء أن تكون بهية من بعيد، مليحة من قريب، غذيت بالنعمة وأدركتها الحاجة، فخلق النعمة معها و ذل الحاجة فيها .

یعنی عورتوں میں سے وہ عورت افضل ہے جو دور سے اچھی معلوم ہو، اور قریب سے حسین و نمکین نظر آئے۔حالت عیش میں حاجت میں مبتلا ہو، تو اس کو نعمت کی عادت بھی ہو اور حاجت کی ذلت بھی۔

(۱) صحیح بخاری:۱۶/۳۳ حدیث: ۴۷۰۰......صحیح مسلم:۷/۳۸۸ حدیث: ۲۶۶۱......سنن ابوداؤد: ۵/۴۲۶ حدیث:۱۷۵۱......سنن ترمذی:۴/۲۶۳ حدیث:۱۰۰۶......سنن نسائی:۱۰/۲۳۴ حدیث:۳۱۷۴۔

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۶/۳۰۰ حدیث:۴۴۵۸۷......مسند فردوس دیلمی۔

باب نمبر 86 : کسب (پیشے) کا بیان

فقیہ ابواللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بعض علما پیشے کو ناجائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان پر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا اور اس پر توکل کرنا واجب ہے۔

جبکہ اکثر علما کا کہنا ہے کہ ایسا پیشہ کرنا واجب ہے جو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کافی ہو۔ اور اگر اس سے زیادہ کرے تو مباح ہے اور عبادت میں مشغول ہونا، حاجت سے زیادہ کمانے سے افضل ہے، اور اگر حاجت سے زیادہ کمانے میں مشغول ہو تو ایسا کرنا حرام نہ ہوگا بشرطیکہ فخر وتکبر کا اِرادہ نہ کرے، اور اس سے کسی فریضے کا ترک لازم نہ آئے۔

ان لوگوں کی دلیل - جو کہتے ہیں کہ محنت مزدوری میں مشغول نہ ہونا چاہیے - یہ ہے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا :

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (سورۂ ذاریات:۵۱/۵۶)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اِختیار کریں۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ اس نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے؛ لہٰذا مخلوق کو چاہیے کہ عبادت میں مشغول ہو نہ کہ محنت مزدوری میں۔ یوں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک مقام پر ارشاد فرمایا :

ما أوحی اللّٰہ إلي بأن أجمع المال و لا أکون من التاجرین و لکنہ أوحی إلی بأن سبح بحمد ربک و کن من الساجدین، واعبد ربک حتی یأتیک الیقین . (۱)

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۳/۲۴۵ حدیث:۶۳۷۴۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نہیں فرمایا کہ میں مال جمع کروں یا سوداگر بنوں بلکہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کی تسبیح بیان کروں اور سجدہ گزاروں میں سے ہوں۔ (نیز فرماتا ہے: 'اور عبادت کرو اپنے رب کی حتی تک کہ مقام یقین حاصل کرو'۔

اور جن لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ 'اپنی اور اپنی عیال کے لیے محنت مزدوری کرنا واجب ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے بہت سے کام فرض کیے ہیں؛ مگر وہ فرض آدمی سے بغیر لباس اور کھانے کے اَدا نہیں ہو سکتے، اور روزی ولباس بغیر محنت مزدوری کے میسر نہیں آسکتے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فَـاِذَا قُـضِيَـتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۝ (سورۂ جمعہ:۶۲/۱۰)

پھر جب نماز اَدا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

تبايعوا بالبز فإن أباكم كان بزازا .

یعنی کپڑے کا کاروبار کرو؛ کیوں کہ تمہارے باپ (ابراہیم خلیل علیہ السلام) بزاز (یعنی ایک کپڑا فروش) تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا :

من ترک السوق ذهبت مروء ته وساء خلقه .

یعنی جس نے بازار کی محنت مزدوری چھوڑ دی اس کی مروت چلی گئی، اور اس کے اخلاق برے ہو گئے۔

حضرت ابراہیم بن یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا :

علیک بالسوق فإنه عز لصاحبه .

یعنی بازار کو تجارت یا مزدوری کے لیے جایا کرو، کیونکہ یہ عزت کی بات ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ترکِ کسب تین وجہ سے ہوتا ہے :

۱: کسل یا سستی کی وجہ سے۔

۲: تقویٰ کی وجہ سے۔

۳: عار اور شرم کی وجہ سے۔

تو جو کوئی روزی روٹی کو سستی کی وجہ سے چھوڑ دے گا وہ ایک دن ضرور سوال پر اُتر آئے گا۔ اور جو تقویٰ کی وجہ سے چھوڑ دے گا تو وہ ضرور طمع میں گرفتار ہوگا، اور جو عیب سمجھ کر چھوڑے گا تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور چوری کو اختیار کرے گا۔

تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ تین چیزوں کا کوئی علاج نہیں: ایک تو بڑھاپے میں بیماری کا۔ دوسرا حسد کی کوکھ سے جنم لینے والی دشمنی کا۔ تیسرا سستی کے باعث آنے والی مفلسی کا۔

حکیم ابوالقاسم رحمہ اللہ نے فرمایا :

کسب الحلال یجمل ذا الفاقة العفیف، ویستر المقتر الضعیف، ویقطع لسان ذي الاحنة السخیف .

یعنی کسب حلال درویش پارسا کے لیے زینت ہے۔ تنگ دست ضعیف کے لیے پردہ ہے، اور کینہ ور بدذات کی زبان کو بند کرنے والا ہے۔

کسی دانا نے بڑی پیاری بات کہی ہے :

لکل شيء حلیة وزینة وحلیة الشاب وزینته أن یکون وراء عمله .

یعنی ہر چیز کے لیے ایک زیور اور زینت ہے، اور جوان کا زیور اور زینت یہ ہے کہ اپنی قوتِ بازو سے رزق کمائے۔

منقول ہے کہ جس شخص میں مندرجہ ذیل چھ خصلتیں پائی جائیں اس کو سردار سمجھنا چاہیے۔ان میں سے تین گھر کے باہر اور تین گھر کے اندر ہونی چاہئیں۔

گھر کے باہر کی خصلتوں میں سے پہلی یہ ہے کہ علما سے دینی استفادہ کرے۔دوسری یہ کہ دین دار لوگوں سے رابطہ رکھے۔تیسری یہ ہے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رزقِ حلال کمائے۔

اور گھر کے اندر کی خصلتیں یہ ہونی چاہئیں کہ جو باتیں اس نے دین کی علما سے سنی ہیں اپنے گھر والوں سے بیان کرے۔دوسری یہ کہ جو کام دین دار لوگوں کو کرتے دیکھا ہے وہ خود بھی کرے۔اور تیسری یہ کہ اپنے گھر والوں پر کھانے پینے،اور پہننے اوڑھنے میں بقدرِ حاجت فراخی کرے۔

باب نمبر 87 : طب وحکمت کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کے لیے مستحب ہے کہ علم طب کی کم از کم اتنی معلومات ضرور حاصل کرلے جس سے مضرِ صحت اَشیا سے بچ سکے۔

حکمائے اِسلام فرماتے ہیں کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے:علم الادیان یعنی دین کا علم۔اور علم الابدان یعنی بدن کا علم۔

توجس طرح ہر آدمی کے لیے دین کا علم اس قدر حاصل کرنا ضروری ہے کہ وہ اُمورِ دین بخیر وخوبی انجام دے سکے، اسی طرح اتنی مقدار طب کو جان لینا بھی اس پر ضروری ہے جس سے اپنے بدن کی اصلاح کر سکے،اور نقصان دہ چیزوں سے بچ سکے؛ کیونکہ مضر اشیا سے بچنا مروت میں داخل ہے۔

اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ طب میں پرہیز سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں،اور بعض

صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو فرمایا کہ کیا تمہیں ایسی طب نہ بتاؤں جس سے تمام اطبا عاجز ہوں، ایسا علم جس سے جملہ علما درماندہ ہوں اور ایسی حکمت جس میں سارے حکما عاجز ہوں؟۔ کہا گیا، کیوں نہیں!۔ تو فرمایا:

'وہ طب یہ ہے کہ تو دستر خوان پر اس وقت بیٹھے جب خوب بھوک لگی ہو اور ابھی بھوک کا اِحساس باقی ہو تبھی اُٹھ جائے۔

وہ علم جس میں علما درماندہ ہیں یہ ہے کہ جب تجھ سے ایسی چیز کا سوال کیا جائے کہ تو جانتا نہیں تو کہہ دے: 'واللہ اعلم' (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

اور وہ حکمت جس سے تمام حکما عاجز ہیں یہ ہے کہ جب تو کسی مجلس میں بیٹھے تو خاموش بیٹھا رہے۔ اگر اچھی باتیں کریں تو تو بھی ہاں میں ہاں ملا، اور اگر بری باتیں کریں تو وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو۔

منقول ہے کہ ایک شخص جو کہ متقدمین میں سے تھے، اور کافی لمبی عمر پائی تھی۔ ان سے درازیِ عمر کا راز پوچھا گیا تو فرمایا: جب ہم پکاتے ہیں تو کھانے کو خوب گلاتے ہیں۔ یوں ہی جب کھاتے ہیں تو خوب کوچ کر کھاتے ہیں، اور ابھی پیٹ بھرا بھی نہیں ہوتا کہ کھانے سے ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ دن کا کھانا وہ بہتر ہے جب کھاتے ہی لیٹ رہے، اور رات کا کھانا وہ بہتر ہے جس کے بعد چہل قدمی کی جائے۔

حضرت زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پانچ چیزیں نسیان (بھولنے کا مرض) پیدا کرتی ہیں:

۱) کھٹے سیب کھانا۔ ۲) ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنا۔ ۳) گدی میں پچھنے لگوانا۔ ۴) جوؤں کو زمین پر پھینک دینا۔ ۵) چوہے کا جھوٹا پینا۔

اس باب میں یہ بھی آیا ہے کہ قبروں پر کندہ تحریروں کو پڑھنا، دھنیا کھانا، عورتوں کے درمیان چلنا اور ستر کو دیکھنا بھی باعث نسیان ہوتا ہے۔

حضرت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

علیکم بالسواک فإن فیه عشر خصال: مطهرة للفم، و مرضاة للرب تعالی، و مفرحة للملائکة، و مجلاة للبصر، و یبیض الأسنان، و یشد اللثة، و یذهب الحفر، ویهضم الطعام، و یقطع البلغم، و تحضره الملائکة، وتضاعف فیه الصلوة، ویرغم الشیاطین. (۱)

یعنی مسواک کو اپنے اوپر لازم کرلو، اس لیے کہ اس میں دس فائدے ہیں: یہ منہ کو پاک کرنے والی ہے، اللہ کی رضا کا موجب ہے، فرشتوں کو خوش کرتی ہے، بینائی کو جلا بخشتی ہے، دانتوں کو چمکاتی ہے، مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے، غم کو دور کرتی ہے، کھانا ہضم کراتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے اور فرشتوں کی سواری لاتی ہے، نماز کا ثواب بڑھاتی ہے، اور شیطان کو خاک آلود کرتی ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ جس نے زرد رنگ کا جوتا پہنا وہ ہمیشہ خوش وخرم رہے گا؛ کیونکہ ارشادِ رب العزت ہے :

صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ o (سورۂ بقرہ:۲/۶۹)

زرد رنگ کی ، جس کی رنگت خوب گہری (اور ایسی جاذبِ نظر) ہو کہ دیکھنے والوں کو بہت بھلی لگے۔

یہ بھی آتا ہے کہ 'جس نے سیاہ جوتا پہنا وہ ہمیشہ رنج والم میں رہے گا'۔

(۱) شعب الایمان بیہقی:۶/۲۹۷ حدیث:۲۶۵۷......کنز العمال:۹/۳۲۰ حدیث:۲۶۲۲۳۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من تختم بعقیق لم یزل فی برکة و سرور . (۱)

یعنی جس نے عقیق کے نگینہ والی انگوٹھی پہنی وہ ہمیشہ خوش وخرم اور قابل رشک رہے گا۔

منقول ہے کہ گھر میں کپڑے سے جھاڑ و دینا مفلسی اور نحوست لاتا ہے، اپنے پڑوسی کو خمیر نہ دینا بے برکتی اور افلاس کا باعث ہے، مکڑی کے جالے سے گھر کا صاف نہ رکھنا افلاس لاتا ہے، اور جب طویلہ مکڑی کے جالوں سے صاف نہ رکھا جائے تو چوپائے دبلے رہیں گے۔

یہ بھی آیا ہے کہ جاری پانی کو دیکھنا، سرسبزی وشادابی پر نگاہ کرنا، خوبصورت آدمی کا دیدار کرنا، ماں باپ کا چہرہ تکتے رہنا، نماز میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنا، اور نرنج وسرخ کبوتر کو دیکھنا بینائی کو جلا اور روشنی بخشتا ہے۔

منقول ہے کہ موسم گرما میں آگ کے اندر پانچ خوبیاں ہوتی ہیں :

۱: سردی کو دفع کرتی ہے۔ ۲: چہرے کو رونق بخشتی ہے۔ ۳: کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ ۴: تھکن کو دور کرتی ہے۔ ۵: اور وحشت میں مونس جاں ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں :

من أراد البقاء والابقاء فليباكر الغداء وليؤخر العشاء، وليقل من غشيان النساء، وليخفف الرداء .

یعنی جو باقی رہنے اور باقی رکھنے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ دوپہر کا کھانا جلدی کھائے، اور رات کا دیر سے۔ یوں ہی عورتوں سے جماع کم کیا کرے اور چادر کم پھیلایا کرے۔

---

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۶/۶۶۳ حدیث: ۱۷۲۸۵۔

کسی نے پوچھا کہ 'خفة الرداء' سے کیا مراد ہے؟، تو فرمایا :

قلة الدّين .

یعنی 'قرض کی کمی'۔

باب نمبر 88 : نقصان دہ چیزوں سے پرہیز

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کا بدن موسم خریف اور جھاڑے (سردی) میں زیادہ مقدار میں کھانے کی اہلیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ ان دونوں موسموں میں معدہ گرم ہوتا ہے؛ اس لیے کھانے کو خوب ہضم کرتا ہے۔ اور موسم گرما و بہار میں معدہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اس لیے کھانے کا اٹھانا اس کے لیے دشوار ہوتا ہے، اور ہاضمے کی صلاحیت کی بہت کم ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موسم گرما میں کثرت سے ٹھنڈا پانی پینا کم نقصان کرتا ہے، مگر موسم سرما میں زیادہ پانی نقصان دہ ہوتا ہے؛ اس لیے موسم سرما میں کم پینا چاہیے۔

آدمی کو چاہیے کہ رات کو سوتے سے اُٹھ کر پانی نہ پیے ؛ کیونکہ اس وقت کا پانی معدہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور اس سے بہت سی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کسی شخص پر حرارت غالب ہو یا اس کو بخار ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

یوں ہی جب سونے کا اِرادہ ہو اور پیٹ بھرا ہوا ہو تو اول دائیں کروٹ سنت کے موافق ہی سوئے، پھر بائیں کروٹ لے؛ کیونکہ اس طرح کھانا خوب ہضم ہوتا ہے اور کروٹیں بدلتے رہنا زیادہ مفید ہے۔

اسی طرح بھرے پیٹ سونا بھی نامناسب ہے؛ کیوں اس سے دل میں قساوت اور سختی پیدا ہوتی ہے۔ ارشادِ رسالت مآب علیہ السلام ہے :

أذيبوا طعامكم بالصلوٰة ولاتناموا عليه فتقسوا قلوبكم . (۱)

یعنی نماز کے ذریعہ اپنے کھانوں کو ہضم کرلیا کرو، اور بھرے پیٹ نہ سویا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔

آدمی کو چاہیے کہ پیٹ کے بل نہ سوئے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل سوتے دیکھا تو آپ نے اس کو پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے فرمایا :

لا تضطجع هكذا فان هذه ضجعة يبغضها اللّٰه تعالى .

یعنی اس طرح نہ لیٹا کرو کہ اس وضع کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

اگر کسی آدمی کا پیٹ زیادہ بھرا ہو، اور اس کو درد کا اندیشہ ہے تو پھر کھانا ہضم ہونے کی خاطر پیٹ کے نیچے تکیہ رکھ کر سونے میں کچھ مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ اس کو عذر ہے اور قاعدہ کلیہ ہے :

الضرورات تبيح المحظورات .

یعنی ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

ہاں! اس کو یہ ضرور چاہیے کہ آئندہ زیادہ کھانے سے باز رہے۔

منقول ہے کہ کھانے سے پہلے ٹھنڈا پانی پینا معدہ کی حرارت کو بجھا دیتا ہے، اور کھانے کے بعد پینا معدہ کو گرم کرتا ہے اور بدن کو موٹا کرتا ہے۔

جب کسی شخص نے کوئی میوہ مثلاً سیب، زردآلو، انگور اور منقی وغیرہ کھایا ہو تو اس کو فوراً پانی نہ پینا چاہیے؛ کیونکہ اس سے معدہ خراب ہو جائے گا۔ ہاں! گھنٹہ دو گھنٹہ صبر کرکے پھر پیے؛ کیونکہ اس میں نقصان کم ہے۔

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۵/۲۴۵ حدیث: ۴۰۷۷۳۔

جب کسی نے گرما گرم چاول کھائے یا کسی قسم کا حلوہ گرما گرم یا ٹھنڈا کھایا تو فوراً ٹھنڈا پانی نہ پیے کہ یہ دانتوں کے لیے نقصان دہ ہے، اور جب پانی پینے کا ارادہ کرے تو پہلے ایک دولقمہ روٹی کے کھالے پھر پانی پیے ؛ کیونکہ اس میں ضرر کم ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مچھلی کے ساتھ گرما گرم روٹی پیٹ میں کیڑے پیدا کرتی ہے۔

ابن مقفع (جو چوتھی صدی کا عظیم طبیب ہوا ہے) نے کہا کہ جس نے چالیس دن تک پیاز کھایا اور اس کے منہ پر چھائیاں نکل آئیں تو وہ کسی اور کو نہیں، خود اپنے آپ کو ملامت کرے۔

اگر کسی نے فصد کھلوائی اور پھر اس کے بعد نمکین کھانا کھایا، اور خارش ہوگئی تو وہ خود اپنی سرزنش کرے۔

جس نے اپنے پیٹ میں مچھلی اور دودھ کو جمع کیا اور اس کو برص ہو گیا تو اپنے نفس کو ملامت کرے۔

جس نے مچھلی اور انڈہ ایک وقت میں کھایا اور اس کو داڑھوں میں درد ہو جائے تو اپنے نفس کو ہی برا بھلا کہے۔

جس نے اپنے پیٹ میں نبیذ (شراب) اور دودھ جمع کیا پھر اس کو برص ہو گیا تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

جب کوئی شخص کھانا کھائے تو درمیان میں پانی نہ پیے، جب کھانے سے فارغ ہو جائے تب پیے ؛ کیوں کہ اس میں ضرر کم ہے۔

یوں ہی بادروج کثرت سے کھانا بینائی کو کمزور کر دیتا ہے۔ یوں ہی انسان کو چاہیے کہ دودھ کو کھٹائی، ساگ اور میووں کے ساتھ جمع نہ کرے۔

منقول ہے کہ میوہ کھانے سے پہلے کھانا کم نقصان کرتا ہے اور بعد میں زیادہ ضرر کرتا

ہے۔ آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ ایک وقت میں کنوئیں اور نہر کا پانی پیئے، جب پہلا پانی ہضم ہو چکے پھر دوسرا پانی پیے۔

آدمی کو بار بار نہ کھانا چاہیے، بلکہ ایک بندھے وقت پر کھائے؛ کیونکہ جب آدمی متفرق اوقات میں کھائے گا تو دوسرا کھانا پہلے کھانے کے ہضم ہونے سے قبل معدہ میں جائے گا جو معدے کی کمزوری کا باعث ہوگا۔

منقول ہے کہ چار چیزیں انجام اچھا ہونے کے بعد ہی قابل تعریف ہوتی ہیں :

۱: کھانا جب تک ہضم نہ ہو قابل تعریف نہیں۔

۲: جنگ کرنے والا جب تک جنگ سے واپس نہ آئے۔

۳: کھیتی جب تک پک نہ جائے۔

۴: عورت جب تک مر نہ جائے۔

کہا جاتا ہے کہ گرم اوقات میں گوشت بکثرت کھانا بیماریوں کو پیدا کرتا ہے، اور منقول ہے کہ گرم توے کی پکی ہوئی روٹی کھانا زیادہ نقصان دہ ہے، اور جب تھوڑی دیر گزر جائے اور ابھی سخت نہیں ہوئی تو کم مضر ہے۔

منقول ہے کہ اخروٹ اور تازہ کھجور کھانا اس حال میں کہ پیٹ بھرا ہوا ہو، تخمہ اور بد ہضمی پیدا کرتا ہے۔ اور روٹی کے ساتھ بادام کھانا یا تنہا بادام کھانا ہضم میں دیر لگاتا ہے۔ فطیری، فرصاد اور زرد آلود کی روٹی نہار منہ کھانے میں مضائقہ نہیں، اور کھانے کے بعد کھانا مرض پیدا کرتا ہے اور زرد آلود جب خوب پکا ہوا نہ ہو تو معدہ کو ضعیف کرتا ہے اور چھالیہ کا بکثرت استعمال مسوڑھوں کے لیے مضر ہے۔ اسی طرح منقی اور تمام میٹھی چیزیں بھی۔

انجیر بکثرت کھانے سے جوئیں پیدا ہوتی ہیں اور نمکین کھانے کا بکثرت استعمال بینائی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جب کسی شخص نے سفر کیا اور کسی نئے شہر میں داخل ہوا تو پہلے سرکہ اور پیاز کھائے تا کہ اس شہر کی آب و ہوا اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

پیاز کا کثرتِ استعمال بلغم کو بڑھاتا ہے، اور آنکھوں میں سیاہی لاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیز و ترش چیزیں بکثرت کھانا بڑھاپا جلد لاتی ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ روغن وغیرہ چکنی چیزیں کھائے؛ کیونکہ یہ عقل کو درست رکھتی ہیں، اور شیریں چیز بردباری کو زیادہ کرتی ہے، مگر کثرتِ شیرینی دانتوں کے لیے مضر ہے۔

منقول ہے کہ مسور دل کو نرم کرتی ہے اور خون کی رطوبت کو جذب کرتی ہے اور اس کی کثرت میں ضرر کا اندیشہ ہے۔ اور درازکدو دماغ کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں :

من ابتدأ غداء ہ بالملح وختم به أذهب الله عنه سبعين نوعا من البلاء .

یعنی جو کھانے کے اول و آخر نمک کھالے تو اللہ اس کو ستر بیماریوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔

آگے فرمایا :

من أكل كل يوم سبع تمرات عجوة قتلت كل دودة فی جوفه، ومن أكل كل يوم إحدى وعشرين زبيبة حمراء لم ير فی جسده شيئا يكرهه إلا مرض الموت.

یعنی جو شخص ہر روز سات عدد عجوہ کھجوریں کھائے تو اس کے پیٹ کا ہر کیڑا مرجائے گا۔ اور جو کوئی اکیس عدد منقی کھائے گا تو اس کے بدن میں کوئی مرض باقی نہ رہے گا، سوائے مرض الموت کے۔

مزید فرمایا :

اللحم ينبت اللحم، والثريد طعام العرب، والباجات يعظمن البطن و يرخين الإليتين، ولحم البقر داء ولبنها شفاء، وسمنها دواء، والشحم يخرج مثله من الداء، والسمک يذيب الجسد .

یعنی گوشت کھانا گوشت پیدا کرتا ہے۔ثرید اہل عرب کا کھانا ہے۔ باجات (ایک قسم کا کھانا) پیٹ کو بڑا کرتا ہے اور سرین کو لٹکا دیتا ہے۔ گائے کا گوشت بیماری پیدا کرتا ہے؛ مگر اس کا دودھ شفا ہے۔ یوں ہی اس کا گھی تو دوا ہے مگر اس کی چربی میں بیماری ہے۔اور مچھلی بدن کو گلا دیتی ہے۔

یہ تمام روایتیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

منقول ہے کہ خوشبو دماغ کو تیز کرتی ہے اور بینائی کو قوت دیتی ہے اور خوشبو کی کثرت اچھی نہیں کیونکہ یہ مرض پیدا کرتی ہے؛ بجز کافور اور گلاب جل کے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گلاب جلد بڑھاپا لاتا ہے۔

منقول ہے کہ نرم لباس خون کو زیادہ کرتا ہے، اور سخت لباس خون کی رطوبت کو جذب کر لیتا ہے۔

یہ بھی آیا ہے کہ خوشی کی شدت بہت جلد ہلاک کر دیتی ہے بہ نسبت غم کی شدت کے؛ کیوں کہ خوشی کی شدت بارد ہے اور برودت حرارت سے زیادہ مہلک ہے، اور غم کی طبیعت گرم ہے؛ اس لیے کہ وہ جگر سے پیدا ہوتا ہے۔

باب نمبر 89 : جماع (ہم بستری) کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن مقفع کی تحقیق کے مطابق جو شخص اپنی بیوی کے پاس جائے اور پھر اپنی شرمگاہ نہ دھوئے، پھر اسے پتھری پیدا ہو جائے تو اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا چاہیے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا کرے تو یقیناً اس کے بدن کے لیے مفید ہوگا، اور اگر نہ کرے تو میرے گمان میں کوئی نقصان بھی نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر غسل فرمائے سوئے رہتے تھے اور پانی کو چھوتے بھی نہ تھے۔

ابن مقفع کہتے ہیں کہ جس شخص کو اِحتلام ہوا، اور نہائے بغیر اس نے اپنی اہلیہ سے قربت کی، جس سے بچہ مجنون یا سبک عقل پیدا ہوا تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اور تجھے کسی جاہل کا یہ قول دھوکے میں نہ ڈالے کہ میں نے تو بہت دفعہ کیا ہے مجھے تو کچھ نقصان نہ ہوا؛ کیونکہ چور اگر پہلی دفعہ ہی پکڑا جاتا تو شاید دوبارہ کبھی چوری نہ کرتا۔ یوں ہی اگر پہلی ہی دفعہ آدمی بیمار ہو جایا کرتا تو دنیا میں شاید ہی کوئی آدمی تندرست نظر نہ آتا۔

منقول ہے کہ جب آدمی جماع سے فارغ ہو جائے تو فوراً ٹھنڈے پانی سے نہ نہائے، ہاں تھوڑی دیر کے بعد؛ تاکہ بدن کی حرارت فرو ہو جائے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو تپ کا خوف ہے۔

اور چاہیے کہ عضوِ تناسل کو فراغت کے بعد دھو لے؛ کیوں کہ اسی میں بدن کی صحت ہے اور آفت سے نجات ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ موسم گرما اور موسم خریف میں جماع کی کثرت زیادہ نقصان دہ ہے، اور موسم سرما اور ربیع میں کم مضر ہے، اور اِعتدال ہر حالت میں بہتر ہے۔

خالی پیٹ جماع کرنا کم نقصان دہ ہوتا ہے، اور پیٹ بھرے ہوئے پر زیادہ ضرر کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب کسی نے پیٹ بھرے ہونے کی حالت میں جماع کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو بچہ بھاری نفس اور بھاری روح پیدا ہوگا، اور اگر خالی پیٹ پر جماع کیا تو بچہ سبک نفس اور سبک روح پیدا ہوگا۔

رات کے آخری حصہ میں جماع کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ معدہ اوّل حصہ میں بھرا ہوتا

ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چار چیزیں دیوارِ عمر کو گرادیتیں بلکہ بسا اوقات قتل کر دیتی ہیں :

۱: دست کی بیماری کی حالت میں حمام میں داخل ہونا۔ ۲: سوکھے گوشت کا کھانا۔

۳: پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں جماع کرنا۔ ۴: بڑھیا عورت سے جماع کرنا۔

جماع سے فراغت کے بعد فوراً کھڑا نہ ہونا چاہیے بلکہ داہنی کروٹ پر کچھ دیر تک سوئے رہنا یا فقط لیٹے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں بدن کی صحت ہے۔اور یہ بھی آیا ہے کہ جب آدمی اس طرح کرے گا تو بچہ مذکر پیدا ہوگا- ان شاء اللہ-

آدمی کو چاہیے کہ ملاعبت (یعنی چھیڑ چھاڑ) سے پہلے جماع نہ کرے بلکہ پہلے ہنسے، بولے، چھیڑے، جب جان لے کو عورت کو شہوت غالب ہوگئی اور آنکھیں بدل گئی ہیں تب جماع کرے کیوں کہ یہ امر بدن کے لیے زیادہ موجب راحت ہے اور بچہ صحیح وتندرست پیدا ہونے کا باعث ہے۔

منقول ہے کہ جو آدمی نفس کی خواہش پوری کرتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے سوائے جماع کے کہ یہ دل کو صاف کرتا ہے اور اسی لیے انبیاے کرام نے کیا ہے۔

جماع میں کچھ نفع ہیں اور کچھ نقصان۔ نفع تو یہ ہیں کہ اگر آدمی کو شہوت غالب ہو تو جماع سے جاتی رہتی ہے اور اگر کوئی غم ہو تو کم ہو جاتا ہے، اگر دل میں حرام کا خیال ہو تو زائل ہو جاتا ہے، دل سے وسوسہ دور ہو جاتا ہے، اور دل کو تسکین ہو جاتی ہے۔علاوہ بریں بعض زخم کہ جن کا مادہ گرم ہوتا ہے انھیں نفع بخشتا ہے۔اور نقصان یہ ہیں کہ بدن کو اور بینائی ضعیف کرتا ہے اور پنڈلیوں اور سر اور خاص طور پر کمر میں درد پیدا کرتا ہے۔لہٰذا جس شخص کی طبیعت بارد یا یابس ہو اس کے لیے جماع کم کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جماع کے وقت باتیں نہ کرے؛ ورنہ بچہ گونگا ہونے کا اندیشہ ہے اور چاہیے کہ عورت اور مرد جماع کرتے وقت کپڑے میں مستور ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا يتجـــردان كما يتجرد العيران . (۱)

یعنی مرد وعورت اونٹوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔

یہ بھی آیا ہے کہ جب دونوں ڈھکے ہوئے نہ ہوں تو بچے میں قلت حیا کا اندیشہ ہے۔

منقول ہے کہ بڑھیا سے جماع کرنا بدن کو کمزور کرتا ہے اور بڑھاپا لاتا ہے اور مریضہ سے جماع کرنے میں بیمار ہونے کا خوف ہے؛ مگر اگر شوق غالب ہو تو خیر ہے۔

بعض اطبا نہانے یا سونے سے قبل دوبارہ جماع کرنے کو برا کہتے ہیں؛ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ اس میں کچھ ڈر نہیں بلکہ صحت کی اُمید ہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی اجازت مروی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر کس قدر شفیق تھے، اگر اس میں نقصان ظاہر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو اس کی اجازت نہ دیتے۔ اور آدمی کے لیے نامناسب ہے کہ کھڑے ہو کر جماع کرے؛ اس لیے کہ یہ طریقہ بدن کو ضعیف کر دیتا ہے۔

باب نمبر 90 : غسل کرنے کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حالت جنابت میں بالوں کی صفائی کرنا مکروہ ہے۔ حضرت خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مـن تـنور قبل أن يغتسل جاء ته كل شعرة يوم القيمة فتقول يا رب سله لم ضيعني ولم يغسلني لأن تحت كل شعرة جنابة .

(۱) سنن ابن ماجہ: ۶/۴۱ حدیث: ۱۹۱۱...... مصنف عبد الرزاق: ۶/۱۹۴ حدیث: ۱۰۴۶۹...... شعب الایمان بیہقی: ۱۶/۲۹۵ حدیث: ۷۵۴۳...... معجم کبیر طبرانی: ۹/۴۴ حدیث: ۱۰۲۹۱۔

یعنی جو شخص غسل سے پہلے صفائی کرتا ہے، تو اس کا ہر ہر بال قیامت میں کہے گا: اے پروردگار! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے غسل دینے سے پہلے کیوں ضائع کیا؛ کیوں کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ بھوک کی حالت میں حمام میں داخل ہونا خشکی پیدا کرتا ہے۔ یوں ہی اگر پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں ہو تو بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور آنتوں میں کیڑے پیدا ہونے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا آدمی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ کھانے کے ہضم ہونے کے بعد غسل کرے۔

ابن مقفع کہتے ہیں کہ جو شخص پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں غسل کرے، پھر قولنج میں مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

اور جس شخص نے تازہ مچھلی کھائی اور دستر خوان سے اُٹھ کر غسل کیا، پھر اس کو فالج ہو جائے تو اپنے آپ کو برا بھلا کہے۔

جب کوئی حمام میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ فوراً اندر کے درجے میں نہ چلا جائے بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر ہر درجہ میں ٹھہرے، پھر اندر کے درجہ میں جائے اور یہی رعایت نکلتے وقت بھی ملحوظ خاطر رکھے۔ اور باہر آنے کے بعد ٹھنڈا پانی اپنے اوپر نہ ڈالے؛ اس لیے کہ اس میں بدن کو نقصان ہے۔

منقول ہے کہ موسم گرما میں حمام کرنا زیادہ مفید ہے بہ نسبت سردی کے موسم کے۔ اور موسم گرما میں حمام کا بہت گرم ہونا بہتر نہیں؛ اس لیے کہ اس میں بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

موسم سرما میں جب حمام سے نکلے تو فوراً کپڑے پہن لے؛ تا کہ ہوا کی سردی اس کو ضرر نہ پہنچائے اور چاہیے کہ اپنے سر کو ڈھک لے کہ مبادا اسے دردِ سر ہو جائے۔ اور جس وقت حمام سے نکلے تو ایک رات دن مجامعت نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ ٹھنڈے پانی سے کثرت کے ساتھ نہانا رنگ کو سانولا کر دیتا ہے، اور مرض بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موسم گرما میں ٹھنڈے پانی سے اور موسم سرما میں معتدل پانی سے نہانا مفید ہے یعنی ایسا پانی جو کہ نہ زیادہ سرد ہو اور نہ ہی زیادہ گرم۔

باب نمبر 91 : پچھنے (سینگی) لگوانے کا بیان

فقیہ ابو اللیث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نہار منہ پچھنے لگوانے مستحب ہیں؛ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الحجامة علی الريق أمثل و فيها شفاء و بركة و تزيد في العقل و الحفظ . (۱)

یعنی نہار منہ پچھنے لگوانا بہتر ہے کہ اس میں شفا و برکت ہے اور یہ عقل اور حافظہ کو بڑھاتا بھی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دردِ سر کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوانے کا حکم فرمایا۔ یوں ہی جب کسی نے پاؤں کے درد کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہندی لگانے کا حکم فرمایا۔

جب کوئی پچھنے لگوانے کا ارادہ کرے تو اس سے ایک رات دن قبل اور بعد اپنی بیوی سے قربت نہ کرے، اور یہی حال فصد کا ہے۔ اور جب کوئی ارادہ کرے کہ کل پچھنے لگواؤں گا تو اس کو عصر کے وقت کھانا کھا لینا مناسب ہے؛ کیوں کہ یہ اس لیے باعث نفع ہوگا۔

جو آدمی صفراوی مزاج کا ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے کچھ کھا لے پھر پچھنے لگوائے؛ تاکہ

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۰/۱۰ حدیث: ۲۸۱۱۰۔

مجنون نہ ہو جائے، اور جس روز پچھنے لگوائے اس روز حمام میں نہ جائے۔ بعض اطبا نے کہا کہ جس نے پچھنے لگوائے یا فصد کھلوایا اور ٹھیک اسی دن جماع کر لیا، اور پھر بھی نہ مرا تو میں اس پر تعجب کرتا ہوں۔

اگر کسی نے پچھنے لگوائے یا فصد کھلوائی تو اس کو نمکین کھانا نہ کھانا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں زخم اور خارش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

پچھنوں کے بعد تھوڑا سا سرکہ پینا اولیٰ ہے تا کہ جوش فرو ہو، پھر تھوڑا سا شوربہ پیے اور اگر میسر ہو تو تھوڑی سی شیریں چیز کھائے؛ لیکن اس دن دودھ اور دہی وغیرہ کھانا بہتر نہیں؛ کیوں کہ یہ برص پیدا کرتا ہے۔ اور پانی بھی اس دن کم ہی پیے اور ہفتہ اور بدھ کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مـن احتجم يوم الأربعاء والسبت فأصابه وجع فلا يلومن إلا نفسه . (١)

یعنی جس نے ہفتہ اور بدھ کے دن پچھنے لگوائے، پھر درد پیدا ہو گیا تو اپنی جان کو روئے، یعنی خود کو ملامت کرے۔

کیوں کہ اس کی بے احتیاطی سے درد ہوا؛ لیکن بعض احادیث میں اس کی اجازت بھی آئی ہے، تاہم ان دنوں میں بچنا ہی اولیٰ ہے۔ ہاں اگر خون کی ایسی ہی زیادتی ہو تو مجبوری ہے۔

پچھنے لگوانے کے لیے بہتر دن اتوار، پیر اور جمعرات ہیں۔ نیز بعضوں نے منگل کو پسند کیا ہے اور کہتے ہیں کہ منگل کو خون کا غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن بعض ناپسند کرتے ہیں کہ چوں کہ اس دن خون کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے ڈر ہے کہ کہیں خون بند ہی نہ ہو۔

مستحب طریقہ یہ ہے کہ موسم گرما میں شدت گرمی کے وقت پچھنے نہ لگوائے، اور اس

(١) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۴۵۹ حدیث: ۴۱...... کنز العمال: ۱۰/۱۰ حدیث: ۲۸۱۱۶۔

طرح موسم سرما میں سردی کی شدت کے وقت۔ ہاں بہتر وقت ربیع کا ہے، اور مہینوں میں سے بہتر وقت وہ ہے کہ جب آدھا مہینہ گزر جائے۔ لیکن مہینہ کے اوّل و آخر دنوں میں اور محاق یعنی جن دنوں میں چاند بالکل نظر نہیں آتا، ان دنوں میں پچھنے لگوانا مکروہ ہے۔

دونوں کندھوں کے درمیان پچھنے لگوانا مفید ہے۔ پچھنے گدی میں نسیان پیدا کرتے ہیں اور سر کے درمیان نفع بخش ہوتے ہیں۔

حضرت بکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت اقرع بن حابس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ سر کے درمیان پچھنے لگوایا کرتے تھے، تو انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ سر میں پچھنے لگوایا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور پھر فرمایا:

يـا ابن حابس إنه لينفع من وجع الرأس والأضراس والنعاس والجذام والبرص والجنون . (۱)

یعنی اے ابن حابس! پچھنے سر اور داڑھ کے درد کو دور کرتے ہیں، اور اونگھ، جذام، برص اور جنون میں فائدہ پہنچاتے ہیں۔

تاہم پچھنوں پر مداومت نہ کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ یہ سر کو نقصان کرتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 92 : بیت الخلا کے آداب

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ راستے میں یا نہر کے کنارے یا پھل دار درخت کے نیچے یا ایسے درخت کے نیچے کرے

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۰/۱۰۶ حدیث: ۲۸۱۴۹۔

جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اجتنبوا الملاعن .

یعنی لعنت کے کاموں سے بچو۔

یعنی اس فعل سے بچو جو لعنت کا سزاوار ہو، اور ظاہر ہے پھل دار درخت کے نیچے یا مسلمانوں کے راستے میں پیشاب پاخانہ کرنا باعث ملامت ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من قضى حاجته تحت شجرة مثمرة أو على طريق عابر أو على حافة نهر فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس اجمعين. (۱)

یعنی جس نے پھل دار درخت کے نیچے یا بہتی نہر کے منہ پر قضاے حاجت کی تو اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

پیشاب کو غلبہ کے وقت روک رکھنا نہ صرف ناپسندیدہ ہے بلکہ یہ مثانہ کے لیے نہایت نقصان دہ بھی ہے۔

ایک طبیب سے لوگوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کو فلاں جگہ پر پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ اپنی سواری سے اُترا اور اسی جگہ حاجت رفع کی اور اپنے مکان تک پہنچنے تک صبر نہ کیا۔ یہ سن کر اس طبیب نے کہا: اس نے سواری سے اُتر کر برا کیا، اس نے سواری سے اُترنے سے قبل ایسا کیوں نہ کیا۔ یعنی اتنی دیر بھی پیشاب کو کیوں روکا!۔

اِستنجا خانے میں دیر تک نہ بیٹھنا چاہیے۔ حکیم لقمان علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے کہ 'دیر تک استنجا خانے میں مت بیٹھا کر کہ اس سے بواسیر پیدا ہوتی ہے'۔

یوں ہی جب کوئی آدمی زمین پر پیشاب کرے تو اسے چاہیے کہ کسی سوراخ میں

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱/۱۱۴ حدیث: ۱۶۸...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۹۷ حدیث: ۴۸۰۔

پیشاب نہ کرے کہ سانپ اور جناتوں سے ایذا پہنچنے کا خوف ہے۔

حضرت عبداللہ بن شرحبیل بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا يبولن أحدكم في الجحر فإنها مساكن الجن . (١)

یعنی تم میں سے کوئی سوراخوں میں پیشاب نہ کرے کہ وہ جنات کے گھر ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ زمین کے سوراخ میں پیشاب کیا تو اُن کو جنوں سے ایسی آفت پہنچی کہ اسی میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

تو شاعرانِ جن میں سے کسی نے اس موقع کے لیے یہ شعر نظم کیا۔

قتلنا سيد الخزرج سعد بن عبادة

رميناه بسهم فلم نخط فؤاده

یعنی ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو مار ڈالا کہ ہم نے ان پر تیر پھینکے جو خطا نہ گئے، اور ٹھیک ان کے دل پر لگے۔

باب نمبر 93 : تنہائی کی تباہی؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

شر الناس من أكل وحده، وضرب عبده، ومنع رفده . (٢)

---

(١) سنن ابوداؤد:۱/۴۴ حدیث: ۲۷......سنن نسائی:۱/۶۵ حدیث: ۳۴......مستدرک حاکم:۲/۱۶۷ حدیث: ۶۲۶......معرفۃ السنن والآثار:۱/۲۷۳ حدیث:۲۲۹۔

(٢) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۶/۵۲ حدیث:۴۳۸۹۷۔

یعنی لوگوں میں سے براوہ ہے جوتنہا کھانا کھائے، اپنے غلام کو مارے اور اپنے پیالے کوروک رکھے۔(یعنی دوسروں کو نہ دے)۔

یوں ہی ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کو گھر میں تنہا سوئے، یا تنہا سفر کرے، آگے فرمایا :

إن الشيطان مع الواحد أقرب ومن الاثنين أبعد . (۱)

یعنی بے شک شیطان تنہا شخص کے زیادہ قریب ہے اور دو سے دور ہے۔

ارشادِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے :

الراكب شيطان والراكبان شيطانان والثلاثة ركب .(۲)

یعنی اکیلا سوار شیطان ہے اور دوسوار دوشیطان ہیں اور تین سوار ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الشيطان يهم بالواحد والاثنين، فإذا كانوا ثلثة لم يهم بهم.(۳)

یعنی شیطان تنہا اور دوآدمیوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، لیکن جب وہ تین ہو جاتے ہیں تو ان میں وسوسہ نہیں ڈال پاتا۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منع فرمانا شفقت کی وجہ سے ہے نہ کہ تحریم کے لیے؛ کیونکہ اکیلے کو کبھی دشمن پیش آجائے تو بھاگ نہیں سکتا اگر یہ زیادہ ہوں گے تو ضرور ایک دوسرے کی مدد کریں گے؛ لیکن جب آدمی کو دشمن کا خوف نہ ہو تو اکیلے سفر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کو شاہِ روم قیصر کی طرف تنہا ہی بھیجا تھا۔

---

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۶/۱۵۴حدیث:۴۴۱۸۸۔

(۲) سنن ترمذی:۶/۲۴۳حدیث:۱۵۹۷......موطا امام مالک:۶/۹۴حدیث:۱۵۴۸......مستدرک حاکم:۶/۱۰۲حدیث:۲۴۵۰......مسند احمد بن حنبل:۱۳/۴۹۸حدیث:۶۴۶۰۔

(۳) موطا امام مالک:۶/۹۵حدیث:۱۵۴۹......سنن کبریٰ بیہقی:۵/۲۵۷۔

نیز یہ بھی آیا ہے کہ اکھٹا ہونے میں قوت ہے اور علیحدہ علیحدہ رہنے میں ہلاکت ہے۔
اہل تفسیر نے حضرتِ موسیٰ اور فرعونی جادوگروں کا حال بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل فرمانِ الٰہی کے تحت لکھا ہے :

فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ (سورۂ طہٰ:۲۰/۶۴)

پس تم (جادو کی) اپنی ساری تدابیر جمع کرلو پھر قطار باندھ کر (اکٹھے ہی) میدان میں آجاؤ۔

کہ انھوں نے ان سبھوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔

بعض مفسرین نے بڑی پیاری بات کہی ہے :

اتفقوا فتغلبوا ولاتختلفوا فتغلبوا .

یعنی اتفاق کرو، غلبہ پاؤ گے، اور علیحدہ علیحدہ مت ہونا، مارے جاؤ گے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص کی رائے اکیلا دھاگہ ہے اور دو کی رائے دوہرا دھاگہ اور تین کی رائے رسی ہے جسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

اور جب کئی لوگ سفر میں ہوں تو دو آدمیوں کا تیسرے کو چھوڑ کر کسی معاملے میں رائے مشورہ کرنا ناپسندیدہ ہے کہ اس سے اس کو رنج و دکھ ہوگا۔

امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا كانوا ثلثة فلا يتناجى اثنان دون الثالث .

یعنی جب تم تین ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں۔

() سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۱/۲حدیث: ۳۷۷۵......سنن ترمذی: ۱۲۸/۵حدیث: ۲۸۲۵......معجم کبیر طبرانی: ۱۸۹/۱۰حدیث: ۱۰۴۴۱...... موطا امام محمد:۴۷۱/۳حدیث: ۹۶۲...... جامع الاحادیث سیوطی: ۴۶۷/۳حدیث:۲۵۸۹۔

باب نمبر 94 : نگہبان ملائکہ کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نگہبان فرشتوں کے سلسلے میں -جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے- علما نے اختلاف کیا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ وہ بنی آدم کے سب کام اور باتیں لکھتے ہیں، اور بعض نے کہا کہ صرف وہی لکھتے ہیں جس میں ثواب یا گناہ ہے، اور بعض نے کہا کہ وہ سب کچھ لکھتے ہیں، پھر جب آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو جس کام میں کچھ ثواب اور گناہ نہ ہو، اس کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ کے اس قول کے یہی معنی ہیں :

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ٥ (سورۂ رعد:۱۳/۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے۔

حضرت ہشام بن حسان؛ حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اللہ کے اس قول کے معنی بیان کرتے ہیں :

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ٥ (سورۂ ق:۵۰/۱۸)

وہ منہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار رہتا ہے۔

یعنی وہ ابن آدم کی بری بھلی سب بات لکھتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں لکھتے۔

حضرت ہشام نے کہا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے تو نے کہا: اے غلام! مجھ کو پانی پلاؤ، اور جانور کے سامنے چارہ ڈالو۔

حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ جو کچھ آدمی بولتا ہے سب لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ فرشتے دو ہیں: ایک آدمی کی داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ پس داہنی طرف والا اپنے ساتھ والے کی گواہی کے بغیر لکھتا ہے اور بائیں

والا اپنے ساتھی کی اجازت سے لکھتا ہے۔ اگر آدمی بیٹھتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک اس کی داہنی طرف ہوتا ہے اور دوسرا بائیں طرف، اور اگر چلتا ہے تو ایک آگے ہوتا ہے اور دوسرا پیچھے اور اگر سوتا ہے تو ایک سر کے پاس ہوتا ہے اور دوسرا پاؤں کے پاس۔

بعض اہل علم کی رائے میں وہ فرشتے چار ہیں: دو رات کے، دو دن کے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت کے مطابق وہ پانچ ہیں: دو دن کے، دو رات کے، اور ایک ان میں سے رات اور دن جدا نہیں ہوتا۔

یوں ہی اہل علم نے کفار کی بابت اختلاف کیا ہے کہ آیا اُن پر بھی نگہبان فرشتے ہوتے ہیں یا نہیں۔ تو بعض کہتے ہیں کہ اُن پر بھی نگہبان ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ ان پر نہیں ہوتے؛ کیوں کہ ان کا حکم ظاہر ہے، اور ان کے عمل ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی سب کفر پر مبنی ہوتے ہیں، اور اللہ ارشاد فرماتا ہے :

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ ۝ (سورۂ رحمٰن:۵۵/۴۱)

مجرم لوگ اپنے چہروں کی سیاہی سے پہچان لیے جائیں گے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو نہیں لیتے۔ اور ہمارا موقف وہی ہے کہ کافروں پر بھی نگہبان فرشتے ہیں؛ کیوں کہ نگہبان فرشتوں کے بارے میں یہ آیت خاص کفار کے حق ہی میں نازل ہوئی ہے :

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۂ انفطار:۸۲/۹تا۱۲)

بلکہ تم اِس کے برعکس روزِ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ (جو) بہت معزز ہیں (تمہارے اعمال نامے) لکھنے والے ہیں۔ وہ ان (تمام کاموں) کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ o (سورۂ انشقاق:۷/۸۴)

پس جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ o (سورۂ الحاقہ:۲۵/۸۲)

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمادیا کہ کافروں کے پاس بھی نامہ اعمال ہوگا، نیز یہ کہ ان پر بھی نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ اگر یہ کوئی یہ سوال کرے کہ داہنی سمت والا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا کہ اس کے پاس تو کوئی نیکی ہوتی نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بائیں سمت والا فرشتہ اس کے اعمال دائیں فرشتے کے حکم سے لکھتا ہے تاکہ وہ بھی اس پر گواہ ہوجائے، گرچہ وہ خود لکھتا نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب نمبر95 : ٹڈی مارنے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ٹڈی مار ڈالنے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مارنا جائز نہیں۔ جب کہ فقہا فرماتے ہیں کہ اس کے مار ڈالنے میں کچھ حرج نہیں۔ ٹڈی مارنے کو مکروہ کہنے والوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اس کا رزق کھاتی ہے اور اس پر کوئی حکم جاری نہیں؛ لہٰذا اس کا مارنا جائز نہیں۔

اور ٹڈی کو مار ڈالنے والوں کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ اس کو چھوڑ دینے میں مال کا ضیاع ہے۔ نیز یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مسلمان کو مار ڈالنے کی رخصت مرحمت فرمائی ہے جو کسی مسلمان کے مار ڈالنے یا اس کا مال لینے کا ارادہ کرے۔ حدیث پاک میں آتا ہے :

من قتل دون ماله فهو شهيد .

یعنی جو کوئی مال کی وجہ سے قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے۔(۱)

لہٰذا اگر ٹڈی سے یہ خوف ہو کہ وہ مال کو خراب کر ڈالے گی تو اس کا قتل بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ علما اس بات پر متفق ہیں کہ سانپ اور بچھو کا مار ڈالنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں انسان کو ایذا دیتے ہیں، تو سمجھیں یہی حال ٹڈی کا ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ٹڈی کے لیے بد دعا فرماتے تو فرماتے :

اللّٰھم اھلک صغارہ واقتل کبارہ وافسد بیضتہ واقطع دابرہ وخذ بأفواھہ عن معایشنا وارزقنا إنک سمیع الدعاء .

یعنی اے اللہ! اس کے بچوں کو مار ڈال، اس کے بڑوں کو اور اس کے انڈوں کو خراب کر دے، اس کی نسل کو ختم فرما دے، اس کے منہ سے ہماری معاش لے لے، اور ہمیں رزق عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ یہ بد دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر کی نسل منقطع ہو جائے۔ تو آپ نے فرمایا :

إن الجراد نثرۃ حوت من البحر . (۲)

یعنی بے شک ٹڈی دریا میں سے مچھلی کا ریزہ ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ٹڈی بالکل ختم ہوگئی تو آپ کو اس کا بہت غم ہوا۔ پھر آپ نے یہ کیا کہ ایک سوار شام، ایک یمن اور ایک عراق کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یمن کی طرف جانے والے سوار نے آپ کے پاس ایک مٹھی میں ٹڈی لا کر چھوڑ دی۔ جب آپ نے اس کو دیکھا تو اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا کہ میں

(۱) صحیح بخاری:۸/۳۷۷ حدیث:۲۳۰۰...... صحیح مسلم : ۱/۳۴۱ حدیث:۲۰۲...... سنن ابوداؤد:۱۲/۳۸۸ حدیث:۴۱۴۲...... سنن ترمذی:۵/۳۱۲ حدیث:۱۳۳۸...... سنن ترمذی:۵/۳۱۳ حدیث:۱۳۳۹۔

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۵/۲۷۷ حدیث:۴۰۹۷۳۔

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا :

خلق اللّٰہ تبارک و تعالی ألف أمة ستمائة فی البحر و أربعمائة فی البر فأول شیء یھلک من ھذہ الأمم الجراد إذا ھلک الجراد تتابعت سائر الأمم في الھلاک مثل نظام انقطع سلکه.(۱)

یعنی اللہ نے ہزار گروہ پیدا کیے ہیں: چھ سو دریا میں اور چار سو زمین پر۔ تو جو چیز ان گروہوں میں سے پہلے ہلاک ہوگی وہ ٹڈی ہے۔ پھر جب یہ ہلاک ہو گی تو پے در پے لڑی ٹوٹنے کی طرح سارے گروہ ہلاک ہونا شروع ہو جائیں گے۔

باب نمبر 96 : مسجد کی نقش ونگاری

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد پر سونے کے پانی سے نقش ونگار کرنے کو بعض لوگ مکروہ کہتے ہیں؛ مگر بعض علما نے اس کو مباح قرار دیا ہے، اور یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ مسجد کے پیسے سے نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن جس نے اس کو مکروہ کہا ہے، وہ دراصل حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس روایت کی طرف گیا ہے جس میں آپ نے فرمایا :

لیأتین علی الناس زمان لا یبقی من الإسلام إلا اسمه و لا یبقی من القرآن إلا رسمه، مساجدھم یومئذ عامرة بالبناء وقلوبھم خاویة من الھدی، علماؤھم یومئذ شر علماء تحت أدیم السماء، من عندھم تخرج الفتنة وفیھم تعود .

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۶۹/۱۱ حدیث: ۳۱۴۸۴۔

یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا کہ اِسلام کا فقط نام ہی رہ جائے گا اور قرآن پڑھنے کی ایک رسم ہی رہ جائے گی۔ مساجد کی عمارتیں تو آباد ہوں گی؛ مگر لوگوں کے دل نورِ ہدایت سے خالی ہوں گے۔ اور اس زمانے کے علما سے بدتر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ دراصل وہ فتنوں کے منبع ہوں گے انھیں سے فتنے جاگیں گے اور پھر انھیں میں لوٹ جائیں گے۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن أقواما يزخرفون مساجدهم ويطولون مناراتهم ويسمنون أبدانهم ويميتون أفئدتهم، وا عجباً كيف ضيعوا دينهم . (۱)

یعنی ایک قوم ہوگی کہ مساجد کو آراستہ کرے گی، اور ان کے مینار اونچے بنائے گی۔ ان کے بدن تو موٹے ہوں گے، لیکن ان کے دل مردہ ہوں گے۔ تعجب ہے کہ انھوں نے کس طرح اپنے دین کو ضائع کیا ہوگا!۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

أمرنا أن نبني المساجد جما والمدائن شرفا .

یعنی ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ مسجد بے کنگرے اور مکان کنگرے دار بنائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ مال لے کر آئے اور عرض کیا کہ یہ مال قبول فرمائیں اور اس سے اپنی مسجد کو زینت دیں۔ آپ نے ان سے فرمایا :

إن الزينة والتصاوير للكنائس والبيع بيضوا مساجدالله .

یعنی بے شک زینت اور تصاویر نصاریٰ کے عبادت خانوں کے لیے ہیں، اور اللہ کی مساجد کو سفید کرو۔

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۱۰/۲۰۵ حدیث: ۲۹۰۸۸۔

مسجد کو نقش و نگار کرنے میں کچھ حرج نہ سمجھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس میں مسجد کی تعظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے :

فِـی بُیُـوتٍ اَذِنَ الـلّٰــهُ اَنْ تُــرْفَعَ وَیُذْكَـرَ فِیْهَـا اسْمُـهٗ ہ (سورۂ نور:۳۶/۲۴)

(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد اور مراکز) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر و منزلت) کے بلند کیے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کیے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

یعنی مسجد کی عزت و تعظیم کی جائے۔ ایک دوسری آیت میں ہے :

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰه وَالْیَوْ الْاٰخِرِ ہ (سورۂ توبہ:۱۸/۹)

اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرسکتا ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لایا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر عمدہ قسم کی لکڑی سے کی اور اس کی خوب تزئین و آرایش فرمائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں نہ صرف نقش و نگار کیا بلکہ اس کی عمارت اور آرائش میں خوب مبالغہ بھی کیا۔ اور یہ کام انہوں نے اس وقت انجام دیا جب وہ اپنی خلافت سے قبل وہ مدینہ کے اَمیر تھے۔ یعنی عبدالملک بن مروان کی طرف سے امیر مقرر تھے، تو ان کو اس کام سے کسی نے نہیں روکا۔

ولید بن عبدالملک کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے دمشق کی مسجد کی تعمیر و تزئین میں تین مرتبہ شام کے محصول کے برابر خرچہ کیا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام نے بیت المقدس کی مسجد بنائی، اور اس کی آرائش میں خوب جم کر کی۔ تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے مکان کی تعمیر میں ایک ہزار آدمی سات برس تک رکھے۔

نیز یہ کہ انھوں نے قبۃ الصخرۃ کے منڈیر پر ایک ایسا چراغ روشن کیا تھا کہ جس کی روشنی میں عورتیں بارہ میل دور تک سوت کاتا کرتی تھیں، اور وہ یوں ہی اپنی اصل حالت پر قائم تھا، یہاں تک کہ بخت نصر وغیرہ نے اس کو خراب کرڈالا۔

باب نمبر 97 : مسجد کے اندر تھوکنا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی مسجد کے اندر ہو تو اس کو مسجد کے اندر تھوکنا منع ہے۔ ہاں! اپنے کپڑے (یعنی رومال وغیرہ) میں تھوک لے اور مل دے۔ اس لیے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فِــی بُیُـوتٍ اَذِنَ الـلّٰــهُ اَنْ تُــرْفَعَ وَیُذْکَـرَ فِیْهَـا اسْمُـهٗ o (سورۂ نور:۲۴/۳۶)

(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد اور مراکز) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر و منزلت) کے بلند کیے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کیے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

اور 'ترفع' سے مراد شرف و تعظیم ہے، جب کہ تھوکنے میں سراسر بے تعظیمی ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن المسجد لينزوي من النخامة كما ينزوي الجلدة من النار إذا ألقيت فيه . (۱)

یعنی مسجد کو تھوک وغیرہ سے اس طرح بچایا جائے جس طرح چمڑے کو آگ میں پڑنے کے بعد فوراً کھینچ لیا جاتا ہے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱/۴۳۳ حدیث: ۱۶۹۱...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۶۶ حدیث: ۷۵۵۰...... جامع الاحادیث سیوطی: ۳۹/۱۳۶ حدیث: ۴۲۱۹۷۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں کھنگار پڑا دیکھا تو اس کو کریدڈالا پھر فرمایا :

أيحب أحدكم أن يؤتى في صلاته فيبزق في وجهه فإذا أراد أحدكم أن يبزق فلا يبزق عن يمينه ولا يبزق أمامه ولكن يبزق عن يساره أو تحت قدمه فإن لم يجد مكانا فليبزق في ثوبه ثم ليفعل هكذا .(۱)

یعنی کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ نماز میں ہو اور کوئی اس کے منہ پر تھوکے؛ لہٰذا جب تم تھوکنے کا ارادہ کرو تو نہ اپنی داہنی طرف تھوکو اور نہ ہی سامنے بلکہ بائیں طرف تھوکو یا پاؤں کے نیچے۔ اور اگر کوئی جگہ نہ ملے تو اپنے کپڑے میں تھوکو اور پھر اسے مل لو۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا :

إذا استرد الرجل النخامة تعظيماً للمسجد أدخل الله في جوفه الشفاء وأخرج منه الداء .

یعنی جو کوئی مسجد کی تعظیم کے پیش نظر تھوک کو صاف کر دیتا ہے، اللہ اس کے پیٹ میں شفا داخل کرتا ہے اور بیماری نکال دیتا ہے۔

جس وقت مسجد میں نہ ہو اور تھوکنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے یا بائیں طرف تھوکے اور مناسب نہیں کہ اپنی داہنی طرف یا سامنے کو تھوکے۔ اس لیے کہ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے :

إذا بزق أحدكم فلا يبزق عن يمينه وأمامه .

---

(۱) سنن ابوداؤد:۱/۱۷۸حدیث:۴۷۷......الاوسط ابن منذر:۱۲۸/۵......اطراف المسند المعتلی:۹۷۳۲/۷......جامع الاصول فی احادیث الرسول:۱۹۳/۱۱حدیث:۸۷۳۱۔

یعنی جب تم میں سے کوئی تھوکے تو اپنی داہنی طرف اور سامنے کی طرف نہ تھوکے۔(۱)

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے حالت بیماری میں اپنی داہنی طرف تھوکا پھر فرمایا :

ما بزقت عن يميني منذ أسلمت .

یعنی جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کبھی اپنی داہنی طرف نہیں تھوکا۔

بعض صالحین کا بیان ہے کہ انہوں نے جب حج کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا تو کجاوہ کے بائیں طرف نشست اختیار کی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے بائیں طرف کیوں اختیار کی، جواب دیا: اس لیے کہ میرے لیے بائیں طرف تھوکنا آسان ہو جائے۔

باب نمبر 98 : غلبہ نیند کے وقت نماز پڑھنا کیسا ؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کے لیے اونگھتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر پڑھ لے تو جائز ہے جبکہ نماز کے سب افعال وقراءت پورے پورے ادا کر سکے۔ اور جب آدمی کو اونگھنے کا خوف ہو تو چاہیے کہ اپنے چہرے پر پانی ڈال لے، پھر نماز میں داخل ہو۔ اور اگر نماز میں اس کو اونگھ آ جائے تو چاہیے کہ اپنے نفس پر زور ڈالے اور اس کے دور کرنے میں کوشش کرے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۱/۳۲۶ حدیث:۱۰۲۲......مسند احمد بن حنبل:۲۱/۳۳۷ حدیث:۱۳۸۶۴......مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۶۴ حدیث:۷۵۳۰۔

إذا نعس أحدكم في الصلوة فليرقد حتى يذهب عنه النوم فإنه إذا صلى وهو ينعس فلعله يذهب ليستغفر اللّٰه فيسب نفسه . (۱)

یعنی جب تم میں سے کسی کو نماز میں نیند آ جائے تو چاہیے کہ سوُ رہے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے۔ کیوں کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اگر وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے تو شاید وہ نیند میں اپنے رب سے اِستغفار کرنے کی بجائے خود گالیاں دینے لگے یعنی کلمہ اِستغفار کی جگہ کچھ اور کلمہ منہ سے نکل جائے۔

حضرت حمید حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دوستونوں کے درمیان ایک رسی تنی ہوئی دیکھ کر فرمایا :

ما هذا الحبل ؟.

یعنی یہ رسی کیسی ہے؟۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ، یہ فلاں شخص کی ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو اس پر لٹک جاتا ہے۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

فليصل ما عقل فإذا خشي أن يغلبه النعاس فلينم . (۲)

یعنی چاہیے کہ جب تک ہوش میں رہے، نماز پڑھے اور جب اس پر نیند کا غلبہ ہو تو سوُ رہے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۵۳/۱ حدیث: ۲۱۲......سنن ابن ماجہ:۴۳۶/۱ حدیث: ۱۳۷۰......سنن ابوداوٗد: ۵۰۵/۱ حدیث: ۱۳۱۲......سنن دارمی: ۳۷۲/۱ حدیث: ۱۳۸۳......صحیح ابن حبان: ۳۲۰/۶ حدیث: ۲۵۸۳۔

(۲) صحیح بخاری:۵۴/۲ حدیث: ۱۱۵۰......سنن ابن ماجہ:۴۳۶/۱ حدیث: ۱۳۷۱......سنن ابوداوٗد: ۵۰۵/۱ حدیث: ۱۳۱۴......سنن نسائی: ۲۱۸/۳ حدیث: ۱۶۴۳......مسند عبد بن حمید: ۴۱۲/۱ حدیث: ۱۴۰۴۔

بابنمبر 99 : علم واَدب کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کو چاہیے کہ زیورِعلم وادب سے آراستہ ہو۔ اگر چہ تھوڑا ہی سہی ۔ یہ تھوڑا اس کے لیے بہت ہوگا؛ کیوں کہ جب آدمی علم وادب کی کوئی بات جان لے گا تو یقیناً اسے اس پر فضیلت حاصل ہوگی جو کچھ بھی نہیں جانتا۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :

لكل شيىء قيمة وقيمة المرء ما يحسن ويعلم .

یعنی ہر چیز کی قیمت ہے، اور آدمی کی قیمت اس کا حسن تعلیم وتربیت ہے۔

حضرت شعبی بیان کرتے ہیں کہ اگر آدمی شام سے یمن تک سفر کرے اور صرف ایک کلمہ علم کا سیکھ لے تو سمجھو اس کا یہ سفر برباد نہ گیا۔

حضرت سعد بن خلف بن ایوب کے بارے آتا ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے لیے نکلے اور چار سال بعد واپس آئے تو ان کے والد نے ان سے پوچھا: اے بیٹے! تو نے کیا سیکھا؟۔ انہوں نے جواب دیا: میں نے یہ سیکھا کہ جب عورت کے حیض کو دس دن ہو جائیں تو اس کے غسل کی مدت شمار نہ کی جائے بلکہ اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے، اور جب دس دن سے کم ہوں تو مرد کو اس سے صحبت کرنا حلال نہیں جب تک نہا نہ لے یا نماز کا وقت اس پر گزر جائے۔ یہ سن کر ان کے والد نے فرمایا: بیٹے! تو نے اپنے سفر کو ضائع نہ کیا۔

حضرت ایوب بن موسیٰ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما نحل والد ولدا أفضل من أدب حسن . (۱)

(۱) سنن ترمذی:۴/۳۳۸حدیث:۱۹۵۲......مشکوٰۃ المصابیح:۳/۷۹حدیث: ۴۹۷۷......مسند عبد بن حمید: ۱/۱۴۱حدیث:۳۶۲......مستدرک حاکم:۴/۲۶۳حدیث:۷۶۷۹۔

یعنی باپ کی بیٹے کے حق میں حسن اَدب سے بڑھ کر کوئی بخشش نہیں۔

بعض متقدمین کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے !علم سیکھ،اگر تیرے پاس جمال نہ ہوگا تو یہی علم تجھے جمال بخشے گا۔اوراگر تیرے پاس مال نہ ہوگا تو یہ مال کا کام دے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ سے مذکور ہے کہ ان کے پاس اُن کا بھتیجا آیا،اور کہنے لگا: چچا جان! میں آپ کے پاس منگنی کے لیے آیا ہوں۔ابن عیینہ نے پوچھا،کس کے ساتھ؟۔ اس نے کہا کہ آپ کی بیٹی کے ساتھ۔

آپ نے فرمایا: قرآن پاک کی دس آیتوں کی تلاوت کرو،وہ نہ پڑھ سکا پھر فرمایا، دس احادیث روایت کرو،وہ نہ کر سکا،پھر فرمایا دس اشعار سناؤ وہ نہ سنا سکا۔یہ صورتحال دیکھ کر آپ نے فرمایا: نہ قرآن ہے نہ حدیث اور نہ شعر،پھر کس چیز پر اپنی بیٹی کو تیرے پاس رکھوں۔اس کے بعد فرمایا: لیکن جب تم آ گئے ہو تو میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں جانے دوں گا،اور پھر آپ نے اس کو چار ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

بعض داناؤں کا کہنا ہے کہ نفع دینے والا علم اور اچھا ادب ایسا خزانہ ہے کہ کوئی لوٹنے والا اس کو لوٹ نہیں سکتا،اور کوئی ضبط کرنے والا اس کو ضبط نہیں کر سکتا۔اور یہ دونوں تیری خوبی وزینت اور تیری دنیا وآخرت کو سنبھالنے والے ہیں؛ لہٰذا ان کے سیکھنے میں محنت کر۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

سأضرب في طول البلاد وعرضها

لأطلب علمـــا أو أموت غريبـا

فإن تلفت نفسي فـلله درهـــا

و إن سلمت كان الرجوع قريبـا

یعنی قریب ہے کہ میں دور دراز کے شہروں میں سفر کروں گا،تا کہ خود کو زیورِ

علم سے آراستہ کرسکوں، یا اجنبیت کی موت مرجاؤں۔

تو اگر اس سفر میں میری جان چلی گئی تو پھر یہ کتنی خوش بختی کی بات ہوگی۔

اور اگر بچ رہا تو قریب ہے کہ (داعی وعالم بن کر) واپس آؤں گا۔

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہدایت بنیاد ہے :

من طلب طریقاً یطلب فیها علماً سلک اللّٰه به طریقاً إلی الجنة . (۱)

یعنی جو شخص طلب علم کی راہ پر نکل پڑے تو اللہ اس کے لیے (نہ صرف علم کی بلکہ) جنت کی راہ آسان فرمادیتا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ عرصہ محشر میں شرفِ شفاعت سے بہرہ ور ہوں گے: انبیا، علما، اور شہدا۔

مزید فرمایا کہ زمین وآسمان کی ہر شے علما کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہے۔ اور فرمایا: علم کی فضیلت میرے نزدیک عبادت کی فضیلت سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أربعون حدیثا یستظهرها الرجل خیر له من أربعین ألفا یتصدق بها وأعطاها اللّٰه تعالیٰ بکل حدیث مدینة فی الجنة وله بکل حدیث نور یوم القیمة .

یعنی جو آدمی چالیس حدیثیں زبانی یاد کرلے، تو یہ اس کے لیے چار ہزار (دراہم) خیرات کرنے سے بہتر ہے، اور اللہ اس کو ہر حدیث کے بدلے ایک شہر جنت میں دے گا اور ہر حدیث کے عوض قیامت میں اس کے لیے ایک نور ہوگا۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۳/۳۵۴ حدیث: ۳۶۴۳...... سنن ابن ماجہ: ۱/۸۱ حدیث: ۲۲۳...... سنن ترمذی: ۵/۲۸ حدیث: ۲۶۴۶...... صحیح ابن حبان: ۱/۲۸۴ حدیث: ۸۴...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۶ حدیث: ۲۱۲۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَيَعْلَمُوْنَo (سورۂ زمر:۹/۳۹)

فرما دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ اس آیت کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم کی فضیلت میں کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو محض یہ ایک آیت بہت بڑی دلیل ہے؛ اس لیے کہ اس میں خبر دی گئی ہے کہ بے شک عالم کو جاہل پر فضیلت ہے۔ اور اللہ نے علم کی زیادتی طلب کرنے کا حکم اپنے پاک کلام میں دیا ہے :

قُلْ رَّبِّ زِدْنِى عِلْمًا o (سورۂ طہٰ:۱۱۴/۲۰)

اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔

پھر علما کی تعریف میں فرماتا ہے :

اَ فَمَنْ يَعْلَمُ اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى o (سورۂ رعد:۱۹/۱۳)

بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے :

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ o (سورۂ مجادلہ:۱۱/۵۸)

اللہ ان لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ عالم کی بہت فضیلتیں اور درجے ہیں اُس شخص پر جو زیورِ علم سے بے بہرہ ہے۔ مزید ایک مقام پر فرمایا :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا o (سورۂ بقرہ:۲/۳۱)

اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیا کے) نام سکھا دیے۔

لہٰذا جب حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسما بتا دیا تو ان کا مرتبہ حامل علم ہونے کے باعث فرشتوں سے بڑھ گیا؛ اس لیے فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کے لیے سجدے کریں۔

باب نمبر 100 : انگوٹھی پہننے کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انگوٹھی دائیں یا بائیں کسی ہاتھ میں پہنی جا سکتی ہے۔ اور یہ سب مباح ہے، دونوں کے ثبوت روایتوں میں آئے ہیں۔ ہاں! مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں۔ اور بعض نے لوہے کی انگوٹھی پہننا مکروہ لکھا ہے، جب کہ بعض نے رخصت دی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما لی أری علیک حلیة أهل الجنة قبل دخولها .

یعنی مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم کو جنتیوں کے حلیہ میں دیکھتا ہوں قبل اس کے اس میں داخل ہو۔

چنانچہ آپ نے اسے اُتار دیا اور لوہے کی ایک انگوٹھی انگلی میں ڈال لی۔ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روبرو ہوئے تو آپ نے فرمایا :

ما لی أری علیک حلیة أهل النار .

یعنی مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے اہل جہنم کے حلیہ میں دیکھتا ہوں۔

تو میں نے اس کو بھی اتار دیا، اور پوت کی انگوٹھی بنوائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما لی أجد منک ریح الأصنام .

یعنی مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم سے بتوں کی بو محسوس کرتا ہوں۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں کیا کروں؟۔تو آپ نے فرمایا :

اتخذہ من ورق ولا تبلغ بہ مثقالا وتختم بہ فی یمینیک.(۱)

یعنی چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور اس کا وزن ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سے کم رکھو اور اپنے دائیں ہاتھ میں پہنو۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور دہنی جوتی بائیں سے پہلے پہنتے تھے، اور بائیں دائیں سے پہلے نکالتے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں: نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بلکہ حضراتِ خلفاے راشدین صدیق اکبر، فاروقِ اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضٰی رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی تو آپ نے اسے پھینکنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے فوراً پھینک دی۔ پھر اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن لی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی پھینکنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا :

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۴۴/۴ حدیث: ۴۲۲۵......سنن ترمذی: ۲۴۸/۴ حدیث: ۱۷۸۵......سنن نسائی: ۴۴۹/۵ حدیث: ۹۴۴۲......صحیح ابن حبان: ۲۹۹/۱۲ حدیث: ۵۴۸۸۔

اذهب فاطرحه فهذا شر من ذلک وهذا شبه بحلیة أهل النار.

یعنی جاؤ اس کو پھینک آؤ۔ کیوں کہ یہ اُس سے بھی برا ہے، اور یہ اہل نار کے حلیے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

پھر اس نے اپنے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہنی تو آپ نے اس کو کچھ نہ فرمایا۔

حضرت ابوجحیفہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اس کو اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ چاندی کی انگوٹھی پہنا کرو۔

حضرت اعمش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی۔اور حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ مجھ کو ایک شخص نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تھی۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض علما نے انگوٹھی پہننے کو مکروہ جانا ہے؛ لیکن جمہور علما نے انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہے۔

مکروہ جاننے والوں کی حجت وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی پہننے سے سوائے سلطان کے سب کو منع فرمایا ہے۔

اور بعض تابعین نے فرمایا کہ صرف تین قسم کے لوگ انگوٹھی پہن سکتے ہیں :

۱: سردار۔ ۲: لکھنے والا (کاتب)۔ ۳: احمق۔

روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ میں انگوٹھی رہی، پھر اس کو حضرت عمر نے لیا اور ان کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عثمان نے اس کو لیا جب خلیفہ بنے اور ان کے خلافت کے اکثر ایام میں ان کے ہاتھ میں رہی؛ یہاں تک کہ ان سے چاہِ اریس میں گر پڑی۔

جس نے کہا ہے کہ بادشاہ اور دیگر کے لیے جائز ہے تو انھوں نے اس سے دلیل لی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام، اور تابعین آپ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد بھی انگوٹھی پہنتے تھے جبکہ وہ کہیں کے سردار بھی نہ تھے۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے :

إن الحسن والحسين كانا يتختمان في يسارهما وكان في خواتمهما ذكر اللّٰه .

یعنی بے شک امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور ان دونوں کی انگوٹھیوں میں اللہ کا ذکر (نقش) تھا۔

حضرت یعلی بن عبید نے حضرت راشد بن کریب سے روایت کی ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہے۔

حضرت یونس بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ میں نے قیس بن ابی حازم، عبدالرحمٰن بن اسود اور شعبی وغیرہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہے۔ اور ان لوگوں کی کوئی حکومت نہ تھی، اور اس لیے کہ بادشاہ آرائش کے لیے پہنتا ہے، یا مہر کرنے کی حاجت کی وجہ سے۔ اور سلطان وغیر سلطان حاجت اور زینت میں برابر ہیں؛ لہٰذا جب بادشاہ کے لیے جائز ہوا تو دوسروں کے لیے بھی جائز ہوگا اور اسی کو ہم قبول کرتے ہیں۔

باب نمبر 101 : انگوٹھی پر نقش وتحریر بنوانا

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لاتستضيئوا بنيران المشركين ولاتنقشوا علىٰ خواتمكم عربيا . (۱)

---

(۱) المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ: ۱۰/۴۱۰ حدیث: ۲۲۷۱۔

یعنی مشرکوں کی آگ سے مت سلگاؤ اور انگوٹھیوں میں عربی مت کھدواؤ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ مت لو اور اپنی انگوٹھیوں میں 'محمد رسول اللہ' مت کھدواؤ۔

حضرت امامہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کے نقش میں تین سطریں تھیں: ایک سطر میں 'محمد'، دوسری میں 'رسول' اور تیسری میں 'اللہ' لکھا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر '**نعم القادر الله**' (یعنی اللہ کتنا اچھا قادر ہے) نقش تھا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش تھا: '**كفى بالموت واعظاً ياعمر**' (یعنی اے عمر! موت نصیحت کے لیے کافی ہے)۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر یہ نقش تھا: '**لتصبرن أو لتندمن**' (یعنی صبر کرو ورنہ ندامت اٹھائے گا)۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر یوں نقش تھا: '**الملك لله**' (یعنی بادشاہی اللہ ہی کی ہے)۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی انگشتری پر یہ کندہ تھا: '**اغز غزوة تجادل عنك يوم القيامة**' (یعنی کوئی ایک جنگ لڑو جو قیامت میں تمہارا دفاع کر سکے)۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر انگوٹھی کے نگینے میں تصویر ہو تو مکروہ نہیں، جیسا کہ کپڑوں پر یا گھروں میں آویزاں تصویر کا حکم ہے؛ اس لیے کہ انگوٹھی کے نگینے کی تصویر اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ نظر اس کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے، اور وہ خوب اچھی طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ ہاں! اگر وہ خوب واضح ہو اور دیکھنے میں صاف پتا لگے تو پھر اس کا حکم

یقیناً کراہت کا ہوگا۔

تو جس طرح کپڑے میں نقش ونگار جائز ہے، اگرچہ حریر اور ریشم ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ وہ قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔اسی طرح انگوٹھی میں تصویر کا معاملہ بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ اُن کی انگوٹھی پر دو مکھیاں تھیں۔اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر دو ستارے تھے۔اور ایسا ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے تعلق سے آتا ہے کہ اُن کی انگوٹھی پر دو آدمیوں کے درمیان ایک شیر کی تصویر تھی، یا دو شیروں کے درمیان ایک آدمی کی تصویر تھی۔

اور اگر کسی کی انگوٹھی پر'اللہ' یا کسی نبی کا نام ہو تو بہتر ہے کہ استنجا خانے میں جاتے وقت انگوٹھی کو اپنی آستین میں لے لے، اور جب استنجا کرنے لگے تو دائیں ہاتھ میں ڈال لے؛ تاکہ حقارت اور بےادبی نہ ہو۔ -واللہ تعالیٰ اعلم-

باب نمبر 102 : ذومعنی کلام کا مسئلہ

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اپنی باتوں کو توریہ وتعریض (ذومعنی کلام) کرنے میں جھوٹ سے بچاؤ۔اور ذومعنی کلام کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسی بات کہے کہ بظاہر وہ کچھ لگے؛ مگر اس کی مراد اس سے کچھ اور ہو۔

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضراتِ موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعے میں جو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ'لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ' (یعنی میرے بھولے پر آپ مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں) تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعتاً بھول گئے تھے بلکہ آپ نے اس موقع پر تعریضاً ذومعنی کلام اِرشاد فرمایا تھا۔

حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب کہیں سفر پر جانے کا اِرادہ فرماتے تو اوروں کو بتانے سے گریز کرتے۔ یعنی سمت سفر مخفی رکھتے۔ اور لوگوں سے یوں استفسار فرماتے :

كيف الطريق إلى موضع كذا ثم كان يخرج إلى موضع آخر.

یعنی لوگو! یہ بتاؤ کہ فلاں فلاں گاؤں جانے کا راستہ کیا ہے، اور پھر آپ (خود متعینہ) سمت پر نکل جاتے تھے۔

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

استعينوا علىٰ قضاء حوائجكم بكتمان السر فإن كل ذي نعمة محسود. (۱)

یعنی اپنے رازوں کو چھپا کر اپنی ضرورتیں پوری کرنے میں اپنی مدد کرو؛ کیوں کہ ہر صاحب نعمت کے پیچھے بہت سے حسد کرنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب کسی کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتے اور وہ اس کے مطابق نہ کرتا تو آپ آسمان کی طرف اپنا سر اُٹھا کر فرماتے: 'اے اللہ! میں نے جھوٹ نہیں بولا، اے کاش! یہ لوگ جان لیتے کہ اس بارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے تین چیزوں میں جھوٹ سے کام لینے کی رخصت عنایت فرمائی ہے۔ ۱: دو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے۔ ۲: میدانِ جنگ میں۔ ۳: اور اپنی بیوی کو خوش کرنے کی خاطر۔

---

(۱) مسند شہاب قضاعی: ۱/۴۱۰ حدیث: ۷۰۷...... شعب الایمان بیہقی: ۵/۲۷۷ حدیث: ۲۱۳۰...... الفردوس بماثور الخطاب: ۱/۸۵ حدیث: ۲۶۹...... معجم کبیر طبرانی: ۲/۲۹۲ حدیث: ۱۱۸۶۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۵/۳۲۰ حدیث: ۱۵۶۰۰...... مجمع الزوائد: ۸/۱۵۴ حدیث: ۱۳۰۵۹۔

باب نمبر 103 : خط وکتابت کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی کسی کو خط لکھے تو چاہیے کہ اس پر مہر کر دے؛ اس لیے کہ یہ شک سے دور کر دیتی ہے، ایسی ہی رسم جاری ہے، اور اس بارے میں روایت بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

کرامة الکتابة ختمه .

یعنی خط کی خوبی مہر کرنے میں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

أیما کتاب لم یکن مختماً فھو أغلف .

یعنی جس خط پر مہر نہیں وہ اغلف (یعنی بے ختنہ کیے) ہے۔

متقدمین کے خطوط میں یہ رسم تھی کہ لکھنے والا اپنے نام سے یوں شروع کرتا تھا: 'فلاں شخص کی جانب سے فلاں شخص کی طرف'۔ اور اس بارے میں روایات وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ اپنے نائبوں میں سے کسی کو خط لکھتے تھے تو اپنے نام سے شروع کرتے تھے، اور اپنے غلاموں اور عاملوں کو بھی یہی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت وکیع نے ابن ابی داؤد سے روایت کی کہ جب عبداللہ بن محمد بن سیرین سفر کا اِرادہ کرتے تھے تو اُن کے والد (محمد بن سیرین) ان سے کہتے تھے کہ جس وقت تو میری طرف خط لکھے تو اپنے نام سے شروع کرنا اور اگر تو نے میرے نام سے شروع کیا تو میں اس کو نہ پڑھوں گا۔

حضرت ربیع بن انس نے فرمایا: کوئی شخص عظمت وفضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر نہیں، اور آپ کے صحابہ جب آپ کے پاس خط لکھتے تو وہ اپنے

ناموں سے شروع کرتے تھے۔

حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

إن أهل فارس إذا كتبوا بدؤا بعظمائهم و كبرائهم .

یعنی اہل فارس جب اپنے کسی امیر کو خط لکھتے تو اپنی امیر وکبیر شخصیتوں کے نام سے شروع کرتے ہیں۔

لہٰذا تم اپنے نام سے شروع کیا کرو؛ لیکن اگر کوئی مکتوب الیہ کے نام سے بھی شروع کرے تو جائز ہے؛ اس لیے کہ اس امر میں امت نے اتفاق کیا ہے۔ اور ارشادِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے :

لا تجتمع أمتي على الضلالة . (۱)

یعنی میری امت گمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی۔

لہٰذا جب اس امر میں اُمت نے اتفاق کیا ہے تو ثابت ہوا کہ انہوں نے کسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے جائز کہا ہوگا، تو جو پہلے تھا وہ منسوخ ہوگیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی آیت منسوخ ہوجاتی ہے، جب اُمت کا اس کے چھوڑنے پر اتفاق ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا o (سورۂ ممتحنہ: ۶۰/۱۱)

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (جب) تم جنگ میں غالب آجاؤ اور مالِ غنیمت پاؤ تو (اس میں سے) ان لوگوں کو جن کی عورتیں چلی گئی تھیں اس قدر (مال) ادا کردو جتنا وہ (ان کے مہر میں) خرچ کرچکے تھے۔

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۸/۵۵ حدیث: ۱۸۸۲۶...... معجم کبیر طبرانی: ۱۲/۴۴۷ حدیث: ۱۳۶۵۷...... مستدرک حاکم: ۱/۱۱۵ حدیث: ۳۹۳۔

توجب اجماعِ امت سے کتاب اللہ کی آیت منسوخ ہو جاتی ہے تو اجماعِ اُمت سے خبرِ واحد بدرجہ اولیٰ ترک ہونی چاہیے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مکتوب اِلیہ کے نام سے خط شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں بہتر یہ ہے کہ مکتوب الیہ کے نام سے شروع کریں، پھر اپنا نام لکھیں؛ اس لیے کہ اپنے نام سے شروع کرنے میں مکتوب الیہ کی حقارت ہے۔ ہاں! اگر اپنے کسی نوکر یا غلام کے نام لکھے تو بے شک اپنے نام سے شروع کرے۔ اور اگر کسی کا کسی کے خط میں سلام لکھا ہو یا سلام کے مثل کوئی اور کلمہ ہو تو چاہیے کہ اس کا جواب دے؛ اس لیے کہ غائب کی طرف سے لکھنا حاضر کے سلام کے مثل ہے۔ تو جس طرح سلام کا جواب واجب ہے، اسی طرح جواب کا جواب دینا بھی واجب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ خط کا جواب دینا ایسے ہی واجب سمجھتے تھے جیسے سلام کا جواب۔

باب نمبر 104 : خوش طبعی کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوش طبعی کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ ایسی فحش بات نہ کہے جس میں گناہ ہو، یا کسی ایسی بات کا اِرادہ نہ کرے کہ مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا ہو کہ یہ بلاشبہہ برا ہے۔ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اني لاَ مُزَحُ ولا أقول إلا حقا . (۱)

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۰/۱۹۷ حدیث: ۹۴۲۰ ...... معجم کبیر طبرانی: ۱۲/۳۹۱ حدیث: ۱۳۴۷۷ ...... الفردوس دیلمی: ۱/۵۶ حدیث: ۱۵۵ ...... کنز العمال: ۳/۶۴۸ حدیث: ۸۳۲۰۔

یعنی بیشک میں خوش طبعی کرتا ہوں؛ مگر پھر بھی سچ بات ہی کہتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اونٹ پر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! اونٹنی کے بچے کا میں کیا کروں گا؟۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اونٹوں کو اونٹنیوں کے سوا کوئی اور جنتا ہے!۔(۱)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ملے تو میرے ایک بھائی کو فرمایا :

یَا ابـا عمیر ما فعل النغیر . (۲)

یعنی اے ابوعمیر! تیرے بٹیر کا کیا ہوا؟

مروی ہے کہ ایک بڑھیا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ آپ نے فرمایا :

إن الجنة لا يدخلها العجوز .

یعنی جنت میں بوڑھے لوگ ہرگز داخل نہ ہوں گے۔

یہ سن کر وہ بڑھیا رونے لگی تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے اس کو غمگین کر دیا ہے۔ تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی :

اِنَّـا اَنْشَأنٰهُنَّ اِنْشَآءً o فَـجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا o عُـرُبًا اَتْرَابًا o (سورۃ واقعہ:۵۶/۳۵)

بیشک ہم نے اِن (حوروں) کو (حسن ولطافت کی آئینہ دار) خاص خِلقت

---

(۱) سنن ترمذی:۷/۴۹۷ حدیث:۲۱۲۲......مسند جامع:۳/۳۵۰ حدیث: ۹۸۸......روضۃ المحدثین:۱۰/۳۸۵ حدیث:۴۸۱۰۔

(۲) صحیح بخاری: ۲۰/۲۵۹ حدیث: ۶۱۲۹......صحیح مسلم:۱۴/۲۷۹ حدیث: ۵۷۴۷......سنن ابوداؤد: ۱۴/۲۹۳ حدیث:۴۹۷۱......سنن ترمذی:۲/۸۴ حدیث:۳۳۴......سنن ابن ماجہ:۱۱/۲۸۰ حدیث:۳۸۵۲۔

پر پیدا فرمایا ہے۔ پھر ہم نے اِن کو کنواریاں بنایا ہے۔ جو خوب محبت کرنے والی ہم عمر (ازواج) ہیں۔

یہ سن کر اُس بڑھیا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يبعثن شابا . (۱)

یعنی اس دن سب جوان اٹھائی جائیں گے۔

اور پھر مذکورہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

حضرت حماد بن سلمہ، جعفر خطمی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جس کی کنیت ابو عمرہ تھی اُم عمرہ کہہ کر مخاطب کیا تو اس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے آپ کو عورت نہیں پاتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إنما أنا بشر أمازحكم . (۲)

یعنی میں (ظاہر میں) تمہارے جیسا ہوں تم سے خوش طبعی کرتا ہوں۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوش طبعی زیادہ نہ کرنی چاہیے؛ کیوں کہ اس سے ہیبت جاتی رہے گی، نیک لوگ برا کہنے لگیں گے، بے وقوف جری ہو جائیں گے، اور ہلکے پن کی طرف نسبت کرنا شروع کر دیں گے۔

---

(۱) شمائل محمدیہ ترمذی: ۲۷۲/۱ حدیث: ۲۳۸ ...... معجم کبیر طبرانی: ۱۴۰/۶ حدیث: ۶۱۹۷ ...... جامع الاصول من احادیث الرسول: ۸۵۲۳/۱۱۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی: ۴۷۹/۹ حدیث: ۸۸۷۲ ...... کنز العمال: ۶۴۸/۳ حدیث: ۸۳۲۰ ...... الجامع الصغیر: ۲۲۱/۱ حدیث: ۲۵۷۹ ...... الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر: ۴۰۴/۱ حدیث: ۴۳۷۸۔

یوں ہی اس شخص سے خوش طبعی نہ کیا کریں جس سے آپ کا میل ملاپ نہ ہو، اور آپ اس کی عادت سے آگاہ نہ ہوں۔

اپنے رشتہ داروں اور ہم مجلسوں کے ساتھ خوش طبعی کرنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ گناہ اور زیادتی کی بات نہ ہو۔ بلاشبہ سب کاموں میں میانہ روی سب سے عمدہ ہے؛ نیز اس سے بھی بہتر ہے کہ آدمی گرانی اور ہلکے پن کی طرف نسبت کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر 105 : فوائدِ مختلفہ

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت وکیع، ثور سے، وہ محفوظ سے اور وہ علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں دیکھا تو ارشاد فرمایا :

تحول إلى الظل فإنه مبارك . (۱)

یعنی سایہ کی طرف آجاؤ کہ یہ یقیناً مبارک ہے۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

حرف الظل مجلس الشيطان . (۲)

یعنی سائے کا کنارہ شیطان کی نشست گاہ ہے۔

یعنی دھوپ اور سائے کے درمیان کا حصہ۔

حضرت ابوزبیر، حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی:۱۱/۲۲۷ حدیث:۱۰۶۳۵...... کنز العمال:۹/۱۴۱ حدیث: ۲۵۴۱۰......مستدرک حاکم:۴/۲۷۱ حدیث:۷۷۱۱......مصنف ابن ابی شیبہ:۷/۴۵۲ حدیث:۲۴۱۸۶۔

(۲) کنز العمال:۹/۱۳۸ حدیث:۲۵۳۸۷......الجامع الصغیر:۲/۳۷۹ حدیث:۹۵۷۱......مسند جامع:۴۷/۴۵ حدیث:۱۵۶۹۰۔

إذا كتبتم الكتاب فتربوه فإنه أسرع للحاجة وأنجح للطلب والبركة في التراب .

یعنی جب تم کوئی خط لکھو تو اس کو خشک مٹی پر مارو، بے شک اس میں جلد حاجت روائی ہوتی ہے اور برکت مٹی میں ہے۔

حضرت نافع حضرات عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے کہ کام وقت پر یاد آ جائے تو یاد داشت کے لیے اپنے ہاتھ پر دھاگہ باندھ لیتے۔ اہل عرب میں یہ دھاگہ 'رتیمہ' کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نوروز کے دن کسی نے تحفہ بھیجا تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آج نوروز ہے۔ فرمایا :

ليت كل يوم نيروز .

یعنی کاش! ہر روز نوروز ہوتا۔

حضرت ابن نجیح' حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا، پھر اس کا حال پوچھا تو کسی نے کہا کہ میں اس کی صورت پہچانتا ہوں؛ مگر نام نہیں جانتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ليست تلك بمعرفة . (۱)

یعنی یہ کون سی پہچان ہے؟۔

یعنی جب تک تو اس کا نام نہ جانے، پہچان نہیں ہوتی۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(۱) سنن کبریٰ بیہقی: ۱۲۵/۱۰ حدیث: ۲۰۹۰۰...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۶/۹ حدیث: ۲۷۱۷۶...... تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف: ۳۵۱/۱۳ حدیث: ۱۹۲۶۹۔

أغلقوا الباب و أوكئوا السقاء وأطفئوا السراج فإن الفويسقة تضرم على أهل البيت بيتهم . (۱)

یعنی دروازہ بند کرو، برتنوں کو ڈھک دو، اور چراغ بجھا دو۔ کیوں کہ فویسقہ گھر والوں کا گھر جلا دیتا ہے۔

یعنی چوہا چراغ کھینچ لے جاتا ہے۔

حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے لیے پیدل نکلا کرتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے تھے۔ نیز عید الفطر کو کھانا پہلے کھا لیتے تھے اور عید الضحیٰ کو (نمازِ عید کے) بعد کھاتے تھے۔

حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے :

اطلبوا الخير عند حسان الوجوه وحسان الصوت . (۲)

یعنی اچھی شکلیں اور اچھی آواز کے دیکھنے اور سننے وقت بہتری سمجھو۔

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عاملوں کو لکھا کرتے تھے :

أن لا تردوا إلي إلا رجل حسن الوجه حسن الجسم حسن الصوت وحسن الخلق .

یعنی تم میری طرف مت بھیجا کرو؛ مگر اچھی صورت والے، اچھے جسم والے، اچھی آواز والے اور اچھے اخلاق والے آدمی کو۔

---

(۱) صحیح مسلم:۱۵۹۴/۳ حدیث:۲۰۱۱......سنن ابوداؤد:۳۹۳/۳ حدیث:۳۷۳۴......سنن ابن ماجہ:۱۱۲۹/۲ حدیث:۳۴۱۰......سنن ترمذی:۲۶۳/۴ حدیث:۱۸۱۲......صحیح ابن حبان:۸۶/۴ حدیث:۱۲۷۱۔

(۲) مسند اسحٰق بن راہویہ:۹۴۷/۳ حدیث:۱۶۵۱......مسند ابویعلی موصلی:۱۹۹/۸ حدیث:۴۷۵۹......مسند عبد بن حمید:۲۴۳/۱ حدیث:۷۵۱......احادیث مختارۃ ذہبی:۱۳۴/۱ حدیث:۹۲۔

اورایک روایت میں 'حسن الاسم' آیا ہے، یعنی 'اچھے نام والے' شخص کو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما بعث اللّٰہ رسولا إلا کان حسن الوجه حسن الاسم حسن الصوت .

یعنی اللہ نے ہر رسول کو خوبصورت، اچھے نام اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا۔

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا نهيت المسكين ثلثا فلم ينته فلا بأس أن تزجره وتنثره.

یعنی جب تو نے مسکین کو تین بار منع کیا اور وہ نہ مانا تو اس کو جھڑکنے اور دھتکارنے میں کچھ حرج نہیں۔(۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں چھوٹے سائز کا قرآن دیکھا تو فرمایا یہ کس نے لکھا ہے؟۔اس نے کہا: میں نے۔تو آپ نے اس کو کوڑا مارتے ہوئے فرمایا کہ 'قرآن کو بڑا لکھا کرو'۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو چھوٹی چیز پر لکھنا مکروہ ہے۔

حضرت عمرو بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں سویا اور میرے پاس کچھ نہ تھا۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے کپڑے میں سے ایک تھیلی ملی جس میں تقریباً چالیس درہم تھے۔

پھر میں حضرت عطا کے پاس آیا اور ان سے فتویٰ طلب کیا تو انھوں نے جواب دیا: 'جس شخص نے تیرے کپڑے میں ڈالے ہیں تم کو دینے کے لیے ہی ڈالے ہیں؛ لہٰذا اگر تم کو اس کی حاجت ہے تو اپنی حاجت پوری کرو اور اگر تجھ کو اس کی حاجت نہیں تو محتاجوں کو دے دو'۔

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی:۱۹۸/۳ حدیث:۲۰۳۴......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۲۶۵/۳ حدیث:۴۵۴۹۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ ہم ابن قتادہ کے ساتھ ایک چھت پر تھے کہ ایک تارا ٹوٹا۔ہم اس کو دیکھنے لگے تو انھوں نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں اس کے پیچھے مت لگاؤ؛ کیوں کہ ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت وکیع بن ذؤیب' حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب نیا میوہ آتا تھا تو اسے اپنے منہ پر رکھتے تھے یعنی چومتے تھے اور فرماتے تھے :

اللّٰھم ارزقنا اٰخرہ کما رزقتنا أولہ .

یعنی اے اللہ! ہم کو اس کا آخر بھی نصیب فرما جیسے تو نے ہمیں اس کا اوّل عطا فرمایا۔(یعنی اول فصل سے اختتام فصل تک نصیب فرما)۔

حضرت حسن روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا سل أحدکم سیفا فلا یناولہ حتی یغمدہ .

یعنی جب تم تلوار کو نیام سے نکالو تو اسی طرح دوسرے کو مت پکڑا دو بلکہ نیام میں ڈال کر پکڑاؤ۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا تو فرمایا :

أ لم أنہ عن ھذا؟ فمن فعل فعلیہ لعنۃ اللّٰہ . (۱)

یعنی کیا میں نے تم کو اِس سے منع نہ کیا تھا۔لہٰذا یاد رکھو کہ جس شخص نے بھی ایسا کیا اس پر اللہ کی لعنت۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ذبائحِ جِن سے منع فرمایا ہے۔اور ذبائح جن یہ ہے کہ نئے گھر میں ٹوٹکے کے طور پر

(۱) مستدرک حاکم: ۲۹۰/۴حدیث: ۷۷۸۶...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۴۱/۳حدیث: ۲۱۲۱......کنز العمال:۶۶/۱۵حدیث:۴۰۱۱۷......الجامع الصغیر:۵۲/۱حدیث:۶۸۲۔

نظر بد یا بدشگونی سے بچنے کے لیے ذبح کیا جائے، تاکہ نحوست نکل جائے۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'مَسْجِدْ' کو 'مُسَیْجِدْ' اور 'مُصْحَفْ' کو 'مُصَیْحِفْ' کہنے سے منع فرمایا۔ یعنی تصغیر کے صیغہ سے نہ پکارا جائے۔

حضرت شعبی، ابوجحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا :

إذا كان يوم القيمة نادى مناد من وراء الحجاب: غضوا أبصاركم عن فاطمة بنت محمد عليه الصلوة والسلام حتى تمر إلى الجنة . (۱)

یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پردے میں سے پکارے گا کہ (اے اہل محشر!) اپنی آنکھیں نیچے کرلو تاکہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پل صراط سے گزر کر) جنت کی طرف تشریف لے جائیں۔

باب نمبر 106 : دوشوہر والی بیوی کا مسئلہ

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کی ــ اس عورت کی بابت جس کے دنیا میں دو خاوند رہے ہوں ــ مختلف آرا ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ پچھلے خاوند کو ملے گی، جب کہ بعض نے کہا کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ اور ہر دو فریق کے قول کی تائید روایات کرتی ہیں۔

(۱) مستدرک حاکم: ۱۵۳/۳ حدیث: ۴۷۲۸...... جامع الاحادیث سیوطی: ۱۷/۴ حدیث: ۲۶۸۲...... کنز العمال: ۱۰۸/۱۲ حدیث: ۳۴۲۱۸...... اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب: ۴۵/۱۔

جس نے کہا کہ وہ پچھلے خاوند کو ملے گی تو وہ دراصل اس روایت کی طرف گیا ہے جو حضرت معاویہ بن ابوسفیان سے مروی ہے کہ انھوں نے ام دردا کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے انکار کرتے ہوئےکہا کہ میں نے ابودردا سے ایک حدیث مبارکہ سنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

المرأة لآخر زوجيها في الأخرة . (۱)

یعنی عورت آخرت میں پچھلے شوہر کو ملے گی۔

اور حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اگر تو آخرت میں بھی میری بیوی رہنا چاہتی ہے تو اور نکاح مت کرنا۔

اور جس نے کہا ہے کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا تو وہ اس روایت کی طرف گیا ہے کہ ام المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! ہم عورتوں میں وہ بھی ہیں جن کے دو خاوند ہوتے ہیں تو قیامت میں کس کو ملے گی؟۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

تخير فتختار أحسنهما خلقا معهما .

یعنی عورت کو اختیار دیا جائے گا تو جس کے اخلاق اچھے ہوں گے وہ اس کو اختیار کرلے گی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ذهب حسن الخلق بخيري الدنيا والأخرة . (۲)

یعنی اچھے اخلاق والا دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب رہا۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب:۲۳۷/۴ حدیث:۶۷۱۱ ...... جامع الاحادیث سیوطی:۱۴۹/۲۲ حدیث:۲۴۵۳۵ ......الجامع الصغیر:۳۵۸/۲ حدیث:۹۱۹۲۔

(۲) مسند عبد بن حمید:۳۶۵/۱ حدیث:۱۲۱۲...... جامع الاحادیث سیوطی:۲۳۳/۱۱ حدیث:۱۰۶۵۱......معجم کبیر طبرانی:۲۲۲/۲۳ حدیث:۱۹۳۶۵......نوادر الاصول فی احادیث الرسول:۳۱۲/۲۔

باب نمبر 107 : مشرکین کے بچوں کا حکم

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشرکوں کے بچے جو چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں، اُن کے تعلق سے اہلِ علم نے کلام کیا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ جنت میں ہوں گے اور کچھ نے کہا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ وہ اہلِ جنت کے غلام ہوں گے، اور بعض اس کے خلاف رائے قائم کی ہے؛ کیوں کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

جس نے کہا کہ وہ جنت میں ہوں گے تو وہ اس روایت کی طرف گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یھودانه و ینصرانه و یمجسانه . (۱)

یعنی ہر بچہ فطرتِ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

جو کہتا ہے کہ دوزخ میں جائیں گے تو وہ اس حدیث کی طرف گیا ہے کہ اُم المومنین حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی اولاد کا حال پوچھا جو زمانۂ جاہلیت میں پہلے خاوند سے تھی اور پیدا ہو کر مر گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

إن شئت أریتک تقلبھم في النار، وإن شئت أسمعک نعاءھم فی النار ولأن اللّٰہ تعالیٰ قال: وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا . فإنھم حین ولدوا کانوا کفاراً .

یعنی اگر تو چاہے تو میں تجھے جہنم میں انھیں پلٹیاں کھاتے دکھا دوں، اور اگر

---

(۱) صحیح بخاری:۲/۱۰۰حدیث: ۱۳۸۵......صحیح مسلم:۴/۲۰۴۷حدیث: ۲۶۵۷......سنن ابوداؤد:۴/۳۶۶حدیث:۴۷۱۶......سنن ترمذی:۴/۴۴۷حدیث:۲۱۳۸......صحیح ابن حبان:۱/۳۳۶حدیث:۱۲۸۔

تو چاہے تو میں تجھے جہنم میں اُن کے شور و بکا کی آواز سنا دوں۔اور اس لیے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: 'اور ان کے اولاد ہو گی تو وہ بھی بڑی بدکار بڑی ناشکری ہو گی۔اور لوگ جب پیدا ہوئے کافر تھے۔(۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ایک بچے کے جنازے پر سے گزری تو میں نے کہا: 'خوشخبری ہو اس کے لیے کہ یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے'۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما تدرين لو كبر ماذا يكون منه . (۲)

یعنی تمہیں کیا معلوم کہ اگر یہ بڑا ہوتا تو کیا کام اس سے ہوتا!۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اہل جنت کے غلام ہوں گے تو اس کی حجت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أ تدرون من اللاهون من أمتي .

یعنی کیا تم جانتے ہو کہ میری امت میں سے کون کھیلنے والے ہیں؟۔

لوگوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا :

أطفال المشركين لم يذنبوا فيعذبوا ولم يعملوا حسنة فيثابوا فهم خدم أهل الجنة .

یعنی وہ مشرکوں کے بچے ہیں کہ انھوں نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان کو عذاب دیا جائے، اور نہ ہی کوئی نیکی کی کہ اس کا ثواب پائیں۔مگر یہ لوگ اہل جنت کے خدمت گزار ہوں گے۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب احادیث مختلف ہوں تو ان کے بارے میں سکوت بہتر ہے؛ لہٰذا ہم یہی کہتے ہیں: واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بامرہم۔

(۱) معجم اوسط طبرانی: ۲/۳۰۲ حدیث: ۲۰۴۵۔
(۲) معجم اوسط طبرانی: ۲/۳۰۲ حدیث: ۲۰۴۵۔

روایتوں میں آتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کسی نے مشرکوں کے بچے کا حال پوچھا۔تو آپ نے فرمایا: مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔

یوں ہی حضرت محمد بن حسن سے اطفالِ مشرکین کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں توقف کرتا ہوں بچوں کے بارے میں؛ لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ کسی کو بے گناہ عذاب نہ کرے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 108 : تذکرۂ اَنبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاے کرام (کم وبیش) ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں، جن میں سے تین سو تیرہ (۳۱۳) مرسل ہیں اور باقی مرسل نہیں ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے غزوۂ بدر کے دن صحابۂ کرام سے فرمایا :

أنتم عدد المرسلين وعلى عدد أصحاب طالوت حين جاوزوا النهر .

یعنی تمہاری تعداد مرسلین اور نہر سے پار ہو جانے والے اصحابِ طالوت کے برابر ہے۔

یعنی تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی۔

جو نبی کہ مرسل نہیں تھے ان میں سے بعض کے پاس سوتے میں وحی آتی تھی، اور بعض ان میں سے کسی بے دیکھے شخص کی آواز سنتے تھے۔تو سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو کہ اپنی اولاد کی طرف رسول تھے، اور اللہ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کی بیوی حضرت حوا کی تخلیق حضرت آدم کی بائیں پسلی سے کی۔

حضرت حوا سے چالیس مرد اور عورت بیس حمل میں پیدا ہوئے۔ پھر ان کی اولادیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ ساری دنیا بھر گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ (سورۂ نساء:۴/۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتدا) ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔

حضرت آدم کی کنیت جنت میں 'ابومحمد' ہے؛ کیوں کہ ان کی اولاد میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مکرم ومحترم ہیں، تو اسی نام سے اُن کی کنیت ہوئی؛ لیکن زمین میں ان کی کنیت 'ابوالبشر' ہے (کہ وہ کل انسانوں کے باپ ہیں)۔ آپ پر مردار، خون اور سور کا گوشت حرام تھا۔ آپ نوسوتیس (۹۳۰) سال ظاہری حیات سے متصف رہے۔ اور یوں ہی اہل توریت نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ کی روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام ہزار سال تک زندہ رہے۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت شیث بن آدم علیہما السلام نبی مرسل تھے۔ اور وہ حضرت آدم کے وصی اور ولی عہد تھے۔ حضرت وہب مزید فرماتے ہیں کہ حضرت شیث پر پچاس (۵۰) صحیفے نازل ہوئے، اور انھوں نے نوسوسال (۹۰۰) زندگی پائی۔

حضرت شیث علیہ السلام (بھی اس حیثیت سے) ابوالبشر تھے کہ تمام لوگوں کا نسب انہیں تک پہنچتا ہے۔ پھر حضرت ادریس علیہ السلام نبی مرسل ہوئے۔ ان کا اصل نام 'اَخنوع' تھا، اور 'ادریس' نام پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ اللہ کی کتاب اور اسلام کی سنتوں کا کثرت سے درس دیا کرتے تھے۔

آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قلم سے لکھا، اور روئی کا کپڑا سیا اور پہنا؛ کیوں کہ

اس سے پہلے کھال اور اون اِستعمال ہوتا تھا۔آپ پر ہزار (۱۰۰۰) آدمی ایمان لائے۔ اور آپ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ جب آپ کی عمر مبارک تین سو پینسٹھ (۳۶۵) سال ہوئی تو آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔قرآن شہادت دے رہا ہے :

وَ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (سورۂ مریم:۱۹/۵۷)

اور ہم نے انھیں بلند مکان پر اٹھالیا۔

اور آپ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیس (۳۰) صحیفے نازل فرمائے۔

آپ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں، جن کا نام 'شاکر' تھا؛ مگر 'نوح' کے نام سے اس لیے شہرت پذیر ہوئے کہ آپ کثرت سے خوفِ الٰہی میں نوحہ وبکا فرماتے تھے۔ آپ پہلے رسول تھے جن کی شریعت مستقل اور پہلی شریعتوں کی ناسخ تھی۔آپ سے پہلے بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا؛ مگر آپ کے زمانے میں حرام ہوگیا تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا تو سوائے اس کشتی کے جس میں آپ اور آپ کے اصحاب چالیس مرد اور چالیس عورتیں سوار تھیں ساری زمین ڈوب گئی۔ اور جب کشتی سے اُترے تو یہ سب لوگ مر گئے، سوائے حضرت نوح کی اولاد سام، حام اور یافث اور ان کی بیویوں کے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ (سورۂ صافات:۳۷/۷۷)

اور ہم نے فقط اُن ہی کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔

پھر آپ کی اولاد پیدا ہوئی؛ یہاں تک کہ بہت ہوگئی۔تو عرب، روم اور فارس سب سام کی اولاد ہیں۔حبش، سندھ اور ہند سب حام کی اولاد سے ہیں۔اور یاجوج ماجوج، صقالب اور ترک سب یافث کی اولاد ہیں۔

آپ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام ہوئے، جن کا نام ہود بن عبداللہ تھا؛ مگر بعض نے ہود بن تارخ بن جواب بن عیوص بتایا ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف بھیجا

تھا۔ بعضوں نے کہا کہ عاد ایک قبیلے کا نام ہے؛ مگر بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل اُن کے بادشاہ کا نام تھا، اور اُن کا نام اپنے بادشاہ کے نام پر ہوا کرتا تھا۔

پھر جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بے سود ہوا بھیجی، جس نے سب کو ہلاک کر ڈالا۔

آپ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نبی ہوئے۔ جن کا نام صالح بن ابی عبید تھا؛ مگر بعض صالح بن عانق بتاتے ہیں۔ آپ کو اللہ نے قومِ ثمود کی طرف بھیجا تھا، اور ثمود، ہجر میں ایک کنوئیں کا نام ہے تو اس قبیلہ کا نام اسی کنوئیں سے پڑ گیا۔

چنانچہ آپ کی قوم نے بھی آپ کو جھٹلایا اور آپ سے سوال کیا کہ ہمارے لیے ایک حاملہ اونٹنی اس پہاڑ میں سے نکال دیں۔ آپ نے جب ایسا کر دکھایا، تو انہوں نے نہ صرف جھٹلایا بلکہ اس معجزانہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا شخص سرخ رنگ اور کیری آنکھوں والا قدار بن سالف تھا، جو ساری قوم میں بدترین شخص تھا۔ قرآن گواہی دیتا ہے :

اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا o (سورۂ شمس:۹۱/۱۲)

جبکہ ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک کڑک اور بھونچال سے ہلاک کر دیا۔

آپ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ کا نام ابراہیم بن آذر بن تارخ بن ناخور ہے۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے سب سے پہلے مسواک فرمائی۔ سب سے پہلے پانی سے استنجا کیا۔ سب سے پہلے مونچھیں کتروائیں۔ سب سے پہلے اپنے سفید بال دیکھے۔ سب سے پہلے ختنہ فرمایا۔ سب سے پہلے پاجامہ زیب تن فرمایا۔ سب سے پہلے ثرید بنایا یعنی شوربے میں روٹی بھگو کر تناول فرمائی اور سب سے پہلے ضیافت فرمائی۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ا: اسمٰعیل ۲: اسحٰق ۳: مدین ۴: مدائن۔
بعض نے چھ بیٹے بتائے ہیں، اور بعض نے بارہ کا قول اختیار کیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی مرسل اور تمام اہل عرب کے باپ تھے۔ اور حضرت اسحٰق علیہ السلام بھی نبی مرسل تھے۔ حضرت اسحٰق کے دو صاحبزادے تھے۔ا: یعقوب ۲: عیصو۔ یہ دونوں ایک ساتھ (جڑواں) پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب، عیصو کے بعد اپنی والدہ کے پیٹ سے نکلے تھے؛ اس لیے ان کا نام 'یعقوب' رکھا گیا کہ ان کے پیچھے نکلے۔ اور آپ تمام بنی اسرائیل کے باپ تھے۔ آپ کی کنیت 'اسرائیل' تھی۔ عبرانی زبان میں اس کا معنی 'عبداللہ' یعنی 'اللہ کا بندہ' کے ہیں۔ اور عیصو تمام اہل روم کے باپ تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا زاد بھائی اور ہم زمانہ تھے۔ سارہ حضرت لوط کی بہن تھیں اور حضرت اسحٰق کی والدہ محترمہ۔ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے تھے۔ نسب یوں ہے: لوط بن ہارون بن تارخ بن ناخور۔

حضرت ابراہیم کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام نبی ہوئے، اور آپ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے تھے۔ اور وہ ایوب بن موسیٰ اور ان کی اہلیہ حضرت یعقوب کی صاحبزادی تھیں جن کو 'لیا بنت یعقوب' کہا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رحمہ بنت یوسف تھیں۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام نبی ہوئے اور وہ نویب کے بیٹے تھے۔ اللہ نے آپ کو اہل مدین کی طرف بھیجا تھا؛ لیکن ان کی قوم نے انہیں جھٹلا دیا، تو اللہ نے ان کو بھونچال اور کڑک کے عذاب سے ہلاک فرما دیا۔

پھر حضرت عمران کے صاحبزادے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام نبی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کی طرف نبی بنا کر مصر بھیجا۔ فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا۔

پھر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔

پھر حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہوئے کہ جنھیں اللہ نے مچھلی کے ساتھ آزمایا۔ مچھلی نے ان کو نگل لیا اور یہ تین دن تک اس کے پیٹ میں رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو سات دن تک آزمایا۔ جب کہ بعض نے چالیس دن بھی کہا ہے۔

آپ کو موصل کی بستی اہل نینوا کی طرف بھیجا گیا۔ قوم نے آپ کو جھٹلا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا، پھر جب وہ ایمان لے آئے، تو اللہ نے ان سے عذاب اُٹھالیا حالاں کہ وہ ان کو پورے طور سے اپنے گھیرے میں لے چکا تھا۔

پھر ایشا کے صاحبزادے حضرت داؤد علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ نہ صرف نبی مرسل بلکہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہوئے (اور نہ صرف بنو اسرائیل بلکہ ساری دنیا پر بادشاہت کی)۔

پھر زکریا بن ماثان۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے یحییٰ۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ پھر الیاس علیہ السلام۔ یہ نبی مرسل، اور یوشع بن نون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعلبک کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا۔ بعلبک ملک شام کا ایک مشہور شہر ہے۔ حضرت الیسع علیہ السلام آپ کے شاگرد تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

'اسباط' حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کثرت سے ہوئی تو ہر ایک کی اولاد 'سبط' کہلائی۔ اور سبط بنی اسرائیل میں اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے عرب میں قبیلہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں سترہ سال حیات رہے، اور آپ کی عمر مبارک ایک سو سینتالیس (۱۴۷) سال کی ہوئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد تیئیس (۲۳) سال حیات رہے۔ جب حضرت یوسف کا وصال ہوا تو آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔ اور بعض نے ایک سو دس (۱۱۰) کہا ہے۔

حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ ہم نے بعض کتابوں میں پایا ہے کہ دس نبی مختون پیدا ہوئے: حضراتِ آدم، شیث، ادریس، نوح، لوط، اسماعیل، یوسف، زکریا، عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے طوفان میں بارہ سو بیالیس (۱۲۴۲) سال کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت نوح نے طوفان سے تین سو پچاس (۳۵۰) سال بعد وصال فرمایا۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان بارہ سو چالیس (۱۲۴۰) سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان نو سو (۹۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام کے درمیان پانچ سو (۵۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بارہ سو (۱۲۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ لیکن بعض نے کہا کہ یہ سالوں کا تخمینہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ٥ (سورۂ فرقان: ۲۵/۳۸)

اور اُن کے درمیان بہت سی اُمتیں ہوئیں۔

لہٰذا اس مقدار اور فاصلے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کوئی نبی نہ آیا اور اس زمانے میں وحی منقطع رہی۔ اللہ کے اس قول سے یہی مراد ہے :

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ٥ (سورۂ مائدہ: ۵/۱۹)

(ہمارے یہ آخر الزمان رسول ﷺ) پیغمبروں کی آمد (کے سلسلے) کے

منقطع ہونے (کے موقع پر تشریف لائے ہیں)۔

'فترۃ' نام اس لیے رکھا ہے کہ دین منقطع ہوا اور مٹ گیا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) سال کا فاصلہ ہے۔کلبی نے (۵۴۰) سال۔مقاتل اور ضحاک نے (۶۰۰) سال۔اور حضرت وہب بن منبہ نے چھ سو بیس (۶۲۰) سال کا فاصلہ بتایا ہے، اور یہی قول صحیح تر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام پر جو کتابیں نازل فرمائیں ہیں وہ سب لوگوں میں مشہور ہیں کہ چار ہیں: توریت حضرت موسیٰ پر، زبور حضرت داوٗد پر، انجیل حضرت عیسیٰ پر اور قرآن مجید حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک سو چار (۱۰۴) کتب وصحائف نازل فرمائے۔جن میں سے پچاس (۵۰) صحائف حضرت شیث پر، تیس (۳۰) حضرت ادریس پر، اور بیس (۲۰) حضرت ابراہیم پر۔

ایک روایت میں ہے کہ دس (۱۰) صحائف حضرت ابراہیم پر، دس (۱۰) صحائف حضرت موسیٰ پر توریت سے قبل نازل ہوئے، اور زبور حضرت داوٗد پر، اور انجیل حضرت عیسیٰ پر، اور قرآن مجید جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔

ذوالقرنین اور لقمان کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ دونوں نبی تھے، اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ لقمان حکیم تھے اور ذوالقرنین نیک بادشاہ تھے؛ مگر نبی نہ تھے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ دونوں نبی تھے۔حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے لوگوں نے ذوالقرنین کا حال پوچھا، تو آپ نے فرمایا: **'کان رجلا صالحا'** یعنی نیک آدمی تھا۔

بعض نے کہا کہ آپ کا نام 'ذوالقرنین' اس لیے رکھا گیا کہ آپ روم اور فارس کے بادشاہ تھے۔ بعض نے کہا کہ ان کے سر پر دو سینگوں کے نشان تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ دو قرن زندہ رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے آفتاب کے دونوں کنارے یعنی مشرق اور مغرب کی سیر کی تھی۔ بعض نے کہا کہ جوانی میں انھوں نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے نزدیک ہے، اور اس کی دونوں شاخیں پکڑ لیں اور اپنی قوم کو خبر دی تو قوم نے ان کا نام 'ذوالقرنین' رکھ دیا؛ مگر آپ کا اصل نام اِسکندر تھا۔

پانچ انبیاے کرام کی زبان عربی تھی۔ ۱: حضرتِ اسماعیل ۲: حضرت ہود ۳: شعیب ۴: صالح ۵: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اہل علم نے اس بیٹے کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس کے ذبح کا حکم حضرت ابراہیم کو ہوا تھا: بعض کہتے ہیں کہ وہ اسماعیل تھے اور بعض نے کہا کہ وہ حضرت اسحٰق علیہا السلام تھے۔

حضراتِ علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، عبداللہ بن سلام، عکرمہ، مقاتل، کعب احبار اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔

حضراتِ ابن عباس، ابن عمر، مجاہد، محمد بن کعب قرظی اور کلبی فرماتے ہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور یہ قول کتاب وسنت سے بہت موافق ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ o (سورۂ صافات: ۳۷/۱۰۷)

اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اِس کا فدیہ کر دیا۔

پھر اللہ نے ذبح کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا :

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ o (سورۂ صافات: ۳۷/۱۱۲)

اور ہم نے (اِسماعیل کے بعد) انہیں اِسحاق کی بشارت دی، (وہ بھی) صالحین میں سے نبی تھے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أنا ابن الذبيحين . (۱)

یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

اس سے مراد ان کے والد حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیل ہیں، اور تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

لیکن اہل توریت کہتے ہیں کہ توریت کے اندر یہ بات لکھی ہے کہ ذبیح حضرتِ اسحٰق ہیں۔ تو اگر یہ بات واقعتاً صحیح ہو تو ہم اس پر ایمان لائے۔

کہا جاتا ہے کہ ساری روئے زمین کی سلطنت کسی کو حاصل نہ ہوئی سوائے چار لوگوں کے: دو مسلمان اور دو کافر۔ مسلمانوں میں سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام، اور اسکندر ذوالقرنین۔ اور کافروں میں سے نمرود بن کنعان، اور دوسرا بخت نصر تھا، جس نے بیت المقدس کو پامال کیا، ان میں سے ستر ہزار کو قتل کیا، ستر ہزار کو قیدی بنایا، اور پھر ان کو بابل کے دروازے تک لے جایا گیا، جن میں دانیال پیغمبر بھی تھے جو ابھی چھوٹے تھے اور نبی تھے۔

کہتے ہیں کہ بچپن میں صرف چار نے لوگوں نے کلام کیا: ایک حضرت عیسیٰ بن مریم۔ دوسرا صاحب اُخدود۔ تیسرا جریج راہب کا دوست۔ اور چوتھا حضرت یوسف کی گواہی دینے والا۔ جس کے بارے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے :

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا o (سورۂ یوسف:۱۲/۲۶)

(۱) اللؤلؤ المرصوع قاوقجی: ۱/۴۹ حدیث: ۸۱......المقاصد الحسنۃ سخاوی: ۱/۱۶۷ حدیث: ۱۸۳۔

اور (اتنے میں خود) اس کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے (جو شیر خوار بچہ تھا) گواہی دی۔

اہل علم نے اس شاہد کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ تو بعض کہتے ہیں کہ وہ شاہد ایک بڑا آدمی تھا، کوئی بچہ نہ تھا۔

حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ میں نے انبیاے کرام کی کتابوں میں پایا ہے کہ حضرت آدم کی عمر مبارک (۹۳۰) سال تھی۔ حضرت نوح کی عمر مبارک ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال۔ حضرت ابراہیم کی عمر (۱۹۵) سال۔ حضرت اسماعیل کی عمر (۱۳۷) سال۔ حضرت اسحٰق کی عمر (۱۸۰) سال۔ حضرت یعقوب کی عمر (۱۴۹) سال۔ حضرت یوسف کی عمر (۱۲۳) سال۔ حضرت داوٗد کی عمر (۷۰) سال۔ حضرت سلیمان کی عمر (۱۸۰) سال۔ حضرت زکریا کی عمر (۳۰۰) سال۔ حضرت یحییٰ کی عمر (۷۵) سال۔ حضرت شعیب کی عمر (۲۵۴) سال۔ حضرت صالح کی عمر (۱۸۰) سال۔ حضرت ہود کی عمر (۱۶۵) سال۔ حضرت عیسیٰ کی عمر (۳۳) سال (پھر وہ آسمان میں اُٹھا لیے گئے)۔ اور محمد رسول اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی عمر مبارک (۶۳) سال تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 109 : ذِکرِ مخلوقاتِ الٰہی کا

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن اللّٰہ تعالیٰ خلق ثمانیة عشر ألف عالم والدنیا منها عالم واحد .

یعنی اللہ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے جن میں سے ایک عالم یہ دنیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰہ تعالی خلق فی الأرض من الخلق ست مائة فی البحر و أربع مائة فی البر .

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہزار گروہ پیدا کیے ہیں، ان میں سے چھ سو دریا میں اور چار سو خشکی میں ہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن اللّٰہ تعالیٰ خلق أرضا بیضاء مثل الدنیا ثلاثین مرة مسیرة الشمس فیھا ثلاثون یوما محشوة خلقا من خلق اللّٰہ تعالیٰ لا یعلمون إلا اللّٰہ تعالیٰ ولا یعصونه ما أمرھم طرفة عین . (۱)

یعنی اللہ نے ایک سفید زمین پیدا کی جو دنیا سے تین حصہ زیادہ ہے، آفتاب کی گردش اس پر تین دن میں ہوتی ہے، اور وہ زمین اللہ کی مخلوق سے بھری ہوئی ہے۔ اور وہ مخلوق اللہ کے سوا کسی کو نہیں جانتی، اور اللہ کی نافرمانی ایک لحظہ بھر بھی نہیں کرتی۔

لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ بنی آدم ہیں؟۔ فرمایا :

لایعلمون أن اللّٰہ خلق اٰدم .

یعنی وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا ہے۔

لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ! پھر ابلیس ان سے کہاں رہتا ہے؟۔ فرمایا :

لا یعلمون أن اللّٰہ تعالی خلق إبلیس .

یعنی وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے ابلیس کو پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o (سورۂ نحل:۱۶/۸)

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب دیلمی:۱/۱۸۹حدیث:۷۰۸۔

اور وہ (وہ) پیدا فرمائے گا جس کی تمہیں خبر نہ ہو۔

پھر فرمایا :

إن اللّٰـه تعـالیٰ خلق ملکا نصفه الأسفل نار ونصفه الأعلیٰ ثلـج لا النـار تـذیب الثلج ولا الثلج یطفیء النار، وھو یقول سبـحان من ألف بین النار والثلج، اللھم فکما ألفت بین الثلج والنار ألف بین قلوب عبادک المومنین .

یعنی اللہ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے کہ اس کا نچلا دھڑ آگ ہے اور اوپر کا برف ہے۔ نہ تو آگ برف کو پگھلاتی ہے اور نہ برف آگ کو بجھاتا ہے۔ اور وہ یہ پڑھتا ہے: پاکی ہے اس قادرِ مطلق کو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے مجھے آگ اور برف کے درمیان ترکیب دیا۔ اے اللہ جس طرح تو نے آگ اور برف کو جمع کیا ہے اسی طرح مومن بندوں کے دلوں کو جمع کر دے۔

حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن اللّٰـه تعـالی خـلـق دیـکـا تحت العرش وله جناحان إذا نشـرھـمـا جـاوز المشرق والمغرب فإذا کان اٰخر اللیل نشر جـنـاحـیـه و خـفـق بھـمـا وصرخ بـالتسبیح ویقول: سبحـان الـمـلـک القدوس فإذا فعل ذلک سبحت دیکة الأرض کلھا مجیبة له وخفقت بأحنحتھا وأخذت فی الصراخ . (۱)

یعنی اللہ نے ایک مرغ عرش کے نیچے پیدا کیا ہے، اور اس کے دو پر ہیں کہ جب ان کو پھیلاتا ہے تو مشرق و مغرب سے بھی گزر جاتے ہیں۔ پھر جب پچھلی رات ہوتی ہے تو یہ دونوں پروں کو پھیلا کر پھڑ پھڑاتا ہے اور اس تسبیح

() اللآلی المصنوعة: ۱/۶۲؛ مگر ابن جوزی نے 'الموضوعات' میں اس قسم کی روایتوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ -چڑیاکوٹی-

سے یوں آواز بلند کرتا ہے: سبحان الملک القدوس۔ تو اس کی تسبیح تمام زمین کے مرغ سنتے اور پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں اور آوازیں پیدا کرتے ہیں۔

حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تسبوا الدیک الأبیض فإنه یدعوا إلی الصلوۃ . (۱)

یعنی سفید مرغ کو گالی نہ دو؛ اس لیے کہ وہ نماز کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت کعب' حضرت ابن عباس کے پاس آئے تو ابن عباس نے پوچھا: اے کعب! مجھے یہ بتایئے کہ بیت المعمور کہاں ہے؟، آپ نے فرمایا: وہ آسمان میں ہے، اور ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نئے داخل ہوتے ہیں کہ اس روز سے پہلے کبھی داخل نہ ہوئے تھے، اور نہ ہی پھر کبھی قیامت تک داخل ہوں گے۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کی مخلوقات میں سے کون سی چیز سخت تر ہے؟۔ فرمایا: سخت ترتخلیق سینہ تانے ہوئے پہاڑ ہیں؛ لیکن لوہا اس سے بھی سخت تر ہے کہ اس سے پہاڑ تراشے جاتے ہیں۔ پھر آگ لوہے پر غالب ہے؛ مگر پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، پھر بادل پانی کو اُڑا لیتا ہے، اور ہوا بادل کو اُڑاتی ہے، اور پھر انسان ان سب پر غالب ہے، اور نیند انسان پر اور غم نیند پر غالب ہے۔ تو غم تیرے رب کی مخلوقات میں سے سب سے زیادہ سخت تر ہے۔ اور سب سے شدید ترین چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ موت ہے۔

باب نمبر 110 : آسمان وزمین کی اِبتدا

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کی، تو وہ پھیلتا گیا جہاں تک اللہ نے چاہا، اور پھر جو کچھ قیامت تک

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۶/۱۵۴ حدیث: ۱۶۴۶۳......کنز العمال: ۱۲/۳۳۶ حدیث: ۳۵۲۸۸۔

ہونا تھا لکھ دیا۔ پھر مچھلی کو پیدا کیا اور اس کے اوپر زمین کو بچھایا کہ زمین کے پیدا ہونے سے پہلے سب جگہ پانی تھا، تو ایک جھاگ کعبہ کے مقام پر اکٹھا ہو گیا پھر ایک سرخ ڈھیر ہو گیا جیسے ایک ٹیلہ ہوتا ہے، اور ایسا اتوار کے دن ہوا، پھر پانی کا بخار اوپر چڑھا جیسے دھواں، یہاں تک کہ آسمان کی جگہ تک پہنچا، جسے اللہ نے سبز موتی بنا دیا اور اس سے آسمان کو پیدا کیا۔ پھر جب پیر کا دن ہوا تو سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے، پھر زمین کو ٹیلے کے نیچے سے پھیلایا۔ چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا :

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ o (سورۂ فصلت:۱۲/۴۱)

جس نے دو دن میں زمین بنائی۔

اَمِ السَّمَآءُ بَنٰـھَا، رَفَعَ سَمْکَھَا فَسَوّٰاھَا، وَاَغْطَشَ لَیْلَھَا وَاَخْرَجَ ضُحٰھَا، وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا o (سورۂ نازعات: ۲۸/۷۹ تا ۳۰)

اس نے آسمان کے تمام کروں (ستاروں) کو بلند کیا۔ پھر اعتدال، توازن اور استحکام پیدا کر دیا۔ اور اسی نے آسمانی خلا کی رات کو تاریک بنایا، اور ان (ستاروں) کی روشنی (پیدا کر کے) نکالی۔ اور اسی نے زمین کو قابلِ رہائش بنانے کے لیے بچھا دیا۔

منگل کے دن دریائی اور جنگلی چوپائے اور پرندے پیدا کیے۔ بدھ کی صبح نہریں اور دریا بہائے، درخت اگائے اور رزق کی تقسیم کی اور روزی کا اندازہ مقرر کیا۔ اللہ کے اس قول سے یہی مراد ہے :

وَقَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ o (سورۂ فصلت:۱۰/۴۱)

اور اس میں (جملہ مخلوق کے لیے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں میں مکمل کیا۔

کہتے ہیں کہ زمین پانی پر ہلتی تھی، اور ٹھہرتی نہ تھی، تو اس میں پہاڑ پیدا کیے اور ان کو زمین کی میخیں بنایا، تب وہ ٹھہر گئی۔

جمعرات کے دن جنت اور دوزخ پیدا کیے۔ پھر آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا، اور آسمان میں بارہ (۱۲) برج پیدا بنائے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

تَبَارَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا ہ (سورۂ فرقان: ۶۱/۲۵)

وہی بڑی برکت وعظمت والا ہے جس نے آسمانی کائنات میں (کہکشاؤں کی شکل میں) سماوی کروں کی وسیع منزلیں بنائیں۔

مزید ارشاد ہوا :

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ہ (سورۂ بروج: ۱/۸۵)

قسم آسمان کی جس میں برج ہیں۔

برجوں کے نام یہ ہیں: حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چاند چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) میل مربع میں ہے، اور ہر ایک تارا جیسا بڑا پہاڑ دنیا میں۔

بعض کہتے ہیں کہ سورج دنیا کے برابر چوڑا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو ساری دنیا کو دکھائی نہ دیتا اور ایسا ہی چاند ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تارے آسمان میں مثل قندیل کے لٹک رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آسمان میں ایسے چمکتے ہیں جیسے دروازوں اور صندوقوں میں میخیں چمکتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الرعد اسم ملک یزجر السحاب والصوت الذي یسمع

الناس هو صوت الملک . (۱)

یعنی رعد ایک فرشتے کا نام ہے کہ وہ بادلوں کو جھڑکتا ہے، اور وہ آواز جو آدمی سنتے ہیں اسی فرشتے کی آواز ہے۔

کہتے ہیں کہ بجلی فرشتوں کے ہاتھوں میں کوڑے ہیں کہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ اور مشرق و مغرب کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے۔ اکثر زمین میں کانیں، پہاڑ اور دریا ہیں۔ اور تھوڑے حصہ میں آبادی ہے۔ پھر اکثر آبادی میں کافر ہیں اور مسلمان تھوڑے ہیں۔ اور دنیا کے اردگرد تاریکی ہے، اور تاریکی کے دوسری طرف کوہِ قاف ہے، اور یہ پہاڑ دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ سبز زمرد کا ہے، اور آسمان کے کنارے اس سے ملے ہوئے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا کے ہر پہاڑ کی ایک ایک آگ اس پہاڑ کی رگوں میں ملی ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو کوہِ قاف پر مقرر کر رکھا ہے، جس وقت اللہ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو فرشتے کو اس پہاڑ کے ہلانے کا حکم دیتا ہے تو وہ اس کے رگوں میں سے ایک رگ کو ہلا دیتا ہے تو اس قوم کی زمین اُن پر دھنس جاتی ہے۔

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتایا: پہلا آسمان جما ہوا پانی ہے۔ دوسرا آسمان سفید مرمر کا۔ تیسرا لوہے کا۔ چوتھا کانسی کا۔ پانچواں تانبے کا۔ چھٹا چاندی کا۔ ساتواں سونے کا، اور جو کچھ ساتویں آسمان اور پردوں کے درمیان ہے وہ ایک نور سمندر ہے۔

حضرت کعب الاحبار سے بھی ایسا ہی مروی ہے؛ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ ساتواں آسمان سرخ یاقوت کا ہے۔

یہ سب اقوال اہل اسلام کے ہیں، نجومیوں کے کہاوتیں نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

---

(۱) مسند ابن الجعد: ۱/۵۵ حدیث: ۲۵۲...... سنن کبریٰ بیہقی: ۳/۳۶۳ حدیث: ۶۷۱۰۔

باب نمبر111 : جنت اور دوزخ کے نام

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنتیں چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ o (سورۂ رحمٰن:۴۶/۵۵)

اور جو شخص اپنے رب کے حضور (پیشی کے لیے) کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

کچھ آگے چل کر فرمایا :

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ o (سورۂ رحمٰن:۶۲/۵۵)

اور (ان کے لیے) اِن دو کے سوا دو اور بہشتیں بھی ہیں۔

تو اس طرح یہ چار جنتیں ہوئیں۔

۱: جنت الخلد ۲: جنت الفردوس ۳: جنت الماویٰ ۴: جنت العدن۔

ان کے آٹھ (۸) دروازے ہیں اور ان کے آٹھ (۸) دروازے حدیث سے ثابت ہیں، اور قرآن پاک میں آٹھ (۸) دروازوں کی کوئی دلیل اس کے علاوہ نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

حَتّٰی اِذَا جَاؤُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا o (سورۂ زمر:۷۳/۳۹)

یہاں تک کہ جب وہ اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے۔

دوزخ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

حَتّٰی اِذَا جَاؤُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا o (سورۂ زمر:۷۱/۳۹)

یہاں تک کہ جب وہ اس (جہنم) کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

پس دوزخ کے دروازوں کا ذکر بغیر 'واؤ' کے کیا اور جنت کے دروازوں کا ذکر 'واؤ' کے ساتھ کیا تو یہ آٹھ دروازوں کی دلیل ہے؛ کیونکہ آٹھ کے ذکر کے وقت واؤ ذکر کی جاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ٥ (سورۂ کہف:۲۲/۱۸)

(اب) کچھ لوگ کہیں گے: (اصحابِ کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا۔

تو چار اور پانچ کے ذکر کے وقت 'واؤ' نہ لایا گیا، پھر آگے فرمایا :

وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ٥ (سورۂ کہف:۲۲/۱۸)

اور بعض کہیں گے: (وہ) سات تھے اور ان میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا۔

تو 'واؤ' کو آٹھویں کے لیے لایا گیا۔ نیز ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ٥ (سورۂ توبہ:۱۱۲/۹)

(یہ مؤمنین جنہوں نے اللہ سے اُخروی سودا کرلیا ہے) توبہ کرنے والے، عبادت گذار، (اللہ کی) حمد وثنا کرنے والے، دنیوی لذتوں سے کنارہ کش روزہ دار، (خشوع وخضوع سے) رکوع کرنے والے، (قربِ الٰہی کی خاطر) سجود کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے۔

پھر فرمایا :

وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ٥ (سورۂ توبہ:۱۱۲/۹)

اور برائی سے روکنے والے۔

اور فرمایا :

خَيْـراً مِّـنْـكُـنَّ مُسْـلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا o (سورۂ تحریم:۶۶/۵)

(اُن کا رب انہیں) تم سے بہتر (ازواج بدلے میں عطا فرما دے جو) فرماں بردار، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار، (بعض) شوہر دیدہ اور (بعض) کنواریاں ہوں گی۔

تو یہاں پر بھی 'واوٗ' کو آٹھویں میں ذکر کیا۔یعنی 'ابکارا' میں؛ لیکن درست یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ جنت کے دروازوں کا آٹھ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

أسفل أهل الجنة منزلا الذي له من الجنة مسيرة خمس مائة عـام وله خمس مائة حوراء، وإنه ليعانق الزوجة عمر الدنيا، و تـوضـع الـمـــائدة بين يديه فلا ينقضي شبعه عمر الدنيا، وفي الشرب كذلك .

یعنی ادنیٰ درجہ کے جنتی کا مرتبہ اس قدر ہوگا کہ اس کے پاس پانچ سو (۵۰۰) سال کی مسافت کے برابر جنت ہوگی، اور پانچ سو (۵۰۰) حوریں ملیں گی اور اس کا اپنی بیوی سے معانقہ اتنا ہوگا جتنی اس کی دنیا میں عمر تھی اور اس کے سامنے دستر خوان رکھا جائے گا اور وہ اپنی دنیا کی عمر کے برابر کھاتا رہے گا تو سیر ہوگا اور یہی حال مشروبات کا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جنت کی ہر چیز کی مثال دنیا میں موجود ہے۔ اِلا یہ کہ اہل جنت' جنت میں کھائیں گے، پئیں گے؛ مگر پاخانہ پیشاب نہ کریں گے۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں (غذا حاصل کرتا ہے؛ مگر پیشاب پاخانہ نہیں کرتا)۔

اہل جنت کے لیے غلام ہوں گے۔جس چیز کو اُن کا دل چاہے گا وہ ان کے حکم سے

پہلے حاضر کریں گے، اوران کی حاجت کوقبل از بیان جان لیں گے۔ اس کی مثال دنیا میں آدمی کے اعضا ہیں کہ جب کسی چیز کی آدمی کوضرورت ہوتو اس کے اعضا فوراً پہچان لیتے ہیں اوراس کے کہنے سے پہلے ہی کرنے لگتے ہیں۔

جنت میں ایک درخت ہے جس کو'طوبیٰ' کہتے ہیں، اس کی جڑ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہوگی، اور جنت کے ہر گھر میں اس کی ایک شاخ ہوگی۔ اس کی مثال دنیا میں سورج ہے کہ اس کی روشنی دنیا کے ہر ایک گھر میں اور ہر جگہ پہنچتی ہے اور ہر ایک روزن اور سوراخ میں گھس جاتی ہے اور تمام دنیا میں پھیل رہی ہے۔ یوں ہی اہل جنت کا کھانا کبھی خراب نہ ہوگا اور اس کو کھانے سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اس کی نظیر دنیا میں قرآن پاک کا علم ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں اور وہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے اور اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

جنت میں سایہ بہت دراز ہوگا۔ اس کی نظیر دنیا میں سورج نکلنے سے پہلے صبح کا وقت، اور سورج غروب ہونے کے بعد سے سیاہی چھا جانے تک کا وقت۔ تو اسی طرح پوری جنت 'ظل ممدوذ' کی مانند ہے۔ اسی لیے اللہ نے ارشاد فرمایا :

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ (سورۂ فرقان: ۲۵/۴۵)

کیا آپ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نگاہ نہیں ڈالی کہ وہ کس طرح (دوپہر تک) سایہ دراز کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أ لا أنبئكم بساعة هى أشبه بساعة أهل الجنة .

یعنی کیا میں تم کو ایسی گھڑی کی خبر نہ دوں جو اہل جنت کی گھڑی سے مشابہ ہے؟۔

لوگوں نے عرض کی: جی ہاں، یارسول اللہ، تو آپ نے فرمایا :

ھی الساعۃ التی قبل طلوع الشمس ظلھا دائم و رحمتھا باسطۃ و برکتھا کثیرۃ .

یعنی وہ وقت سورج نکلنے سے پہلے کا ہے، اس کا سایہ برابر ہے، رحمت اس کی فراخ ہے، اور اس کی برکت بہت زیادہ ہے۔

جنت کے خازن کا نام 'رضوان' ہے، جو رحمت و مروّت کا پیکر ہوگا۔

دوزخ سات ہیں: ایک دوسرے کے اوپر۔ یہی بات اللہ نے بیان فرمائی ہے :

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ o (سورۂ حجر: ۱۵/۴۴)

جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے ان میں سے الگ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔

پہلا دروازۂ جہنم ہے، جو سب دروازوں سے اوپر ہے، اور اسی پر سے قیامت کے دن خلق خدا گزرے گی۔ قرآن اسی کی گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا o (سورۂ مریم: ۱۹/۷۱)

اور تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے؛ مگر اس کا اس پر سے گزر ہونے والا ہے۔

دوسرا 'لظیٰ'۔ تیسرا 'حطمہ'۔ چوتھا 'سعیر'۔ پانچواں 'سقر'۔ چھٹواں 'جحیم'۔ اور ساتواں 'ہاویۂ' ہے، اور یہ سب سے نیچے کی دوزخ ہے، جس میں سخت عذاب ہے اور جو زندیقوں یعنی منافقوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور دوزخ کے داروغہ کا نام 'مالک' ہے، جو غصہ وغضب کا پیکر ہے۔ پروردگار عالم! اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس کی اذیتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

باب نمبر 112 : سرکار ﷺ کا نسب، اولاد اور ازواج

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نسب مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالک بن نضر بن كنانه بن خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان .

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نسب کو 'عدنان' سے آگے نہ بڑھاتے تھے۔

حضرت کعب الاحبار وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بیان کیا ہے؛ لیکن بعض نے اس کا انکار کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں؛ اس لیے کہ اللہ نے فرمایا ہے :

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا o (سورۂ فرقان: ۳۷/۲۵)

اور ان کے درمیان بہت سی اور امتیں ہوئیں۔

نیز فرمایا :

وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ o (سورۂ ابراہیم: ۹/۱۴)

اور (کچھ) لوگ جو اُن کے بعد ہوئے، انھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تاہم جو لوگ کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں وہ سلسلہ نسب (عدنان سے آگے) یوں بیان کرتے ہیں :

عدنان بن أد بن أدد بن اليسع بن الهميسع بن نبت بن سلامان بن محل بن قيدار بن اسماعيل بن إبراهيم (خليل

الرحمٰن) بن آزر بن تارخ بن ناخور بن أشرع بن أرغو بن قالغ بن عامر بن فالح بن أرفخشذ بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن أخنوخ (یعنی إدریس) بن یرد بن مهلائیل بن أنوش بن شیث بن آدم–صلوات الله وسلامه علیه وعلیٰ جمیع الأنبیاء من أولاده–

حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی آپ کی والدہ کو حمل کی حالت میں چھوڑ کر جب وصال فرما گئے تو آپ کی کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی، اور آپ کی عمر مبارک ابھی آٹھ سال ہوئی تھی کہ اُن کا بھی وصال ہو گیا۔ پھر آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب (والد حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے کی، یہاں تک کہ آپ جوان ہو گئے۔

آپ کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب تھا جو کہ آپ کی عمر مبارک کے چھٹے سال وصال فرما گئیں، اور آپ کی رضاعی والدہ کا نام حلیمہ تھا جو کہ طائف کی رہنے والی تھیں۔ اللہ نے آپ کی عمر مبارک کے چالیسویں سال آپ پر وحی فرمائی۔ اس وحی کے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں دس برس رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصالِ (ظاہری) فرمایا۔

جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کی ازواجِ مطہرات نو (۹) تھیں اور آپ نے کل چودہ (۱۴) نکاح فرمائے۔

سب سے پہلے آپ نے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح فرمایا اور وہ سیدۃ النساء (یعنی تمام عورتوں کی سردار) ہیں اور سب عورتوں سے قبل ایمان لائیں۔

پھر سودہ بنت زمعہ۔ پھر حضرت ابو بکر کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ، ان تینوں سے آپ نے مکہ مکرمہ میں نکاح فرمایا۔ پھر مدینہ طیبہ میں حفصہ بن عمر بن خطاب، ابوامیہ

کی بیٹی اُم سلمہ، اور ابوسفیان کی صاحبزادی اُم حبیبہ سے آپ نے نکاح فرمایا۔ یہ چھ(۶) ازواج قبیلہ قریش سے تھیں۔

نیز مدینہ شریف ہی میں آپ نے قبیلہ بنی مصطلق کی شہزادی جویریہ بنت حارث، صفیہ بنت حیی بن اخطب، اور زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ یہ موخر الذکر زید بن حارثہ کی زوجہ تھیں اور لوگ ان کی سخاوت کی وجہ سے انھیں 'ام المساکین' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے اِن ہی کا وصال ہوا۔

نیز میمونہ بنت حارث جو کہ حضرت ابن عباس کی خالہ تھیں، زینب بنت خزیمہ جو کہ قبیلہ بنی ہلال سے تھیں اور انہوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا، اور ایک زوجہ قبیلہ کندہ سے تھیں کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ طلب کی تھی؛ لیکن آپ نے اس کو طلاق دے دی اور ایک زوجہ قبیلہ کلب سے تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ سب سے پہلے قاسم اور اسی وجہ سے آپ کی کنیت 'ابوالقاسم' تھی۔ پھر آپ کی صاحبزادی زینب، پھر آپ کے صاحبزادے طاہر جو کہ بعد از نزولِ وحی پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طاہر ہوا پھر آپ کی صاحبزادی اُم کلثوم، پھر فاطمہ، پھر رقیہ۔ اور یہ سب اولاد حضرت خدیجہ سے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ پھر آپ کے صاحبزادے اِبراہیم جو کہ ایک لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ سے مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے ہوئی۔ حضرت رقیہ کی حضرت عثمان بن عفان سے ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کو تشریف لے گئے تو حضرت رقیہ کا وصال ہوگیا۔ جب آپ غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت اُم کلثوم کا

نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو 'ذوالنورین' (یعنی دونوروں والا) کہا جاتا ہے۔

حضرت زینب کا نکاح ابن ابی العاص بن الربیع سے ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب اولاد سوائے حضرت فاطمہ کے آپ کی حیاتِ (ظاہری) میں ہی وصال کر گئی۔ حضرت فاطمہ آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد تک حیات رہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چار ماہ حیات رہیں۔

آپ کی تمام ازواجِ مطہرات سوائے حضرت عائشہ کے بیوہ تھیں۔

حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی جب وہ آپ کے نکاح میں آئیں اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی اور نو سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

آپ نے کفار سے چھتیس (۳۶) جنگیں کیں ان میں سے اٹھارہ (۱۸) کے لیے آپ نے اپنا لشکر بھیجا اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں 'سریہ' کہتے ہیں اور اٹھارہ (۱۸) میں آپ خود تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر اور سب سے آخر غزوۂ تبوک درپیش ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار بار عمرہ کیا اور ایک حج اور وہ حجۃ الوداع تھا۔

خیبر، ہجرت کے چھ سال بعد فتح ہوا، اور مکہ آٹھ سال بعد فتح ہوا۔ اور آپ کا وصال پیر کے روز ماہِ ربیع الاوّل میں ہوا۔

آج جو کتابوں میں ہجرت کی تاریخ لکھی جاتی ہے اس تاریخ کو لکھنے کا حکم امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ کرام کی مشاورت سے دیا تھا کہ تاریخ ہجرت کے وقت سے قرار دی جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ ہیں کہ وہ

حضرت خدیجہ کے غلام تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

دوسرے غلام ابورافع تھے یہ بھی حضرت خدیجہ کے غلام تھے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ پھر جب ابورافع نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عباس کے اِسلام لانے کی خوش خبری سنائی تو آپ نے اُن کو آزاد کر دیا۔

ایک غلام کہ سفینہ مولی رسول اللہ کے لقب سے مشہور تھے، جن کا نام 'روحان –یا– مہران' تھا اور ان کو 'رباح' بھی کہتے ہیں چونکہ سفر میں جو کوئی کچھ چیز دیتا تھا یہ لاد لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ بہت سا سامان لادے ہوئے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا :

أنت سفينة . (۱)

تو سفینہ ہے؟۔ (یعنی کشتی ہے)

بس اسی دن سے ان کا نام 'سفینہ' پڑ گیا۔ یوں ہی آپ کے غلاموں میں ثوبان، شیبان، شقران، یسار اور ان کے علاوہ اور کئی غلام تھے؛ مگر آپ نے سب کو آزاد کر دیا تھا۔

باب نمبر 113 : خلفا و حکمائے اُسلام

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام میں اِختلاف ہوا۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے

(۱) مسند بزار: ۲۸۲/۹ حدیث: ۳۸۳۰...... مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱۶۳/۴ حدیث: ۱۳۲...... معجم کبیر طبرانی: ۷/ ۸۳ حدیث: ۶۴۵۵...... جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴۴۳/۱۲ حدیث: ۱۰۱۹۔

اور ایک تم میں سے یعنی مہاجرین میں سے۔ بعض نے کہا کہ حضرت علی کو خلافت ملنی چاہیے

اور بعض نے کہا کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو، پھر سب کی رائے حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ ہونے پر متفق ہوگئی؛ چنانچہ آپ دو سال تک خلیفہ رہے۔

آپ کا نام عبداللہ بن عثمان تھا، اور قبل از اِسلام آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بدل کر آپ کا نام 'عبداللہ' رکھا اور ان کو 'خلیفۃ الرسول' بھی کہا جاتا تھا۔ پھر جب اُن کا وصال ہوگیا تو حضرت عمر فاروق والی مقرر ہوئے۔ حضرت عمر نے لوگوں سے کہا: تم ابوبکر کو 'خلیفۃ رسول اللہ' کہا کرتے تھے، مجھے کیا کہو گے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو 'خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ' کہا کریں گے۔

تو آپ نے فرمایا: یہ لقب طویل اور بھاری ہے۔ پھر فرمایا، کیا تم مومن نہیں ہو؟ سب نے کہا: 'جی ہاں' ہم مومن ہیں۔ تو حضرت عمر نے کہا، کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں؟ سب نے کہا: جی ہاں، آپ ہمارے امیر ہیں۔ تو فرمایا: مجھے 'امیر المومنین' کہو۔ تو سب سے پہلے جو امیر المومنین کہلائے وہ حضرت عمر تھے۔ آپ کی خلافت دس سال تک رہی۔ پھر ایک مجوسی ابولؤلؤ جو کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا، اس نے آپ کو شہید کر دیا۔

آپ کے بعد حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے اور ان کی خلافت بارہ سال رہی پھر بلوائیوں نے اُن کو شہید کر دیا۔

پھر حضرت علی خلیفہ ہوئے اور ان کی خلافت چھ سال رہی اور ان کو عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے شہید کر دیا- اللہ اس نامراد کے منہ میں جہنم کی لگام لگائے-

پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان والی ہوئے اُن کی حکومت تین سال رہی۔

پھر یزید بن معاویہ حاکم ہوا، اور اس کی حکومت تین سال رہی۔

جب یہ مرا تو فتنہ وفساد پڑ گیا، اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی اور شامیوں نے مروان بن حکم کی بیعت کر لی۔ مروان بن حکم کی حکومت نو ماہ رہی، پھر عبدالملک بن مروان حاکم ہوا، اس نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر پر حملہ

کے لیے بھیجا، حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ مکرمہ میں تھے، اس نے آ کر گھیر لیا اور گرفتار کر کے پھانسی دے دی۔ پھر ساری حکومت عبدالملک بن مروان کی ہوگئی، اس کی حکومت دس سال تک رہی، اور اس نے 'فرغانہ' تک ملک فتح کر لیے۔

پھر ولید بن عبدالملک، پھر ایک برگزیدہ بندہ عمر بن عبدالعزیز، پھر ہشام بن عبد الملک، پھر یزید بن ولید، پھر ابراہیم بن ولید، پھر مروان بن محمد ہو۔ یہ سب دورِ بنوامیہ کے اُمرا تھے، اور اُن کا دارالخلافہ شام میں تھا۔

پھر حکومت عباسیوں کے پاس آ گئی، ان کا دارالخلافہ عراق ہوا، اور انہوں نے شہر بغداد بسایا۔ پھر ابوالعباس کی حکومت آئی جس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا۔ پھر اس کا بھائی ابوجعفر دوانیقی ہوا جسے 'منصور' بھی کہتے تھے۔ پھر اس کا بیٹا محمد بن عبداللہ ہوا جس کو 'مہدی' کہتے تھے۔ پھر اس کا بیٹا موسیٰ بن محمد، پھر اس کا دوسرا بیٹا ہارون بن محمد ہوا جس کو 'ہارون رشید' کہتے تھے۔ پھر اس کی سلطنت بھی قائم نہ رہی اور پھر عبداللہ بن ہارون ہوا جس کو 'مامون' کہتے ہیں۔

باب نمبر 114 : نام کیسا رکھے؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما بعث اللّٰہ تبارک وتعالیٰ رسولا إلا کان حسن الوجه حسن الاسم حسن الصوت وکان یکتب إلی الأفاق إذا أبردتم إلي بریداً فأبردوا حسن الوجه حسن الاسم .

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب رسول خوبصورت، اچھے نام والے اور اچھی آواز والے بھیجے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطراف و

جوانب میں لکھ بھیجتے کہ جب تم میرے پاس کوئی قاصد بھیجو تو خوب صورت اچھے نام والا بھیجو۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حرب یعنی لڑائی کو بہت چاہتا تھا؛ چنانچہ جب میرے ہاں 'حسن' پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام 'حرب' رکھا۔ پھر میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ نام ذکر کیا، جسے سن کر آپ نے فرمایا بلکہ وہ 'حسن' ہے۔

پھر جب حسین پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام بھی 'حرب' رکھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ نام ذکر کیا تو آپ نے فرمایا، بلکہ وہ 'حسین' ہے، پھر فرمایا کہ میں نے ان کا نام ہارون کے دونوں بیٹوں کے نام پر 'شبیر' اور 'شبر' رکھا ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا حزن بن بشیر ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا :

ما اسمک ؟ .

یعنی تیرا نام کیا ہے؟۔

انھوں نے عرض کی: 'حزن'۔

آپ نے فرمایا:

أنت سهل .

تو 'سہل' ہے۔

انھوں نے عرض کی کہ میں اپنے ماں باپ کے رکھے ہوئے نام کو نہیں بدلنا چاہتا۔

حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ (اس نام کی نحوست سے) ہمیشہ ہمارے گھر میں غمگینی اور سختی رہی۔(۱)

مہلب بن ابی صفرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یعنی ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اس کا نام اور نسب پوچھا: انہوں نے عرض کی کہ میں سارق بن قاطع بن ظالم بن فلاں بن فلاں ہوں، یہاں تک کہ اس نے اپنے نسب کو بلند بادشاہ تک پہنچایا جو کہ کشتیوں میں بگاڑ پیدا کرتا تھا۔

مہلب کہتے ہیں کہ میرے والد نے زرد رنگ کی اِزار پہنی تھی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا :

دع السارق والقاطع فانت أبو الصفرة .

یعنی سارق اور قاطع کو چھوڑ تو تو ابوصفرہ ہے۔

اس نے عرض کی، آپ سے زیادہ بڑھ کر میرا کوئی دشمن نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا محبوب نہیں اور میرے یہاں کل ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے میں نے اس کا نام 'صفرہ' رکھا تا کہ میری کنیت اس لڑکی کے نام کے موافق ہو جائے۔

عرب میں کسی کے ہاں جو پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا اس بچے کے نام سے اس کی کنیت ہوا کرتی تھی اور اس کی زوجہ کی بھی یہی کنیت ہوتی تو شوہر کو 'ابوفلاں' کہتے تھے یعنی فلاں کے باپ اور زوجہ کو 'ام فلاں' یعنی فلاں کی ماں کہتے تھے۔ جیسے ابوسلمہ اور اُن کی زوجہ اُم سلمہ اور اُبودردا اور اُن کی زوجہ اُم درداء، اور ابوذر اور ان کی زوجہ اُم ذر۔ اور آدمی کی جب تک اولاد نہ ہوتی تھی اپنی کنیت نہ رکھتا تھا۔

حضرت معمر بن خثیم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابوجعفر محمد بن علی نے پوچھا کہ اے معمر! تیری کنیت کیا ہے؟۔ میں نے کہا کہ میری کنیت کچھ نہیں اور نہ ہی میرے کوئی اولاد

(۱) صحیح بخاری:۸/۴۳ حدیث: ۶۱۹۰ ...... سنن ابوداؤد:۴/۴۴۴ حدیث: ۵۹۵۸ ...... صحیح ابن حبان:۱۳/۱۳۷ حدیث:۵۸۲۲ ......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۴۱ حدیث:۱۹۸۵۱۔

ہے۔ ابوجعفر نے کہا کہ کنیت رکھنے سے تجھے کون منع کرتا ہے؟۔ میں نے کہا کہ ایک

حدیث مجھ تک حضرت علی سے پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا :

من اکتنی ولم یولد له فهو ابو جعدة .

یعنی جس کی اولاد نہیں اور اس نے کنیت رکھ لی تو وہ 'ابو جعدہ' ہے۔

ابوجعفر نے کہا کہ یہ حضرت علی کی حدیث نہیں، ہم تو اپنی اولاد کی کنیت تنگ کے خوف سے بچپن میں ہی رکھ دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي ولا تسموا بأهلي .

یعنی میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو، اور میرے اہل خانہ کے نام پر نام نہ رکھو۔

مگر ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا :

اکتنوا بکنیتی ولا تسموا باسمي ولا تجمعوا بين كنيتي و اسمي في واحد .

یعنی میری کنیت پر کنیت رکھو اور میرے نام پر نام نہ رکھو، اور میرے نام اور کنیت کو ایک میں اکٹھا نہ کرو۔

مگر کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے؛ اس لیے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے اپنے بیٹے کا نام 'محمد' رکھا اور ان کی کنیت 'ابوالقاسم' رکھی، اور یہ ابن الحنفیۃ تھے۔ اور انھوں نے ایسا خود نہیں کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے بھی دی۔(۱)

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال:۱۲/۱۲۹ حدیث:۳۴۳۲۹ ...... جامع الاحادیث سیوطی:۳۱/۱۱۳ حدیث:۳۳۹۱۲ ......شرح معانی الآثار طحاوی:۴/۳۳۶ حدیث:۶۷۱۰۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

سموا أولادكم بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله تعالىٰ عبدالله وعبدالرحمٰن . (۱)

یعنی اپنی اولاد کے نام انبیا کے نام پر رکھو، اور اللہ کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام بہت پسند ہیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عجمیوں کے لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ عبدالرحمٰن یا عبدالرحیم نام رکھیں؛ اس لیے کہ عجمی لوگ اس کے معنی نہیں جانتے اور حقارت سے تصغیر کرکے نام لیں گے، تو یہ عقل مندوں کے نزدیک بہت برا معلوم ہوگا۔ اور اگر ایسے نام رکھیں تو ہرگز تصغیر سے نام نہ لیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے غلام کا نام 'نافع' یا 'یسار' یا 'برکت' رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ایسا اچھا نہیں لگتا کہ جب کوئی آدمی اس کو بلائے تو یوں کہا جائے کہ یہاں برکت نہیں یا نافع نہیں۔

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟۔ اس نے کہا 'جمرۃ' (یعنی انگارا) آپ نے پوچھا: کس کا بیٹا ہے؟ اس نے کہا 'شہاب' کا (یعنی انگارا) آپ نے پوچھا: وہ کس کا بیٹا تھا؟ اس نے کہا 'حرقۃ' کا (یعنی جلانا) آپ نے پوچھا کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے کہا 'حرۃ' (یعنی تپش میں)۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

ويحك أدرك أهلك فقد أحرقوا .

(۱) سنن ابوداؤد: ۴/۴۴۳ حدیث: ۴۹۵۲...... سنن نسائی: ۶/۲۱۸ حدیث: ۳۵۶۵...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۳/۸۶ حدیث: ۷۱۶۹...... سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۳۰۶ حدیث: ۱۹۷۸۵۔

یعنی خرابی ہو تجھے اٹھ اور اپنے گھر جا، وہ سب جل گئے ہیں۔

چنانچہ جب وہ شخص اپنے گھر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب جلے پڑے ہیں۔

حضرت انس بن مالک نے حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس اونٹنی کو کون دوہے گا؟ تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ 'میں'۔ آپ نے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے عرض کیا، 'مرہ' (یعنی تلخی)۔

آپ نے فرمایا: بیٹھ جا۔ پھر فرمایا، اس اونٹنی کو کون دوہے گا؟ ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور کہا 'میں'۔ آپ نے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا 'حرب' (یعنی لڑائی)۔

آپ نے فرمایا: بیٹھ جا۔ پھر فرمایا: اس اونٹنی کو کون دوہے گا؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا 'میں'۔ آپ نے فرمایا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا 'یعیش' (یعنی زندگی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دوہنے کا حکم دیا تو اس نے اس کا دودھ دوہا۔(۱)

باب نمبر 115 : دنوں اور مہینوں کا ذِکر

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر کسی کے علم میں یہ بات ہے کہ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جس کا پہلا مہینہ محرم ہے۔ اور اس کا نام 'محرم' اس لیے رکھا گیا ہے کہ عرب کے لوگ ایام جاہلیت میں اس مہینے میں لڑائی کو حرام جانتے تھے۔ پھر صفر ہے، اور اس کا نام 'صفر' اس لیے ہے کہ عرب والے اس ماہ میں بیمار ہوتے تھے اور ان کے چہرے زرد ہو جاتے تھے، تو انہوں نے اس کا نام زرد ہونے کی وجہ سے 'صفر' رکھ دیا۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی منقول ہے کہ اس کو 'صفر' اس لیے کہتے ہیں کہ شیطان اپنے لشکر سمیت زرد ہو جاتا ہے جب محرم نکلتا ہے اور لڑائی کو حلال سمجھا جاتا ہے۔

---

(۱) موطا امام مالک: ۹۷۳/۲ حدیث: ۱۷۵۲...... جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۳۶۳/۱ حدیث: ۱۵۳۔

اس کے بعد ربیع الاوّل کا مہینہ ہے۔ چونکہ یہ مہینہ ابتداے خریف میں آیا تھا؛ اس لیے اس کا نام ربیع الاوّل رکھ دیا۔ پھر ربیع الآخر کا مہینہ ہے، اور اس کا نام ربیع الآخر اس لیے رکھا گیا کہ خریف کا آخر آیا تو اس کو ربیع الآخر کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

اس کے بعد جمادی الاولیٰ ہے اور اس کے بعد جمادی الآخر اور ان دونوں کا نام اس لیے یہ پڑ گیا کہ موسم سرما میں جب سخت سردی ہوتی ہے تو پانی جم جاتا ہے۔

ازاں بعد رجب ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ اس کی 'ترجیب' یعنی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس کا نام 'اصم' بھی لیا کرتے تھے؛ اس لیے کہ اس ماہ میں لڑائی اور ہتھیار کی آواز نہ سنی جاتی تھی۔

پھر شعبان ہے۔ اور اس کا نام 'شعبان' اس لیے رکھا گیا کہ اس ماہ میں عرب کے قبائل منشعب یعنی متفرق ہو جاتے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس ماہ میں رمضان کے قرب کی وجہ سے خیر کثیر پھیلتی ہے؛ اسی لیے اس کا نام 'شعبان' پڑ گیا۔

اس کے بعد رمضان کا مہینہ ہے، اور اس کا نام 'رمضان' اس لیے ہوا کہ گرمیوں میں آیا اور 'رمضا' سخت گرمی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ گناہوں کو 'رمض' یعنی جلا دیتا ہے۔

پھر شوال کا مہینہ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قبائل عرب اس ماہ میں شول کرتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ سے باہر چلے جاتے تھے نحس جانتے ہوئے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس ماہ میں عرب شکار کرتے تھے۔

پھر ذیقعدہ ہے، اور اس کا نام ذیقعدہ اس لیے ہوا کہ اس ماہ میں عرب لڑائی سے 'قعود' کرتے تھے یعنی بیٹھ رہتے تھے۔

پھر ذی الحجہ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عرب اس ماہ میں حج کرتے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ 'حجہ' یعنی ختم ہونے سے مشتق ہے؛ لہٰذا سال کے ختم ہونے کی وجہ سے اس

کا نام 'ذی الحجہ' رکھا گیا۔

یہ عربی مہینوں کے نام ہیں، اور یہی قمری مہینے ہیں کہ جن کا حساب چاند کے حال سے پہچانا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں کی عبادات اور اوقات کا حساب ہے۔

شمسی مہینے وہ ہیں کہ جن کا حساب سورج کے دوران (گردش) سے پہچانا جاتا ہے۔ رومی حساب سے سریانی زبان میں ان مہینوں کا شروع 'مہرجان' مہینے سے کرتے ہیں۔ یعنی خزاں کا مہینہ، پہلا مہینہ تشرین اول ہے، دوسرا تشرین آخر، تیسرا کانون اول، چوتھا کانون آخر، پانچواں شباط، چھٹا آذر، ساتواں نیسان، آٹھواں ایار، نواں حزیران، دسواں تموز، گیارھواں آب، اور بارھواں ایلول ہے۔

فارسی زبان میں اُن کے نام یہ ہیں: سال کی ابتدا نوروز سے ہے۔ پہلا فروردین، دوسرا اردبہشت، تیسرا خرداد، چوتھا یبر، پانچواں مرداد، چھٹا شہر بود، ساتواں مہر، آٹھواں ابان- پھر پانچ دن سال میں شمار نہیں کیے جاتے اور ان کا نام 'خمسہ مسروقہ' ہے-نواں مہینہ ادر، دسواں دی، گیارھواں بھن اور بارہواں اسفندارمدیور ہے۔

پھر جب دس دن فارسی مہینے کے گزر جاتے ہیں تو رومی مہینہ شروع ہو جاتا ہے، اور ہر سال میں نوروز ایک دن ہفتے کے دنوں میں پیچھے رہتا ہے؛ مثلاً اس سال نوروز اگر جمعرات کو ہے تو اگلے سال جمعہ کو ہوگا اور تیسرے سال ہفتے کو۔

عربی مہینہ میں ہر سال دس دن کم ہوتے ہیں اور کبھی گیارہ دن۔یعنی عرب کا سال رومی سال سے اس قدر کم ہوتا ہے؛ لہٰذا ان میں چھ دن تو مہینے کی کمی کے، چار دن مسروقہ کے، اور دن رات چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں، نہ زیادہ نہ کم۔

یعنی جس قدر دن گھٹتا ہے اسی قدر رات بڑھتی ہے اور جتنی رات گھٹتی ہے اتنا ہی دن بڑھتا ہے اور سب سے بڑا دن خریر مہینے کے نصف میں ہوتا ہے کہ دن پندرہ گھنٹے اور رات نو گھنٹے کی اور وہ چھوٹی سی رات ہے پھر دن گھٹنے لگتا ہے اور رات بڑھتی ہے؛ یہاں تک کہ

'مہرجان' کا مہینہ آجاتا ہے تو رات اور دن برابر ہوجاتے ہیں اور دونوں بارہ بارہ گھنٹوں کے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ 'کانون' کی سترہ تاریخ کو رات پندرہ گھنٹے کی ہوجاتی ہے اور وہ بڑی سے بڑی رات ہے اور دن نو گھنٹے کا اور یہ دن چھوٹا ترین دن ہے۔ پھر رات گھٹنے لگتی ہے یہاں تک کہ نوروز کو انیس دن یا کچھ کم رہتے ہیں تو رات دن برابر ہوجاتے ہیں پھر نصف خریران تک دن بڑھتا ہے۔ ایسا ہی حق نے فرمایا ہے :

وَالشَّـمْـسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o

(سورۂ یٰس: ۳۶/۳۸)

اور سورج ہمیشہ اپنی مقررہ منزل کے لیے (بغیر رکے) چلتا رہتا ہے، یہ بڑے غالب بہت علم والے (رب) کی تقدیر ہے۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ o (سورۂ حج: ۲۲/۶۱)

(اللہ) رات کو دن میں داخل فرماتا ہے۔

باب نمبر 116 : اِنسانی طبیعتوں کا بیان

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں: معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس میں چار طبیعتوں کو ترکیب دیا۔ ۱: یبوست ۲: رطوبت ۳: حرارت ۴: برودت۔

یوں ہی نفس کے اندر چار چیزوں کو رکھا تاکہ بدن کی اِصلاح ہو اور اس کا قیام اس کے بغیر ممکن نہیں۔ سودا، صفرا، خون اور بلغم۔ خشکی کا مقام مرۂ سودا یعنی تلی میں، اور رطوبت کا مقام مرۂ صفرا یعنی پتہ میں، اور حرارت کا مقام خون میں، اور برودت کا مقام بلغم میں ہے۔

اب جس بدن میں یہ چاروں برابر ہوں گے تو اس کی صحت کامل رہے گی، اور جب

ان میں سے ایک دوسری پر غالب ہو تو اس میں بیماری آ جاتی ہے۔ اور ان میں سے جو تھوڑا ہو تو اسی طرف سے ضعف آ جاتا ہے، پھر کبھی یہ طبیعتیں عادت کے اندر سرشت ہو جاتی ہیں، تو یبوست اِرادہ ہے۔ رطوبت سے نرمی، حرارت سے تیزی اور برودت سے آہستگی ہوتی ہے۔ پھر جب ان میں سے ایک زیادہ یا کم ہوتی ہے تو اسی طرف سے فساد آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سر کے حصے میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ منفعت رکھ دی ہے؛ چنانچہ آنکھ میں نگاہ، کان میں سماعت، ناک میں سونگھنا، زبان میں بولنا۔ یوں ہی پیٹ کے اندر ہر چیز کے لیے ایک معدن ہے سو ہنسی اور خوشی کا معدن تلی ہے، خوف اور ہیبت کا معدن پھیپھڑا ہے، غصہ کی جگہ کلیجہ، علم و فہم کی جگہ دل، عقل کی جگہ دماغ، اور غم و خوشی کی جگہ گردہ، جبکہ بعض نے کہا کہ چھاتی ہے۔

اللہ نے بدن کے اندر تین سو ساٹھ (۳۶۰) رگیں پیدا کیں۔ نیز بدن کو جکڑنے اور ملانے کے لیے اور بدن کی اصلاح کے لیے دو سو اڑتالیس (۲۴۸) ہڈیاں پیدا کیں۔ چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا :

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o

(سورۂ ذاریات: ۲۱/۵۱)

اور زمین میں صاحبانِ ایقان (یعنی کامل یقین والوں) کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں (بھی ہیں) سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا :

العقل في القلب والرحمة في الكبد والرأفة في الطحال والنفس فی الرئة .

یعنی عقل دل میں ہے، رحمت کلیجہ میں ہے، شفقت تلی میں ہے اور سانس

پھیپھڑے میں ہے۔

مزید فرمایا کہ آدمی اکیس (۲۱) سال تک بڑھتا ہے اور اٹھائیس (۲۸) سال تک اس کی عقل کی انتہا ہے، پھر اس کے بعد عقل نہیں بڑھتی مگر تجربہ۔

بعض حکما نے کہا ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے۔ بے وقوفی کی جگہ دونوں آنکھیں ہیں۔ باطل کی جگہ دونوں کان ہیں۔ حیا کی جگہ چہرے ہیں۔ روح کا راستہ ناک ہیں۔ زندگی منہ میں ہے۔ غم کی جگہ سینے ہیں، ہنسی کی جگہ تلیاں ہیں۔ رحمت وغصہ کی جگہ جگر ہیں۔ خوشی وغم کی جگہ دل ہیں۔ کمانے کی جگہ ہاتھ ہیں اور کھڑے ہونے کی جگہ دونوں پاؤں ہیں۔

باب نمبر 117 : گھڑسواری اور تیراندازی کا بیان

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

علموا أولادكم السباحة والفروسية والرمي ومروهم بالاختفاء بين الأغراض .

یعنی اپنی اولاد کو تیرنا، گھوڑے پر سواری کرنا اور تیر پھینکنا سکھاؤ اور ان کو نشانوں کے درمیان مشق کرنے کا حکم دو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

علموا أولادكم السباحة والرمي وللمرأة المغزل . (۱)

یعنی اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر پھینکنا سکھاؤ اور عورتوں کو (سوت) کاتنا سکھاؤ۔

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۲۲۹/۱۴ حدیث: ۱۴۱۷۵...... کنز العمال: ۴۴۳/۱۶ حدیث: ۴۵۳۴۰۔

حضرت عتبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ارموا واركبوا وأن ترموا أحب إلي من أن تركبوا، وكل شيىء يلهو به الرجل باطل إلاثلاثا: رميه بقوسه، وتأديبه فرسه و ملاعبته مع أهله فإنهن من الحق . (۱)

یعنی تیر پھینکو اور گھوڑے پر سواری کرو۔ اور اگر تم تیر پھینکو گے تو میرے نزدیک گھوڑے پر چڑھنے سے بہتر ہے۔ اور ہر کھیلنے کودنے والی چیز بے سود ہے؛ سوائے تین چیزوں کے: اپنی کمان سے تیر پھینکنا، گھوڑے کو سکھانا، اور اپنی اہلیہ کے ساتھ ملاعبت کرنا کہ یہ سب حق ہیں۔

باب نمبر 118 : کتا پالنے کی ممانعت

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من اقتنى كلبا إلا لماشية أو لصيد نقص من أجره كل يوم قيراطان .

یعنی جو چوپایوں کی حفاظت یا شکار کے علاوہ کتا پالے تو اس کے ثواب میں سے ہر روز دو قیراط کم ہو جاتا ہے۔

یعنی وہ جو عبادت کرتا ہے اس کا ثواب کم ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سے کہا گیا کہ ہم نے تو ایک قیراط کم ہونے کی حدیث سنی ہے تو آپ نے فرمایا :

(۱) سنن ابن ماجہ:۲/۹۴۰ حدیث: ۲۸۱۱......سنن ترمذی:۴/۱۷۴ حدیث: ۱۶۳۷......سنن دارمی:۲/۲۶۹ حدیث:۲۴۰۵......مسند طیالسی:۲/۳۴۷ حدیث: ۱۱۰۰......مستدرک حاکم:۲/۹۵ حدیث: ۲۴۶۷۔

'میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور دل نے اس کو یاد رکھا ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قیراط فرماتے تھے'۔(۱)

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر کوئی کسی ضرورت کے لیے کتا پالے تو کچھ حرج نہیں اور اگر کسی پر بھونکانے کے لیے پالے گا تو مکروہ ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو کہ جس کا گھر دور ہے کتا پالنے کی رخصت دی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو ابلیس نے درندوں سے کہا کہ یہ تمہارا دشمن ہے اس کو مار ڈالو۔ تو سب درندوں نے اتفاق کیا اور اپنے کام کا اختیار کتے کو دیا اور سب نے کہا کہ تو ہم سب سے زیادہ بہادر ہے اور کتے کو سردار بنالیا۔

چنانچہ جب حضرت آدم نے یہ حال دیکھا تو کافی حیران ہوئے، فوراً حضرت جبرئیل آئے، اور کہا کہ اپنا ہاتھ کتے کے سر پر پھیریے۔

جب حضرت آدم نے یہی کیا تو کتا آپ سے الفت کرنے لگا۔ جب درندوں نے دیکھا کہ کتا حضرت آدم سے الفت کرنے لگا ہے تو سب متفرق ہو گئے۔ کتے نے حضرت آدم سے امن چاہا۔ حضرت آدم نے کتے کو امن دیا؛ لہٰذا یہ الفت کتے اور بنی آدم میں آج تک باقی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۷/۸۷حدیث: ۵۴۸۰...... صحیح مسلم: ۳/۱۲۰۱حدیث: ۱۵۷۴...... سنن ترمذی: ۴/۷۹ حدیث: ۱۴۸۷...... سنن دارمی: ۲/۱۲۴حدیث: ۲۰۰۴...... سنن نسائی: ۷/۱۸۹حدیث: ۴۲۹۰۔

باب نمبر 119 : شکلوں کا مسخ ہونا

فقیہ ابواللیث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں کا اس مخلوق کے بارے میں اختلاف ہے جن کی صورت اللہ نے مسخ کر دی ہے۔ بعض نے کہا کہ بندر اور سور انہی کی نسل سے ہیں جن کی صورتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ ایسے ہی چوہا اور چھپکلی اور ان چیزوں کے سوا جو احادیث میں آئی ہیں مسخ شدہ ہیں۔

اکثر علما کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں بلکہ بندر وغیرہ مسخ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں اور وہ لوگ جن کو اللہ نے مسخ کیا سب مر گئے اور ان کی نسل باقی نہ رہی؛ اس لیے کہ ان پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا، اور وہ دنیا میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے۔

حضرت مسور بن احنف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ان بندروں اور خنزیروں کو دیکھا ہے جو مسخ کر دیے گئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے کسی مسخ شدہ گروہ کی نسل باقی نہ رکھی اور یہ سب ان بندروں اور خنزیروں کی نسل سے ہیں کہ جو مسخ سے پہلے تھے۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ زہرہ اور سہیل کے بارے میں لوگوں نے بہت کلام کیا ہے اور وہ دونوں تارے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مسخ شدہ ہیں اور یہی حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اور حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر جب سہیل کو دیکھتے تو اس کو گالی دیتے تھے، اور ساتھ ہی فرماتے تھے کہ سہیل یمن میں عشر لینے والا تھا، اور لوگوں پر ظلم کرتا تھا۔ اور آگے مزید فرمایا کہ زہرہ ٗ ہاروت و ماروت کا دوست تھا، پھر اللہ نے اس کو فتح کر کے ایک شعلہ بنا دیا۔

حضرت مجاہد نے کہا کہ جب حضرت ابن عمر سے کہا جاتا تھا کہ انگارا نکلا تو فرماتے :

لا مرحبا بها ولا أهلا .

یعنی زہرہ کے لیے کوئی بھلائی اور بہتری نہیں۔

بعض نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ تارے تو جب آسمان پیدا ہوا ہے اس وقت پیدا ہوئے ہیں، اور حدیث پاک میں آتا ہے :

أن السمـاء لـمـا خـلـقـت خـلق فيها سبع دوارات: زحل و المشتري وبهرام وعطارد والزهرة والشمس والقمر .

یعنی جب آسمان پیدا کیا گیا تو اس دن سات تارے گردش کرنے والے پیدا کیے گئے۔زحل، مشتری، بہرام، عطارد، زھر، سورج اور چاند۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کے یہی معنی ہیں :

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ o (سورۂ انبیا:۲۱/۳۳)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں۔

دنیا کی مصلحت ان سات تاروں کی گردش پر رکھی ہے اور ان میں سے ہر ایک مصلحت کا بادشاہ ہے، تو زہرہ کو سلطانِ رطوبت بنایا جس سے ثابت ہوا کہ اس شخص کا قول کہ جوان دنوں کو مسخ شدہ کہتا ہے، درست نہیں ہے۔ نیز زہرہ اور سہیل حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہیں۔

اور وہ جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سہیل ایک عشر لینے والا ظالم تھا اور زہرہ ہاروت و ماروت کو فتنہ میں ڈالنے والا تھا، پھر اللہ نے ان دونوں کو مسخ کر کے تارہ بنا دیا تو یہ ان لوگوں پر محمول ہے کہ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ سہیل نامی ایک مرد اور زہرہ نامی ایک عورت دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تاروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا؛ لیکن وہ دونوں

باقی نہ رہے، اور وہ دونوں طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہو گئے اور دونوں آگ میں گئے۔

اور جو حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ سہیل کو گالی دیا کرتے تھے، تو یہ محمول ہے اس پر کہ وہ گالی تاروں کو نہ دیتے تھے بلکہ اس سہیل کو دیتے تھے جو یمن میں عشر لینے والا تھا۔ اور ایسے ہی زہرہ کے متعلق کہ اس عورت کو گالی دیتے تھے جس کا نام زہرہ تھا، نہ یہ کہ ستاروں کو گالی دیتے تھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 120 : ایمان اور اِن شاءاللہ!

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے اس بات کو مکروہ کہا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کہے کہ 'میں مومن ہوں'؛ مگر جب ان شاء اللہ کہے۔ یعنی کہے کہ 'میں ان شاء اللہ مومن ہوں'۔

اور دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ تعریف کا ہے اور کسی کے لیے خود اپنی تعریف کرنا جائز نہیں۔ تو جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ کہے: میں زاہد ہوں، اور میں عابد ہوں، اسی طرح یہ کہنا بھی نادرست ہے کہ 'میں مومن ہوں'۔

نیز یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنوں کی تعریف وتوصیف بہت نشانیوں کے ساتھ کی ہے؛ لہٰذا جب تک یہ نشانیاں نہ پائی جائیں گی تو جائز نہیں کہ اپنا نام مومن رکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، الَّذِيْنَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ، أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً o (سورۂ انفال: ۸/۲ تا ۴)

ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔ (یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قَالَتِ الاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا o (سورۂ حجرات:۱۴/۴۹)

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجیے: تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں......۔

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے آپ کو 'صاحب ایمان' کہنے سے روک دیا، اور فرمایا کہ خود کو مسلمان کہو (کیوں کہ ایمان ابھی تمہارے دل میں راسخ نہیں ہوا ہے)۔

لیکن بعض علما نے فرمایا کہ خود کو صاحب ایمان کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت اصحاب کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ 'ہم مومن مسلم ہیں'۔

زیاد بن علاقہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن یزید انصاری نے فرمایا :

إذا سئل أحدكم عن إيمانه فلا يشكن فيه .

یعنی جب کوئی تم سے تمہارے ایمان کے متعلق پوچھے تو اس میں شک مت کرو۔

حضرت ابراہیم تیمی نے کہا: تم میں سے کوئی خود کو 'مومن' کہنا ہرگز ناپسند نہ جانے۔ اگر وہ سچا ہے تو اپنے سچ پر ثواب پائے گا اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے دل میں جو کفر ہے وہ اس جھوٹ سے زیادہ سخت ہے۔ اسی لیے اللہ نے ارشاد فرمایا :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ o (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ o (سورۂ مائدہ:۵/۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو۔

لہٰذا اگر کسی کو اپنے 'مومن' ہونے میں شک ہو تو چاہیے کہ اس پر روزہ اور نماز لازم نہ ہو؛ کیوں کہ اللہ نے نماز اور روزہ کو خاص مؤمنوں پر واجب کیا ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی نے کہا کہ 'میں ان شاء اللہ مومن مروں گا'۔ تو یہ جائز ہے، اور اگر یوں کہے کہ 'میں ان شاء اللہ مومن ہوں'، تو یہ جائز نہیں؛ اس لیے کہ 'ان شاء اللہ' کہنا محاورے میں مستقبل کے لیے بولا جاتا ہے، ماضی و حال کے لیے نہیں بولا جاتا؛ اس لیے کہ یہ کہنا نادرست ہوتا کہ 'یہ کپڑا ہے ان شاء اللہ'۔ اور 'یہ ستون ہے ان شاء اللہ'۔ تو ایسے ہی یہ کہنا بھی درست نہیں کہ 'میں مؤمن ہوں ان شاء اللہ'۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ آدمی کی عقل مندی یہ کہنے میں ہے کہ 'میں ان شاء اللہ یہ کام کروں گا'۔ اور اس کی حماقت یہ ہے کہ کہے: 'میں نے ایسا کیا ان شاء اللہ'۔

اسی طرح طلاق دینے اور غلام آزاد کرنے میں 'ان شاء اللہ' کہا تو نہ طلاق واقع ہو گی اور نہ ہی غلام آزاد ہوگا؛ لہٰذا ان شاء اللہ کہنے میں اس کے ایمان میں خلل و قصور کا خوف ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے :

و ما الدهر إلا ليلة و نهـــارها

وما الناس إلا مؤمن ومكذب

إذا أنت لم تؤمن ولم تكن كافرا

فأين إذا يا أحمق الناس تـــذهب

یعنی زمانہ تو رات اور دن کے مجموعے کا نام ہے۔اور لوگ یا تو مومن ہیں یا کافر۔لہٰذا اگر تو نہ مومن ہے نہ کافر، تو اے سب لوگوں سے بڑھ کر احمق یہ بتا کہ تو اب کہاں جائے گا۔

باب نمبر 121 : کیا ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کا ایمان کی بابت اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ بڑھتا گھٹتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔جب کہ بعض نے کہا کہ نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے، اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

ایمان گھٹنے اور بڑھنے کا دعویٰ کرنے والوں کی دلیل یہ قولِ باری تعالیٰ ہے :

لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ o (سورۂ فتح:۴۸/۴)

تا کہ اُن کے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ ہو۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا o (سورۂ توبہ:۹/۱۲۴)

پس جو لوگ ایمان لے آئے ہیں سو اِس (سورت) نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أشفع يوم القيامة فيخرج من النار من كان في قلبه مثقال حبة من الايمان، ثم أشفع فيخرج من النار من كان في قلبه خردلة من الايمان، ثم أشفع فيخرج من كان في قلبه مثقال ذرة من الايمان . (۱)

یعنی میں اللہ کے حضور قیامت کے دن شفاعت کروں گا،تو جس شخص کے دل میں ایک دانہ بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل آئے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو جس شخص کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہوگا وہ آگ سے نکل آئے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو جس شخص کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ بھی نکل آئے گا۔

جو یہ کہتا ہے کہ ایمان بڑھتا ہے گھٹتا نہیں، اس کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کے بارے میں آتا ہے کہ آپ مسلمان کو کافر سے ترکہ دلواتے تھے،اور کافر کو مسلمان سے نہ دلواتے تھے،اور کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

الإسلام يزيد ولا ينقص .

یعنی اِسلام بڑھتا ہے،گھٹتا نہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے :

الإيمان يزيد ولا ينقص . (۲)

یعنی ایمان بڑھتا ہے،کم نہیں ہوتا۔

---

(۱) الفاظ کے ذرا اِختلاف کے ساتھ کئی ایک حدیثیں اسی مفہوم کی صحاحِ ستہ میں وارد ہوئی ہیں۔ -چڑیا کوٹی-

(۲) سنن ابوداؤد:۸۵/۳حدیث: ۲۹۱۴...... مسند بزار:۸۳/۷حدیث: ۲۶۳۶...... مسند طیالسی:۴۶۲/۱ حدیث:۵۶۹......مستدرک حاکم:۳۴۵/۴حدیث:۸۰۰۶۔

اور جو کہتا ہے کہ نہ ایمان بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو مطیع نے حماد بن سلمہ سے، انہوں نے ابوالمہزم سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ثقیف کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایمان گھٹتا بڑھتا ہے؟۔فرمایا:

الإيمان مكمل فی القلب وزيادته ونقصانه كفر .

یعنی ایمان دل کے اندر کامل ہے اور اس کا گھٹنا اور بڑھنا کفر ہے۔

حضرت عوف بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو منبر سے یہ کہتے ہوئے سنا:

لو كان الأمر علىٰ ما يقول هولاء الشكاك الضلال إن الذنوب تنقص الإيمان لأمسى أحدنا وكان لايدري ما ذهب من إيمانه أكثر أم ما بقي منه .

یعنی اگر امر واقعہ یوں ہو جیسے وادیِ شک وضلالت میں پھرنے والے یہ لوگ کہتے ہیں کہ گناہ ایمان کو گھٹاتے رہتے ہیں تو شام کے وقت ہم میں سے کوئی ایک بھی نہ جانتا ہوتا کہ کس قدر ایمان چلا گیا ہے یا کتنا باقی رہا ہے۔

لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۝ (سورۂ فتح:۴۸/۴)

تاکہ اُن کے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ ہو۔

متذکرہ بالا آیت کی تفسیر اہل علم نے یہ کی ہے کہ ’تاکہ ان کے یقین میں اضافہ ہو‘۔ قرآن میں ’ایمان‘ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور اس کے معنی ایک مفسر نے ’بخوبی پہچاننے‘ کے بھی کیے ہیں۔

ابو مطیع نے کہا کہ آسمان اور زمین والوں کا ایمان ایک ہے، اس میں کچھ زیادتی یا کمی نہیں ہوتی۔

ہشام نے بیان کیا کہ ابو یوسف فرمایا کرتے تھے :

أنـا مـؤمـن حقاً وأنا مؤمن عند الله، ولا أقول إيماني كإيمان جبريل وميكائيل عليهما السلام .

یعنی میں مومن ہوں اور میں اللہ کے نزدیک مومن ہوں؛ مگر میں یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ایمان کی مثل ہے۔

محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی آدمی یہ کہے کہ 'میرا ایمان جبرئیل اور میکائیل کی مثل ہے۔ ہاں اسے یہ کہنا چاہیے کہ میں بھی اس پر ایمان لایا جس پر جبرئیل ومیکائیل ایمان لائے۔ اور یہ بھی نہ کہے کہ میرا ایمان حضرت ابوبکر کی مانند ہے۔

محمد حسن کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ 'میں ان شاء اللہ مومن ہوں'۔ پھر اپنے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ 'میں مومن ہوں'۔ اور ان شاء اللہ کہنا چھوڑ دیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر زمامِ حکومت میرے ہاتھوں ہوتی تو میں قیدخانوں کو چوروں کے بجائے ایسے لوگوں سے بھر دیتا جو یہ کہتے ہیں کہ میرا ایمان ایمانِ جبرئیل کی طرح ہے۔ ہاں! اس تعلق سے سچی بات یہ ہے کہ کہا جائے: میں بھی اس پر ایمان لے آیا جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام ایمان لائے۔

باب نمبر 122 : ایمان کی مختلف تعریفیں

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگ ایمان کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ یہ قول امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق بن راہویہ اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔

بعض نے کہا کہ ایمان دل کے ساتھ پہچاننا ہے۔ یہ قول جہم بن صفوان اوران کے پیروکاروں کا ہے۔اور بعض نے کہا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل سے سچ جاننے کا نام ہے اور عمل شرائع ایمان میں سے ہے۔ یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ، اوران کے اصحاب کا ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

جس نے یہ کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے وہ اپنے قول کی تائید میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا ہے :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۴۳)

اوراللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کردے۔

یعنی تمہاری اُن نمازوں کو جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہیں۔

جو یہ کہتا ہے کہ ایمان قول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے :

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ ٥ (سورۂ مائدہ:۵/۸۵)

سواللہ نے ان کی بات کے عوض انہیں ثواب میں جنتیں عطا فرمادیں۔

نیز حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے :

أمرت أن أقاتل الناس حتّٰى يقولوا لاإله إلا اللّٰه فإذا قالوها عصموا مني دماء هم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على اللّٰه .

یعنی مجھے لوگوں سے قتال کا حکم کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، تو جب انہوں نے یہ کہہ لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال کو بچالیا سوائے اس کے کوئی حق ان پر ہو، اوران کا حساب وکتاب اللہ کے اوپر ہے۔(۱)

(۱) صحیح بخاری:۲/۱۰۵حدیث: ۱۳۹۹......صحیح مسلم:۱/۵۱حدیث: ۲۰......سنن ابوداوٗد:۲/۱حدیث: ۱۵۵۸......سنن ابن ماجہ:۲/۱۲۹۵حدیث:۳۹۲۷......سنن ترمذی:۵/۳حدیث:۲۶۰۶۔

جو کہتا ہے کہ ایمان دل سے پہچاننا ہے وہ اس لیے کہتا ہے کہ اگر اعتقاد میں کفر ہے اور وہ زبان سے اظہار نہیں کرتا تو وہ کافر ہی رہے گا۔ایسے ہی جب ایمان کا اعتقاد ہو اور وہ زبان سے اظہار نہیں کرتا تو وہ مومن ہی ہے۔

اور جو کہتا ہے کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل سے سچ جاننا ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواباً فرمایا :

الإیـمان أن تؤمن باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الأخر والبعث بعد الموت والقدر خیرہ و شرہ من اللّٰہ تعالی .

یعنی ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور روزِ آخر اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر ایمان لائے، اور اس بات پر کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

یہ سن کر جبرئیل نے کہا: صَدَقْتَ۔آپ نے سچ فرمایا۔(۱)

تو جبرئیل سائل تھے، اور صحابہ کرام کی بھری مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دینے والے۔اور آپ کا ارادہ صحابہ کرام کو سکھانا اور دین اور شریعت کا ظاہر کرنا تھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ o (سورۃ آل عمران:۳/۶۴)

آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔

(۱) صحیح ابن حبان:۱/۳۸۹ حدیث: ۱۶۸......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۱۲۷ حدیث:۲۰۱۰۷......مسند طیالسی: ۱/۲۴ حدیث:۲۱......مسند عبد بن حمید:۱/۱۲۴ حدیث:۳۰۱......مسند شامیین:۳/۳۵۲ حدیث:۲۴۵۱۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ محض کہہ دینے سے وہ مومن تو ہو جاتا ہے؛ مگر یہ قول اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دل سے اس کی تصدیق نہ کرے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے واقعے میں فرمایا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ o (سورۂ بقرہ:۸/۲)

اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مومن نہیں ہیں۔

تو ایمان ان میں نہ پایا گیا؛ کیوں کہ ان میں قول کے ساتھ تصدیق نہ تھی؛ لہٰذا جب قول؛ دل کی تصدیق کے ساتھ پایا جائے گا تب مومن ہوگا۔

محمد بن فضل نے کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن عیسیٰ سے سنا کہ وہ مسلم بن سالم کے حوالے سے بیان کرتے تھے :

ما يسرني أن ألقى اللّٰه تعالىٰ بعمل من مضى وبعمل من بقي وأنا أقول الإيمان يزيد وينقص أو قول أو عمل .

یعنی میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اللہ سے اگلے اور پچھلے لوگوں کے اعمال کے ساتھ اس حال میں ملوں کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے، یا اس بات کا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 123 : ایمان؛ مخلوق ہے یا قدیم؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں نے ایمان کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مخلوق ہے اور بعض نے اسے قدیم کہا ہے۔

مخلوق کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل سے سچ جاننا

ہے اور اقرار اور سچ جاننا بندے کا فعل ہے؛ کیونکہ اقرار زبان کا فعل ہے اور سچ جاننا دل کا فعل ہے، اور بندہ اور اس کے تمام افعال مخلوق ہیں۔ ارشادِ رب العزت ہے :

واللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ o (سورۂ صافات:۳۷/۹۶)

حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا ہے۔

اور قدیم کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ ایمان اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ قول (یعنی لا الہ الا اللہ) اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام قدیم ہے؛ لہٰذا جس نے کہا کہ ایمان مخلوق ہے اس نے قرآن کو بھی مخلوق کہا۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلے میں حاصلِ اختلاف یہ ہے کہ جس نے کہا کہ ایمان مخلوق ہے تو اس نے بندے کا فعل اور اس کی زبان کا قول مراد لیا ہے، اور بندے کا قول بے شک سب کے نزدیک مخلوق ہے۔ اور جس نے کہا کہ وہ قدیم ہے تو اس نے کلمہ شہادت مراد لیا اور کلمہ شہادت سب کے نزدیک قدیم ہے؛ مگر یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیوں کہ اللہ پر ایمان، نبیوں پر ایمان، کلمہ شہادت پر ایمان اور اسی طرح دیگر باتوں پر بھی تو ایمان ہے تو یہ کیسے ہوگا کہ کلمہ شہادت ایمان ہو جائے؟ لہٰذا یہ قول غیر درست ہے؛ کیونکہ کلمہ شہادت اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام ایمان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس پر ایمان لایا جاتا ہے نہ کہ وہ ایمان ہے۔

باب نمبر 124 : قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کے بارے میں لوگوں نے کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے، اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بشر مریسی، حسین بخاری اور ان کے پیروکاروں کا قول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ غیر مخلوق ہے اور نہ مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے قائل ابوعبداللہ بن کرام، عبداللہ بن سعید کلابی اور ان کے متبعین ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی وحی اور اس کا نازل کردہ ہے، اور یہ نہ مخلوق کہتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق۔ یہ قول جہم بن صفوان اور اس کے متبعین کا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ مصاحف میں مکتوب، دل میں محفوظ، اور غیر مخلوق ہے۔ یعنی قدیم ہے۔ یہ قول ابراہیم بن یوسف، شفیق زاہد اور ان کے متبعین کا ہے۔ اور یہی قول اہل سنت و جماعت کا ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے :

اَللّٰہُ خالِقُ کُلِّ شَیْیءٍ o (سورۂ زمر:۶۲/۳۹)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور فرماتا ہے :

اِنَّا جَعَلْنٰـہُ قُرْاٰناً عَرَبِیًّا o (سورۂ زخرف:۳/۴۳)

بیشک ہم نے اسے عربی (زبان) کا قرآن بنایا ہے۔

نیز فرماتا ہے :

مَا یَاْتِیْھِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنْ رَبِّھِمْ مُحْدَثٍ o (سورۂ انبیا:۲/۲۱)

ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے جب بھی کوئی نئی نصیحت آتی ہے۔

قدیم اور غیر مکتوب کہنے والے اس روایت کی طرف گئے ہیں جو حضرت ابن عباس سے مندرجہ ذیل آیت میں تفسیر :

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ o (سورۂ زمر:۲۸/۳۹)

عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں۔

کے معنی میں مروی ہے یعنی قرآنِ قدیم ہے۔

حضرت سفیان بن عینیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اللہ کے اس فرمان :

اَ لاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالاَمْرُ o (سورۂ اعراف:۵۴/۷)

بلاشبہہ اُسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔

کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ خلق سے مراد مخلوق ہے اور اَمر سے مراد قرآن ہے، جو کہ قدیم ہے، اور اس میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

محمد بن ابوبکر ملائی ابوعبداللہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ازہر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن محمد بن عسکر کو بغداد میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'قرآن اللہ کا کلامِ قدیم ہے، تو جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ لفظ ہے اور توقف کرتا ہے تو وہ جہمی اور پہلے سے بدتر ہے۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا :

من قال إن القرآن مخلوق فهو كافر .

یعنی جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے بھی یہی کہا کہ جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے قرآن کو مخلوق کہنے والے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: 'وہ کافر ہے اس کو قتل کر دو'۔

حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أعوذ بكلمات الله التامات كلها ... (۱)

یعنی میں اللہ کے کلمات کے ساتھ اس کی پناہ مانگتا ہوں جو کہ کامل ہیں۔

اور یہ طے ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور سے استعاذہ کرنا منع ہے۔ تو جب آپ نے

---

(۱) مسند اسحٰق بن راہویہ:۴۵/۵ حدیث:۲...... مصنف عبد الرزاق:۱۶۶/۵ حدیث: ۹۲۶۰...... جامع الاحادیث سیوطی:۴۳۲/۳۴ حدیث:۳۷۶۴۱...... مسند فردوس دیلمی:۴۰۶/۱ حدیث:۱۶۳۶۔

استعاذہ کلام اللہ کے ساتھ کیا تو ثابت ہوا کہ وہ قدیم ہے؛ کیوں کہ اللہ کے سوا اور کے ساتھ پناہ مانگنا کچھ کام نہیں آتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما نے فرمایا: 'بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اب اگر اللہ کا کلام مخلوق ہوتا تو ابن عباس یہ کہتے کہ سب چیزوں سے پہلے اللہ نے قرآن کو پیدا کیا؛ کیونکہ حق نے سب چیزوں کو 'کن' کے کلمہ سے پیدا کیا ہے'۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں اور اس کی مثل دیگر مسائل پر بحث وتمحیص نہ کرنا ہی افضل ہے۔ نہ یہ کہے کہ مخلوق ہے یا توقف کرے۔ اس معاملے میں لڑنا جھگڑنا یقیناً نامرادی ہے، اور خاموش رہنا ہی دنیا وآخرت میں باعث سلامتی ہے۔

باب نمبر 125 : دیدارِ الٰہی

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں نے دیدارِ الٰہی کے بارے میں کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ کو نہ دنیا میں دیکھ سکتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنتی قیامت کے دن بے کیف اور بے تشبیہ دیکھیں گے جس طرح وہ دنیا میں بے کیف اور بے تشبیہ کو پہچان لیتے ہیں، تو ایسے ہی اہل جنت اللہ کو بے کیف اور بغیر تشبیہ دیکھیں گے جس طرح اللہ چاہے گا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کا دیدار نہ ہوگا تو وہ اللہ کے اس قول سے دلیل لاتا ہے :

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ o (سورۂ انعام: ۶/۱۰۳)

نگاہیں اُس کا اِحاطہ نہیں کر سکتیں۔

اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا :

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ o (سورۂ اعراف: ۷/۱۴۳)

اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں۔

تو جواب میں فرمایا :

لَنْ تَرَانِیْ o (سورۂ اعراف:۱۴۳/۷)

تم مجھے (براہِ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے۔

اور 'لَنْ' کا لفظ 'ہمیشگی' کا متقضی ہے۔

دیدارِ الٰہی کا قول کرنے والوں کی دلیل یہ آیت ہے :

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ o (سورۂ قیامہ:۲۲/۷۵،۲۳)

بہت سے چہرے اُس دن شگفتہ وتروتازہ ہوں گے۔اور (بلاحجاب) اپنے رب (کے حسن وجمال) کو تک رہے ہوں گے۔

مزید فرمایا :

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَۃٌ o (سورۂ یونس:۲۶/۷۵)

ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ (اس پر) اِضافہ بھی ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ 'زیادۃ' سے مراد اللہ کا بے کیف دیدار ہے۔

اور ایک آیت میں ارشاد فرمایا :

کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ o (سورۂ مطففین:۱۵/۸۳)

حق یہ ہے کہ بیشک اُس دن انھیں اپنے رب کے دیدار سے (محروم کرنے کے لیے) پسِ پردہ کردیا جائے گا۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ستـرون ربـكـم كـمـا ترون القمر ليلة البدر لا تضامون فى

رؤيته فإن استطعتم أن لا تغلبوا علىٰ صلوة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا .

یعنی تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو کہ تم کو اس کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، تو اگر تم سے ہو سکے تو صبح وشام کی نماز میں غفلت نہ کرو تو یہ کام لازمی کرو۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ٥

(سورۃ طٰہ:۲۰/۱۳۰)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں طلوعِ آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب سے قبل۔()

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے محمد بن فضل سے، اور انہوں نے فارس بن مردویہ سے سنا ہے کہ علی بن عاصم نے فرمایا: اہل سنت و جماعت اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ کو دنیا میں کوئی نہیں دیکھے گا اور بے شک جنتی قیامت کے دن اس کا دیدار کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 126 : صحابہ کرام کی بابت

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عقل مند کو چاہیے کہ صحابہ کرام کے حق میں اچھی بات کہے، اور کسی ایک کا بھی برائی سے ذکر نہ کرے؛ تاکہ اس کا دین سلامت رہے۔

حضرت عبد اللہ بن مغفَّل بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) صحیح بخاری:۹/۱۲۷حدیث: ۷۴۳۴...... صحیح مسلم:۱/۴۳۹حدیث: ۶۳۳...... سنن ابوداؤد: ۴/۳۷۴ حدیث: ۴۷۳۱...... سنن ابن ماجہ:۱/۶۳حدیث: ۱۷۷...... مسند ابوعوانہ:۱/۳۱۴ حدیث: ۱۱۱۲...... مسند حمیدی:۲/۳۵۰حدیث:۷۹۹۔

اللّٰـه اللّٰـه في أصـحـابـي لا تتخذوهم غرضا بعدي فمن أحبهـم فـبحبـي أحبهـم ومـن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهـم فـقـد آذانـي ومـن آذانـي فقد أذى اللّٰه ومن أذى اللّٰه يوشک ان ياخذه . (۱)

یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور انہیں برائی کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو اُن کو دوست رکھے گا تو میں بھی اسے دوست رکھوں گا، اور جو اُن سے بغض رکھے گا تو میں بھی اس سے بغض رکھوں گا۔ اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو جلد ہی اللہ اُس کی گرفت کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إذا ذكـروا الـقـدر فـأمسـكوا وإذا ذكروا النجوم فأمسكوا وإذا ذكروا أصحابى فأمسكوا .

یعنی جب تقدیر کا ذکر آئے تو چپ رہو اور جب نجوم کا ذکر ہو تو چپ رہو اور جب میرے صحابی کا ذکر ہو تو بھی چپ رہو۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے برسرِ منبر فرمایا :

خيـر هـذه الامة بعد نبينا أبوبكر وخيرها بعد أبى بكر عمر واللّٰه لو شئت لسميت الثالث . (۲)

---

(۱) سنن ترمذی:۵/۶۹۶ حدیث:۳۸۶۲......صحیح ابن حبان:۱۶/۲۴۴ حدیث:۷۲۵۶......مسند احمد بن حنبل: ۳۴/۱۶۹ حدیث:۲۰۵۴۹......مسند فردوس دیلمی:۱/۱۴۶ حدیث:۵۲۵۔

(۲) مسند ابن الجعد:۱/۳۱۱ حدیث: ۲۱۰۹...... مسند بزار:۲/۱۳۰ حدیث: ۴۸۸......مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۱۴ حدیث:۳۲۶۱۳......مسند احمد بن حنبل:۲/۲۲۴ حدیث:۸۷۹۔

یعنی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں ابوبکر افضل ہیں، اوران کے بعد حضرت عمر افضل ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی بتادوں۔

بعض نے کہا کہ تیسرے سے مراد حضرت عثمان غنی ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت علی نے خود اپنی ذات مراد لی۔

حضرت محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس اُمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر بہتر ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا مقام ہے۔ اور حضرات عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے؛ لیکن ہم کہتے ہیں کہ پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی۔

نبی اکرم علیہ السلام کے تمام اصحاب اچھے اور نیک ہیں اور ہم سب کو اچھا کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی سے صحابہ کرام کی لڑائیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ان سے ہمارے ہاتھ محفوظ رہے، اب ہم اپنی زبانوں کو آلودہ نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا يجتمع حب هؤلاء الأربعة إلافي قلب مؤمن . (۱)

یعنی ان چاروں کی محبت سوائے مومن کے کسی اور دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔
(یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور علی)

ابواسحاق ہمدانی نے رفیع سے روایت کی کہ حضرت علی نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے :

إن اللّٰـه أمـرنـي أن أتخذ أبابكر وليا و عمر مشيرا و عثمان مسندا و عليا ظهيرا .

---

(۱) مسند عبد بن حمید: ۱/۴۲۶...... مسند الشامیین: ۳/۲۹۷ حدیث: ۲۳۱۲...... الآحاد والمثانی: ۴/۸۰ حدیث: ۲۲۳۰...... المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ: ۱۶/۲۷۶ حدیث: ۳۹۹۴۔

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ابوبکر کو دوست رکھوں، عمر کو مشیر، عثمان کو تکیہ گاہ اور علی کو پشت پناہ بناؤں۔(۱)

مزید فرمایا :

هم أربعة أخذ اللّٰه ميثاقهم في أم الكتاب لا يحبهم إلا مؤمن تقي و لا يبغضهم إلا فاجر شقي فهم خلائف نبوتي وعضد ديني ودنياي وعصمة أمري و معدن حكمتي فلا تقاطعوا و لا تحاسدوا . (۲)

یعنی یہ چار ہیں جن سے اللہ نے ام الکتاب میں اقرار لیا ہے کہ جو مومن متقی ہے وہ ان سے محبت رکھے گا اور جو بدکار و بدبخت ہے وہ ان سے بغض رکھے گا۔ اور یہ میری نبوت کے خلیفہ ہیں، اور میرے دین و دنیا کے بازو ہیں، اور میرے امتی کے لیے بچاؤ ہیں اور میری حکمت کے سر چشمہ ہیں؛ لہٰذا ان سے قطع تعلق مت کرو اور ان سے حسد نہ رکھو۔

حضرت ابوزبیر جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا :

أبوبكر وزيري والقائم فى أمتى من بعدي وعمر حبيبى و عثمان ختني و علي أخي و صاحب لوائي . (۳)

یعنی ابوبکر میرا وزیر ہے اور میرے بعد میری امت کا سنبھالنے والا ہے۔ عمر میرا حبیب ہے۔ عثمان میرا داماد ہے، اور علی میرا بھائی ہے اور میرے جھنڈے کا مالک ہے۔

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی:۳۲۴/۲۳ حدیث:۲۶۱۴۳......کنز العمال:۶۲۹/۱۱ حدیث:۳۳۰۶۵......مسند فردوس دیلمی:۳۱۴/۵ حدیث:۸۲۹۵......اللآلی المصنوعۃ:۳۵۰/۱۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی:۳۲۴/۲۳ حدیث:۲۶۱۴۳......کنز العمال:۶۲۹/۱۱ حدیث:۳۳۰۶۵۔

(۳) ذخیرۃ الحفاظ:۲۰۲/۱ حدیث:۲۷......الفوائد المجموعۃ:۳۸۶/۱ حدیث:۱۰۲۔ لیکن ابن جوزی اور امام ذہبی وغیرہ نے اسے اپنی موضوعات میں موضوع قرار دیا ہے۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ -چڑیا کوٹی-

محمد بن جبیر اپنے والد حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ نے کسی امر میں اس کو حکم فرمایا تو اس عورت نے عرض کیا: اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو آپ نے فرمایا :

إن لم تجديني فائتي أبابكر . (۱)

یعنی اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا۔

ابوعصمہ نوح بن ابی مریم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اہل سنت و جماعت کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا :

من فضل أبابكر و عمر و أحب عثمان و عليا، و رأى المسح على الخفين و لا يكفر أحدا من الأمة بذنب، وآمن بالله خيره وشره من الله عزوجل ، ولا ينطق في الله بشيىء، و لا يحرم نبيذ التمر .

یعنی جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو افضل جانے، حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت کرے، موزوں پر مسح کو جائز سمجھے، کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرے، اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے، امورِ الٰہی میں کچھ نہ بولے اور نبیذ تمر کو حرام نہ کہے۔

باب نمبر 127 : تقدیر کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تجھ سے ہو سکے تو تقدیر کے مسئلے میں کبھی مت الجھنا؛ کیوں کہ اس میں بحث کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

(۱) صحیح بخاری:۵/۵ حدیث:۳۶۵۹......صحیح مسلم:۱۸۵۶/۴......سنن ترمذی:۶۱۵/۵ حدیث:۳۶۷۶۔

إذا ذكر القدر فأمسكوا وإذا ذكر النجوم فأمسكوا وإذا ذكر أصحابي فأمسكوا . (۱)

یعنی جب تقدیر کا ذکر ہو تو چپ رہیں اور جب تاروں کا ذکر ہو تو چپ رہیں اور جب میرے صحابی کا ذکر ہو تو خاموش رہیں۔

یعنی ان تینوں کے بارے بحث و تمحیص کرنے سے گریز کریں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں تقدیر کی بابت سوال کیا اور عرض کی، اے میرے رب! نیکی اور بدی کا تو نے پیمانہ مقرر کر رکھا ہے، لہٰذا جو لوگ بدی کرتے ہیں انہیں تو عذاب کرے گا۔

اللہ نے حضرت عزیر کی طرف وحی بھیجی کہ اے عزیر! آئندہ اس مسئلے میں تم مجھ سے سوال نہ کرنا۔ اگر اس ممانعت کے باوجود آپ نے مجھ سے سوال کیا تو آپ کا نام انبیا کے دفتر سے نکال دیا جائے گا۔

حضور نبی رحمت علیہ السلام سے اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں کہ آپ نے فرمایا :

القدر خيره و شره مِن اللّٰهِ تعالٰی .

یعنی بے شک اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرئیل نے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

أن تؤمِن بِاللّٰهِ وملائِكتِه وكتبِه ورسلِه واليومِ الآخِرِ والقدرِ خيرِه و شرِه مِن اللّٰهِ تعالى والبعثِ بعد الموتِ .

(۱) معجم کبیر طبرانی:۹۶/۲ حدیث: ۱۴۲۸...... بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث:۷۴۸/۲ حدیث: ۷۴۲ ......الجامع الصغیر:۴۶/۱ حدیث:۶۱۵...... جامع الاحادیث سیوطی:۱۵۲/۳ حدیث:۱۹۵۱۔

یعنی یہ کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم قیامت پر اور اس بات پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، نیز مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔(۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کچھ لوگوں کے ساتھ آئے، جب قریب آئے تو سب نے حضور کو سلام کیا۔ بعض لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر نے کہا کہ نیکیاں اللہ کی طرف سے ہیں اور برائیاں ہماری طرف سے۔ اور حضرت عمر نے کہا کہ بھلائیاں اور برائیاں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

تو بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر کی پیروی کی اور بعض لوگوں نے حضرت عمر کی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

سأقضي بينكما بما قضى اللّٰه به بين جبريل و ميكائيل، فأما جبريل فقال مثل مقالتک يا عمر، وأما ميكائيل فقال مثل مقالتک يا أبابكر. قال جبريل: إذا اختلف أهل السماء واختلف أهل الأرض فهلم نتحاكم إلى إسرافيل فقصا عليه القصة فقضى بينهما أن القدر خيره و شره من اللّٰه تعالى .

یعنی میں تمہارا فیصلہ کروں گا جیسے اللہ نے حضرت جبرئیل اور میکائیل کے مابین فیصلہ کیا۔ جبرئیل نے ویسا کہا جس طرح اے عمر تو نے کہا، اور میکائیل نے ایسا کہا جس طرح اے ابوبکر تو نے کہا۔ تو جبرئیل نے کہا کہ آسمان والے اختلاف میں پڑے ہیں اور جب آسمان والوں نے اختلاف کیا تو زمین

(۱) صحیح ابن حبان:۱/۳۸۹ حدیث: ۱۶۸......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۱۲۷ حدیث:۲۰۱۰۷......مسند طیالسی: ۱/۲۴ حدیث:۲۱......مسند عبد بن حمید:۱/۱۲۴ حدیث:۳۰۱......مسند شامیین:۳/۳۵۲ حدیث:۲۴۵۱۔

والوں نے بھی اختلاف کیا تو آؤ اسرافیل کے پاس فیصلے کے لیے چلیں۔
جبرئیل اور میکائیل نے اسرافیل سے سارا قصہ بیان کیا تو اسرافیل نے ان
دونوں کا فیصلہ کردیا کہ بے شک اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔
پھر فرمایا :

فهٰذا قضائي .

اور یہی میرا فیصلہ بھی ہے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

یـا أبـابـکر لو شاء اللّٰه تعالی أن لا یعصی فی أرضه لم یخلق إبلیس لعنه اللّٰه .

یعنی اے ابوبکر! اگر اللہ چاہتا کہ زمین پر کوئی اس کی نافرمانی نہ کرے تو وہ
ابلیس ملعون کو پیدا ہی نہ کرتا۔(۱)

باب نمبر 128 : رافضی کون ہیں؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ارشاد فرمایا :

یهلک فی اثنان محب مفرط ومبغض مفرط .

یعنی دو شخص ہلاکت میں ہیں: ایک محبت میں حد سے بڑھنے والا اور دوسرا
دشمنی میں حد سے بڑھنے والا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مزید فرمایا :

(۱) اللآلی المصنوعہ:۱/۲۳۳۔لیکن حضرت یحییٰ بن معین علیہ الرحمہ نے اسے موضوع وباطل قرار دیا ہے۔اللہ ورسولہ اعلم۔ -چریاکوٹی-

یخرج فی آخر الزمان قوم ینتحلون شیعتنا ولیسوا من شیعتنا لهم نبز یقال لهم الروافض، فإذا لقیتموهم فاقتلوهم فإنهم مشرکون .

یعنی اخیر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی اور وہ میرے شیعہ کہلائیں گے(یعنی میرا گروہ) مگر وہ دراصل میرے شیعہ نہ ہوں گے، اوران کی ایک پہچان یہ ہوگی کہ لوگ انھیں رافضی کہیں گے؛ لہٰذا جب تم کو یہ لوگ ملیں تو ان کو مار ڈالو، بے شک وہ مشرک ہیں۔

حضرت میمون بن مہران حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

یکون فی آخر الزمان قوم ینبزون بالروافض یرفضون الإسلام ویلفظونہ فاقتلوهم فإنهم مشرکون .(۱)

یعنی آخر زمانہ میں 'رافضی' نامی ایک قوم ہوگی، اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا، وہ اس کو پھینک دیں گے، لہٰذا ان کو مار ڈالو، بے شک وہ مشرک ہیں۔

منقول ہے کہ جس نے صحابہ کو گالی دی وہ کافر ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ رافضی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے مذکورہ حدیث کے موافق اپنے دور میں رافضیوں کا قتل عام کیا۔

حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں: رافضی لوگ زندیقیت کی سیڑھی ہیں؛ کیوں کہ میں نے جس رافضی کو دیکھا زندیق ہی دیکھا۔

---

(۱) مسند عبد بن حمید: ۱/۲۳۲ حدیث: ۶۹۸ ...... مسند جامع نوری: ۲۲/۶ ۷ حدیث: ۷۰۸۲ ...... مجمع الزوائد: ۹/۴۹ ۷۔

باب نمبر 129 : پہلے نماز یا کھانا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی کے سامنے کھانا رکھا جائے اور نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی ہو تو کھانے سے فراغت حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں، پھر نماز پڑھ لے جبکہ وقت جاتے رہنے کا خوف نہ ہو؛ اس لیے کہ اگر نماز کے لیے کھانا شروع کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے گا تو دل کھانے میں مشغول رہے گا؛ لہٰذا اگر یہ کھانا کھا رہا ہے اور دل اس کا نماز میں مشغول ہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تو نماز میں ہو اور دل کھانے میں مشغول ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا، ٹھیک اسی وقت کھانا لا دیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ نفس لوامہ کی طرف سے شروع کیا جائے (یعنی پہلے کھانا کھا لیا جائے)۔

حضرت نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إذا كان أحدكم على طعام فلا يعجلن حتى يقضي حاجته منها وإن أقيمت الصلوة . (١)

یعنی جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو ہرگز جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس سے فارغ نہ ہو لے؛ اگرچہ نماز کے لیے اقامت ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

إذا حضرت أحدكم الصلوة وحضر الغائط فابدأوا بالغائط. (١)

---

(١) صحیح ابن خزیمہ: ٦٧/٢ حدیث: ٩٣٦۔

(٢) صحیح ابن خزیمہ: ٦٥/٢ حدیث: ٩٣٢...... جامع الاحادیث سیوطی: ٦٩/٣ حدیث: ١٧٩٩...... البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر: ٤٢٩/٤۔

یعنی جب نماز کا وقت ہو اور تم میں سے کسی کو پاخانہ کی حاجت ہو تو پہلے رفع حاجت کر لے۔

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ تاجدارِ کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :

لا يصلي أحدكم وهو زناء . (۱)

یعنی تم میں سے کوئی نماز نہ پڑھے، اگر پیشاب کا زور ہو۔

ان سب احادیث کا مفاد یہ ہے کہ دل نماز ہی کی طرف مشغول رہے۔

باب نمبر 130 : سفر سے رات میں لوٹنا کیسا؟

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس وقت آدمی سفر سے لوٹے تو مستحب ہے کہ اپنے گھر میں دن کے وقت آئے، رات کے وقت نہ آنا چاہیے کہ گھر والے غفلت میں ہوں۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا جاء أحدكم من الغيبة فلا يطرقن أهله ليلا . (۲)

یعنی جب تم میں سے کوئی سفر سے لوٹے تو رات کے وقت اپنے گھر میں نہ آئے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ رات کو اپنے گھروں میں نہ داخل ہونا؛ مگر دو شخص رات کو اپنے گھر میں آئے تو ہر دو نے اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو بیٹھے ہوئے پایا۔

---

(۱) مسند الربیع: ۱/۱۲۴ حدیث: ۲۹۷...... خلاصۃ الاحکام فی مہمات السنن وقواعد الاسلام: ۱/۴۹۰ حدیث: ۱۶۲۹۔

(۲) صحیح بخاری: ۷/۳۹ حدیث: ۵۲۴۴...... صحیح مسلم: ۳/۱۵۲۸ حدیث: ۱۵۲۸۳...... سنن دارمی: ۲/۳۵۶ حدیث: ۲۶۳۱...... صحیح ابن حبان: ۶/۲۶۹ حدیث: ۲۵۲۸۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی اِستحباباً ہے، حرام نہیں ہے؛ لہٰذا افضل یہ ہے کہ اپنے گھر میں خبر کر دے کہ سب درست ہو رہیں، اور اگر خبر نہ کرے اور ان کی بے خبری میں آ گیا تو یقیناً اس نے سنت کو ترک کیا؛ تاہم یہ حرام نہیں۔

باب نمبر 131 : بارش کے وقت نماز کا حکم

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کا گھر مسجد سے دور ہو اور بارش میں مسجد کی طرف جانے میں اپنی جان کو ضرر پہنچنے کا خوف ہو تو اس کو گھر میں نماز پڑھنے لینے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ اس باب میں رخصت آئی ہے؛ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے ارشاد فرمایا :

إذا ابتلت النعال فالصلوٰة فی الرحال . (۱)
یعنی جب جوتیاں تر ہونے لگیں تو نماز گھر میں پڑھ لو۔

اس میں رخصت اس لیے ملی ہے کہ ان کی جوتیاں عربی تھیں، اگر وہ بارش میں نکلتے تو ان کی جوتیاں خراب ہو جاتیں اور ان کے پاس کپڑے تھوڑے تھے اور اکثر اوقات ان کو سردی تنگ کرتی تھی؛ اس لیے ان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کا مؤذن ایک روز بارش میں اذان کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اذان میں کہہ دے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ چنانچہ جب مؤذن نے ایسا ہی کیا تو لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے تو آپ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اس بارے میں ایسے ہی ہے۔

حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ اقدس

(۱) مسند شافعی:۲۶۰ حدیث:۱۸۵......البدر المنیر فی تخریج الشرح الکبیر:۴/۴۱۹۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سخت سردی دیکھتے یا بارش برستی دیکھتے تو اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور مؤذن کو حکم دیتے کہ نماز کے لیے اَذان کہے اور اذان کے آخر میں یہ بات کہہ دے :

في الرحال في الليلة المطيرة . (۱)

یعنی بارش برستی رات میں نماز گھر میں ہی پڑھ لو۔

باب نمبر 132 : گھنٹی کی کراہت

حضرت ابن عمر حضرت اُم حبیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

العير التى فيها الجرس لا تصحبها الملائكة . (۲)

یعنی جس قافلہ میں گھنٹی ہے اس کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے۔

حضرت خالد بن معدان بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سواری کو دیکھا کہ اس پر گھنٹی ہے تو آپ نے فرمایا :

تلک مطية الشيطان .

یعنی یہ شیطان کی سواری ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ ایک بچہ پاؤں میں گھونگھرو پہنے ہوئے تھا تو آپ نے فرمایا :

(۱) سنن ابو داؤد:۱/۴۱۱ حدیث:۱۰۶۳......سنن ابن ماجہ:۱/۳۰۲ حدیث: ۹۳۷......سنن نسائی:۲/۳۴۲ حدیث:۶۵۲......صحیح ابن خزیمہ:۳/۷۸ حدیث:۱۶۵۵۔

(۲) سنن دارمی:۲/۳۷۳ حدیث: ۲۶۷۵......صحیح ابن حبان:۱۰/۵۵۳ حدیث:۴۷۰۰......مسند ابویعلی موصلی:۱۳/۴۶ حدیث:۷۱۳۳......مسند اسحٰق بن راہویہ:۴/۲۴۸ حدیث:۲۹۔

أخرجوا منفر الملائكة .

یعنی اس کو نکالو اس سے فرشتوں کو نفرت آتی ہے۔

تو اس نے نکال دیا۔

حضرت عامر بن عبداللہ ایک عورت ریحانہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئی اور میرے پاس ایک بچہ تھا جو پاؤں میں گھونگھرو پہنے ہوئے تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

أخبري مولاک بأن هذا للشيطان .

یعنی اپنے مالک سے کہہ دے کہ یہ شیطان کے کام ہیں۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام نے جانوروں کو گھونگھرو پہنانے کو جائز کہا ہے جبکہ ان میں لوگوں کی کوئی منفعت ہو؛ کیوں کہ حدیثیں کھیل کود کے بارے میں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن جب اس میں کوئی نفع یا مصلحت ہو تو کچھ حرج نہیں۔

باب نمبر 133 : تعزیت کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصیبت زدہ کی تعزیت کرنا اچھا ہے، اور اس میں ثواب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

حق المُسلم علَى المُسلم أن يعزيه إذا أصابته مصيبة .

یعنی مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو مصیبت پہنچے تو اس سے تعزیت کرے۔

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص غائب ہو گیا، آپ نے اس کا حال دریافت کیا تو

لوگوں نے کہا کہ اس کا ایک بیٹا مر گیا ہے تو آپ نے فرمایا :

قوموا أن نعزيه .

یعنی چلو اس کی تعزیت کر آئیں۔

چنانچہ ہم اٹھ کر اس کی تعزیت کے لیے گئے۔

مصیبت والے گھر میں یا مسجد میں تین دن تک بیٹھیں تو کچھ حرج نہیں، کہ لوگ آ کر وہاں ان کی تعزیت کریں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ کے پاس حضرت جعفر بن ابی طالب، زید بن حارث، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور لوگ آپ کے پاس آ آ کر تعزیت کرتے تھے۔

گھر کے دروازے پر بیٹھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

باب نمبر 133 : گھوڑ سواری کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپس میں گھوڑ دوڑ کرنے میں کچھ حرج نہیں، اور گھوڑ دوڑ یہ ہے کہ گھوڑے چھوڑے جائیں اور دیکھیں کہ ان میں سے کون آگے نکلتا ہے۔ ہاں! اگر یہ بغیر عوض اور شرط کے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اگر کسی شرط پر دوڑائے گئے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر ان دونوں نے کہا کہ جو ہم سے آگے نکل جائے گا تو اس کو یہ دینا ہوگا، تو یہ جائز نہ ہوگا کہ یہ جوا ہے۔ اور اگر دونوں نے کہا کہ اگر میرا گھوڑا نکل گیا تو میں تجھ سے یہ لے لوں گا اور اگر تیرا گھوڑا آگے نکل گیا تو

کچھ نہیں، تو یہ جائز ہے۔ یعنی اگر عوض دونوں طرف میں سے ایک طرف ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں طرف عوض ہے تو جائز نہیں۔

اگر چاہیں کہ دونوں طرف سے عوض جائز ہو جائے تو چاہیے کہ حلال کرنے والا یعنی تیسرا شخص داخل کرلیں اور یہ کہیں کہ اگر میرا گھوڑا آگے نکل جائے تو میں تجھ سے یہ لوں گا اور اگر تیرا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تجھ کو یہ دوں گا اور اگر یہ تیرا گھوڑا آگے نکل گیا تو اس پر کچھ نہیں، تو یہ جائز ہے بلکہ تیسرا اس کے ساتھ دوڑ سکتا ہے اور اس میں قوت ہے۔

حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا تحضر الملائکة شیئا من لھو کم إلا النضال والرھان وسبق الخیل . (۱)

یعنی فرشتے تمہارے کسی کھیل میں موجود نہیں ہوتے؛ مگر نصال اور دھان یعنی تیر پھینکنے اور گھوڑا دوڑانے میں۔

حضرت زہری روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لوگ گھوڑے اور اونٹ دوڑایا کرتے تھے نیز آپس میں اپنے پیروں سے دوڑ کر مقابلے کیا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 'عضباء' نامی ایک اونٹنی تھی، جو پیچھے نہ رہتی تھی؛ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی اپنی جوان اونٹنی پر سوار آیا، اور اس سے آگے بڑھ گیا تو مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

حق علی اللّٰہ أن لا یرتفع شیئا من الدنیا إلا وضعه .

---

(۱) ذخیرۃ الحفاظ:۴/۲۴۶۸ حدیث:۵۷۱۹۔

(۲) صحیح بخاری:۴/۳۲ حدیث:۲۸۷۲...... صحیح ابن حبان:۲/۴۷۷ حدیث:۴۷۷......مسند ابویعلی موصلی:۶/۳۸۶ حدیث:۳۷۳۱...... جامع الاصول فی احادیث الرسول:۵/۴۰ حدیث:۳۰۳۸۔

یعنی اللہ جس شے کو دنیا میں اونچا کرتا ہے اس کو نیچا بھی کرتا ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے مسابقت کی تو حضرت عائشہ آگے نکل گئیں، پھر جب وہ کچھ فربہ ہوگئیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مسابقت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نکل گئے تو آپ نے فرمایا :

یا عائشة هذه بتلک . (۱)

یعنی اے عائشہ! یہ اس دن کا بدلہ ہے۔

حضرت امام مالک حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ گھوڑا دوڑانے میں کچھ حرج نہیں جب اس میں کوئی محلل (یعنی حلال کرنے والا تیسرا شخص) آجائے۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں: مسابقت میں یہ فائدہ ہے کہ لوگ لڑائیاں کرتے تھے اور مسابقت میں چستی کا اظہار ہے، اور اس سے نفس محنت کا عادی ہوتا ہے اور لڑنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے مسابقت کی تو آپ آگے نکل گئے، ابوبکر کا گھوڑا بالکل قریب رہا، اور حضرت عمر کا گھوڑا ٹھہر گیا۔ اس کا مفہوم یہ نکلا کہ حضرت ابوبکر کے گھوڑے کا سر حضور علیہ السلام کے گھوڑے کی دم کے پیچھے تھا، اور 'صلوی' چوتڑ کی جگہ کو کہتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد:۲/۳۳۴حدیث: ۲۵۸۰...... صحیح ابن حبان:۱۰/۵۴۵حدیث: ۴۶۹۱...... مسند حمیدی: ۱/۱۲۸حدیث:۲۶۱......سنن نسائی الکبریٰ:۵/۳۰۴حدیث:۸۸۸۸/۸۸۹۶۔

باب نمبر 135 : خوشی کے موقع پر شکر بکھیرنا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نکاح کے موقع پر یا امیروں اور لشکروں وغیرہ پر شکر بکھیرنے کے تعلق سے مختلف آرا ہیں۔ بعض نے کہا کہ جائز ہے اور بعض نے کہا کہ ناجائز ہے۔ جبکہ بعض نے کہا کہ شادی وغیرہ میں تو جائز ہے؛ لیکن امیروں وغیرہ پر جائز نہیں۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ روایت ہے جو حضرت حمید حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لٹانے اور لوٹنے سے منع فرمایا اور آپ کا ارشادِ عالی ہے :

من انتهب فليس منا . (۱)

یعنی جو کوئی لوٹے گا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت عدی بن ثابت، حضرت عبداللہ بن یزید خطمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثلہ کرنے اور لوٹنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن مسعود کے بارے میں آتا ہے کہ جب بچوں پر شکر بکھیری جاتی تو وہ اپنے بچوں کو لوٹنے سے منع فرماتے اور انھیں ویسے کوئی چیز خرید کر دے دیتے تھے۔

کچھ حرج نہ جاننے والوں کی دلیل یہ ہے کہ شکر کے مالک نے اس کو لٹا کر مباح کر دیا۔ نیز حضرت عبداللہ بن قرط سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ قربانی کے اونٹ لائے گئے تو ہر ایک آپ کے قریب ہونے لگا اس امید پر کہ میں پہلے نحر کیا جاؤں، جب سب نحر ہو چکے تو آپ نے ایک ایسا کلمہ فرمایا کہ میں سمجھ نہ سکا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۱۲۹۸/۲حدیث: ۳۹۳۵ ......سنن ترمذی:۱۵۴/۴ حدیث: ۱۶۰۱......صحیح ابن حبان:۱۱/ ۵۷۴......مسند ابن الجعد:۳۸۹/۱حدیث:۲۶۵۵......مستدرک حاکم:۱۳۶/۲حدیث:۲۶۰۵۔

میں نے اپنے قریب والے شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ 'جو چاہے وہ کاٹ لے' یعنی آپ نے گوشت کو مباح فرمادیا ہے اور ان کو لوٹ لینے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسن اور عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں نکاح کے وقت شکر لوٹنے میں کچھ حرج نہ جانتے تھے۔

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ لوٹنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ مالک کی رضامندی اور خوشی کے بغیر لیا جائے، لیکن جب مالک کی خوشی سے لے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

جس نے نکاح میں اجازت دی ہے اور امرا کے لیے مکروہ کہا ہے تو وہ اس روایت کی طرف گیا ہے جو حضرت خالد بن معدان نے حضرت معاذ بن جبل سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جوان انصاری کے نکاح میں تشریف لائے، جب اس کا نکاح ہوگیا تو باندیاں' بادام اور شکر کے طباق لائیں۔

لوگوں نے توقف کیا تو معلم کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا :

أ لا تنتهبون ؟

یعنی لوٹتے کیوں نہیں؟۔

لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ ہی نے لوٹنے سے منع کیا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا :

تلک نهب العساکر وأما العرس فلا بأس به . (۱)

یعنی لشکر کی لوٹ منع ہے اور نکاح میں منع نہیں۔

---

(۱) معرفۃ السنن والآثار:۱۰/۲۷۲حدیث: ۱۴۴۹۵......مسند شامیین :۱/۲۳۴حدیث: ۴۱۶......شرح معانی الآثار طحاوی:۳/۵۰حدیث:۴۱۱۱......معجم کبیر طبرانی:۲۰/۹۷حدیث:۱۶۹۴۸۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اگر یہ بکھیرنا نکاح یا ولیمہ میں ہو یا کوئی شخص اونٹ ذبح کرے اور لوگوں کے لیے لوٹ لے جانا مباح کر دے یا کوئی شخص سفر سے آئے اور اس پر کوئی چیز بکھیری جائے اور اس کو لوٹ لیں تو کچھ حرج نہیں؛ لیکن جب یہ بکھیرنا امیروں پر ہو تو اس کا لوٹنا جائز نہیں؛ کیونکہ ان کے اوپر لٹانا رشوت کا حکم رکھتا ہے۔ اسی لیے تو امیروں کا تحفہ مکروہ ہے!۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

هدايا الأمراء غلول . (۱)

یعنی اُمرا کے تحفے مشتبہ ہیں۔

اور ایسے ہی ان کے اوپر کی بکھیر بھی۔ یوں ہی جب کوئی کسی امیر کے لیے گائے ذبح کرے تو اس کا گوشت لینا مکروہ ہے، مگر قیدیوں کے لیے مکروہ نہیں۔

باب نمبر 136 : تحفہ لینے دینے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص آپ کے پاس تحفہ بھیجے، اور وہ ظالم نہ ہو، نہ وہ تحفہ مالِ حرام سے ہو تو اسے قبول کر لینا افضل ہے۔ اور آپ کے حق میں بہتر ہے کہ اس کا بدل اس سے بہتر یا اس کے مثل دیں۔ اور اگر مال کا بدلہ دینے میں عاجز ہے تو اس کے لیے دعا کریں اور اسے اچھی صفتوں سے یاد کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من لم يشكر الناس لم يشكر اللّٰه تعالىٰ .

---

(۱) مسند ابوعوانہ: ۳۹۵/۴ حدیث: ۷۰۷۳...... جامع الاحادیث سیوطی: ۳۲۲/۲۲ حدیث: ۲۵۰۰۸...... مسند فردوس دیلمی: ۳۲۶/۴ حدیث: ۶۹۴۷...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۳۸/۱۰ حدیث: ۲۰۹۷۸۔

یعنی جولوگوں کا شکر اَدا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی ناشکرا کرتا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مـن أهـدى إليكم معروفا فكافئوه فإن لم تجدوا ما تكافئونه فادعوا له حتى يعلم أنكم قد كافأتموه . (۲)

یعنی جوکوئی تم کو تحفہ بھیجے تو تم بھی اس کا بدلہ اچھی طرح اَدا کرو، اور اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لیے دعا کرو؛ تاکہ وہ جان لے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا :

أجيبوا الداعي و لا تردوا الهدية . (۳)

یعنی دعوت قبول کرو اور تحفہ واپس نہ کرو۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الهدية تذهب السمع و القلب و العداوة . (۴)

یعنی تحفہ کان ودل لے جاتا ہے، اور عداوت (دور) کر دیتا ہے۔

حضرت عطا خراسانی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

---

(۱) سنن ترمذی:۳۳۹/۴حدیث: ۱۹۵۵......مسند ابویعلی موصلی:۳۶۵/۲حدیث: ۱۱۲۲......مصنف عبد الرزاق:۴۲۵/۱۰حدیث:۱۹۵۸۱......مسندشہاب قضاعی:۲۳۹/۱حدیث:۳۷۷۔

(۲) سنن ابوداؤد:۵۲/۲حدیث:۱۶۷۴......صحیح ابن حبان:۱۹۹/۸حدیث: ۳۴۰۸......مسند طیالسی:۴۱۱/۳حدیث:۲۰۰۷......مستدرک حاکم:۴۱۱/۱حدیث:۱۵۰۲......مسندعبدبن حمید:۲۵۶/۱حدیث:۸۰۶۔

(۳) صحیح ابن حبان:۴۱۸/۱۲حدیث:۵۶۰۳......مسند بزار:۱۱۶/۵حدیث: ۱۶۹۷......مسند شاشی:۷۶/۲......مسنداسحٰق بن راہویہ:۱۶۳/۴حدیث:۱۳۱......شرح مشکل الآثار:۲۹/۸۔

(۴) سنن ترمذی:۴۴۱/۴حدیث: ۲۱۳۰......مسند طیالسی:۹۳/۴حدیث: ۲۴۵۳......مسند شہاب قضاعی: ۱۵۷/۱حدیث:۲۲۰......مسندفردوس دیلمی:۳۵۰/۴حدیث:۷۰۱۵۔

تصافحوا فإن التصافح يذهب الغل، و تهادوا تحابوا، فإن الهدية تذهب الشحناء . (۱)

یعنی ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے رہو؛ کیونکہ یہ کدورت کو دور کرتا ہے۔ یوں ہی آپس میں تحفے دیا کرو کہ محبت بڑھے گی، اور یہ بھی کینہ دور کرتا ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أشكر الناس للّٰه أشكرهم لعباده، فمن لم يشكر القليل لم يشكر الكثير . (۲)

یعنی لوگوں میں سے اللہ کا زیادہ شکر ادا کرنے والا وہ ہے جو اس کے بندوں کا زیادہ شکر ادا کرتا ہے، اور جو قلیل پر شکر ادا نہیں کرتا وہ کثیر پر بھی نہیں کرتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من أهدى إليه خيرا فليجز عليه، فإن عجز عن جزائه فليثن عليه ثناء حسنا فإن لم يثن عليه فقد كفر النعمة . (۳)

یعنی جو کوئی کسی کو اچھی چیز ہدیہ کرے تو چاہیے کہ اس کا بدلہ دیا جائے، اور اگر بدلہ نہ دیا جاسکے تو (کم از کم) اس کی اچھی تعریف کی جائے۔ اور اگر اس کی تعریف بھی نہ ہوسکی تو سمجھیں کہ اس نے کفرانِ نعمت کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من زاده اللّٰه نعمة فليشكر وإلا فليثن بها . (۴)

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۱/۲۷۱ حدیث: ۱۰۷۶۰...... کنز العمال: ۹/۱۳۴ حدیث: ۲۵۳۶۴۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۲/۱۴۱۰ حدیث: ۴۲۱۷...... سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۱۸۲ حدیث: ۱۲۳۹۱...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۱۴۲ حدیث: ۸۷۵...... مسند طیالسی: ۲/۲۷۷ حدیث: ۱۱۴۴۔

(۳) تہذیب الآثار مسند عمر بن خطاب: ۱/۶۸ حدیث: ۱۰۴...... جامع الاحادیث: ۴۱/۳۶۲ حدیث: ۴۵۲۲۴...... کنز العمال: ۶/۴۶۴ حدیث: ۱۶۵۶۳...... مسند جامع: ۹/۱۰۶ حدیث: ۲۷۷۱۔

(۴) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۶/۴۶۵ حدیث: ۱۶۵۶۸۔

یعنی اللہ اگر کسی کو کچھ نعمت دے تو چاہیے کہ اس کا شکر ادا کرے۔نہیں تو (کم از کم) اس کی تعریف کرے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :

من أهدي إليه هدية وعنده قوم فهم شركاؤه . (۱)

یعنی جس شخص کے پاس تحفہ آئے اور اس کے پاس دیگر لوگ بھی ہوں تو اس میں وہ سب شریک ہیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کلام کیا ہے۔بعض نے کہا کہ حدیث ان ہی معنوں پر محمول ہے کہ جس کے پاس کچھ تحفہ آئے تو اس کے ہم نشین بھی اس میں شریک ہیں۔

لیکن فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بطورِ استحباب کے ہے کہ اس شخص کا ان کو شریک کر لینا بطورِ مروّت اور شرم کے مستحب ہے؛ ورنہ اگر نہ کرے تو اس پر کوئی جبر نہیں۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ کوئی چیز ان کے پاس تحفہ آئی تو آپ کے بعض اصحاب نے یہ حدیث بیان کی۔آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث میووں اور اس کے مثل میں ہے، نہ کہ روٹی اور گیہوں وغیرہ میں۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ میں نے فقیہ ابو جعفر کو فرماتے سنا کہ آپ کے پاس کہیں سے تحفہ آیا تو آپ کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی، جس پر آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس کی خوشی میں شریک ہیں نہ کہ تحفے میں۔پھر آگے فرمایا کہ یہ حدیث دراصل اصحابِ صفہ اور خانقاہوں وغیرہ کے بارے میں وارد ہے کہ ان کے تحفے آپس میں تقسیم کر دیے جائیں؛ لیکن جب خاص کسی فقیہ کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اس میں اس کے شرکاے مجلس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا؛ ہاں! اگر وہ انھیں شریک کر لے تو یہ اس کی شانِ جود و سخاوت کہی جائے گی۔

---

(۱) اتحاف الخیرۃ المہرۃ:۳/۳۹۹ حدیث:۲۹۷۴......مسند عبد بن حمید:۱/۲۳۳ حدیث:۷۰۵......معجم اوسط طبرانی:۳/۵۳ حدیث:۲۴۵۰......جامع الاحادیث سیوطی:۲۰/۹۳ حدیث:۲۱۵۸۸۔

باب نمبر 137 : چھینک کا جواب

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ دو شخصوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھینک آئی تو آپ نے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ نے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ تو آپ نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی :

إن هذا حمد الله و هذا لم يحمد الله . (۱)

یعنی اس نے اللہ کی حمد کی اور اس (دوسرے) نے اللہ کی حمد نہ کی۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چھینکنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اپنی آواز کو پست رکھے، اور الحمد للہ کہتے وقت اونچی کرے؛ تاکہ سب لوگ سنیں کیونکہ چھینک کا جواب دینا واجب ہے جب کہ چھینکنے والا 'الحمد للہ' کہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو چھینکتے سنا تو فرمایا :

يرحمک الله إن کنت حمدت الله .

یعنی اللہ تجھ پر رحم فرمائے اگر تو نے الحمد للہ کہا ہے۔

حضرت عطا بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من عطس ثلث عطسات فقد استقر الايمان فی قلبه . (۲)

یعنی جس نے پے در پے تین بار چھینکا تو اس کے دل میں ایمان ٹھہر گیا۔

(۱) صحیح بخاری: ۴۹/۸ حدیث: ۶۲۲۱ ...... صحیح مسلم: ۲۲۹۲/۴ حدیث: ۲۹۹۰ ......سنن ابوداؤد: ۳۶۸/۴ حدیث: ۵۰۴۱ ......سنن ابن ماجہ: ۱۲۲۳/۲ حدیث: ۳۷۱۳ ......سنن دارمی: ۳۶۸/۲ حدیث: ۲۶۶۰۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی: ۳۰۲/۲۳ حدیث: ۲۶۰۹۰ ...... کنز العمال: ۱۶۵/۹ حدیث: ۲۵۵۴۹ ...... الاتحاف السنیۃ بالاحادیث القدسیۃ: ۴۱/۱ حدیث: ۷۹ ......مسند فردوس دیلمی: ۲۶/۴ حدیث: ۶۰۷۸۔

امام مالک حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن عمرو بن حزم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن عطس الرجل فشمته، ثم إن عطس فشمته، ثم إن عطس فقل له : إنک مضنوک . (۱)

یعنی اگر کوئی شخص چھینکے تو اس کو جواب دو، پھر اگر اس کو چھینک آئے تو پھر جواب دو۔ پھر اگر وہ چھینکے تو اس سے کہو کہ تم کو زکام ہو گیا ہے۔

راویِ حدیث حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ تیسری چھینک کے بعد یا چوتھی کے بعد ایسا کہنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چھینک کا جواب تین بار ہے، اور جب زیادہ ہو تو اس کو زکام ہے۔

حضرت شعبی نے کہا کہ چھینک کا جواب ایک بار ہے، جیسے سجدہ ایک بار کیا جاتا ہے؛ لیکن اگر دوبارہ آیا تو سجدہ نہ کیا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جس وقت چھینکتے تو سر جھکا کر اپنا چہرہ چھپا لیتے تھے، اور آواز پست کر لیتے تھے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی چھینکے اور کوئی دوسرا 'الحمد للہ' کہہ دے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من سبق العاطس بالحمد لله أمن من الشوص واللوص والعلوص . (۲)

(۱) موطا امام محمد:۳/۴۵۸ حدیث:۹۵۳ ...... جامع الاصول فی احادیث الرسول:۶/۶۲۱ حدیث:۴۸۸۳ ......موطا امام مالک:۵/۱۴۰۴ حدیث:۳۵۴۲ ...... جامع الاحادیث سیوطی:۴۱/۲۰۷ حدیث:۴۴۶۶۳۔

(۲) اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب:۱/۲۷۲ حدیث:۱۴۰۹۔

یعنی جس نے چھینکنے والے سے 'الحمد للہ' کہنے میں سبقت کی تو وہ شوص، لوص
اور علوص سے امن میں رہا۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ 'شوص' داڑھ یا پیٹھ کے درد کو کہتے ہیں، 'لوص' کان کے درد کو اور
'علوص' پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ (یعنی وہ ان تینوں دردوں سے محفوظ رہے گا)۔

باب نمبر 138 : خاطر و مدارات

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کے لیے مستحب ہے کہ لوگوں کے ساتھ
خوش اخلاقی سے پیش آئے اور حتی الوسع لڑائی جھگڑا سے دور رہے۔ ارشادِ رسالت مآب
علیہ السلام ہے :

**أول مـا نهـاني عنه ربي بعد عبادة الأوثان عن شرب الخمر
وملاحاة الرجال .** (۱)

یعنی سب سے پہلے مجھے میرے رب نے بتوں کی عبادت کے بعد جس کام
سے منع کیا وہ یہ ہیں کہ میں شراب اور دل لگی کی باتوں سے بچوں۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مـداراة الناس صـدقة . (۲)

یعنی لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا صدقہ ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ارشاد فرمایا :

(۱) مسند بزار: ۱۱۶/۲ حدیث: ۴۱۳۰...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۲/۱۴ حدیث: ۳۷۱۱۱...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۹۴/۱۰ حدیث: ۲۱۳۲۸...... معجم کبیر طبرانی: ۱۵۲/۸ حدیث: ۷۶۷۵۔

(۲) صحیح ابن حبان: ۲۱۶/۲ حدیث: ۴۷۱...... مسند شہاب قضاعی: ۸۸/۱ حدیث: ۹۱...... جامع الاحادیث سیوطی: ۴۰۵/۱۹ حدیث: ۲۱۰۷۱...... معجم اوسط طبرانی: ۱۴۶/۱ حدیث: ۴۶۳۔

رأس العقل بعد الإيمان باللّٰه تعالى مداراة الناس . (۱)

یعنی اللہ پر ایمان لانے کے بعد بڑی عقل مندی لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے۔

بعض حکما کا کہنا ہے کہ جس نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی وہ اپنی اولاد سے خوشی نہ دیکھے گا اور جس نے کاموں میں مشاورت نہ کی اس کی حاجت پوری نہ ہوگی اور جس نے گھر والوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ نہ کیا اس کے عیش کی لذت جاتی رہے گی۔

جس وقت آدمی اپنے گھر جائے تو مستحب یہ ہے کہ اہل خانہ کو سلام کرے، اور جب تک بیٹھ نہ جائے گفتگو نہ کرے، اور جب بات کرے تو آہستگی اور نرمی سے کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہدایت بنیاد ہے :

خيركم خيركم لأهله . (۲)

یعنی تم میں سے بہتر وہ ہے وہ جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے :

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ o (سورۂ نساء:۱۹/۴)

اوران سے (بیویوں کے ساتھ) اچھا برتاؤ کرو۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ جب تیری زوجہ تجھ پر غصے ہو اور تجھ پر اٹھے تو اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر مار اور یوں کہہ :

أخرج أيها الرجس الخبيث من جسد طيب .

یعنی اے پلید خبیث! پاک بدن سے نکل جا۔

---

(۱) سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۱۰۹حدیث: ۲۰۸۰۲...... معجم صغیر:۲/۲۱حدیث: ۷۰۵...... مسند بزار:۲/۳۹۱ حدیث:۷۸۵۱......مصنف ابن ابی شیبہ:۸/۳۶۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ:۱/۶۳۶حدیث:۱۹۷۷......سنن ترمذی:۵/۷۰۹حدیث:۳۸۹۵......سنن نسائی:۷/۲۹۱ حدیث:۴۶۱۹......سنن دارمی:۲/۲۱۲حدیث:۲۲۶۰......صحیح ابن حبان:۹/۴۸۴حدیث:۴۱۷۷۔

تو وہ اللہ کے حکم سے نکل جائے گا یعنی اس کا غصہ جاتا رہے گا۔

حضرت عمر بن میمون فرماتے ہیں کہ تین چیزیں کمر توڑنے والی ہیں، تین ایسے ہیں کہ اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی اور تین ہیں کہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

کمر توڑنے والی چیزوں میں سے ایک وہ دوست ہے جس پر تو نے احسان کیا؛ مگر اس نے تیرا شکریہ اَدا نہ کیا، اور اگر تجھ سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو معاف نہ کرے۔

دوسرے ہمسایہ کہ اگر کوئی نیکی دیکھے تو اس کو ظاہر نہ کرے، اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو نہ چھپائے۔

اور تیسرے تیری زوجہ ہے کہ اگر تو اس کے سامنے آئے تو اس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں، اور اگر تو اس سے غائب رہے تو اس کی طرف سے دل کو اطمینان نہ ہو۔

وہ تین جن کی دعا قبول نہ ہوگی، ان میں سے ایک آدمی وہ ہے کہ اپنے اقربا (رشتہ دار) کے لیے بددعا کرے۔ دوسرا وہ شخص کہ ایک مدت پر قرض دیا اور کوئی گواہ اس پر نہ ہو۔ اور تیسرا وہ شخص کہ اپنی اہلیہ کی نسبت کہے: یا اللہ! مجھے اس سے راحت دے۔ اس بندے سے اللہ فرماتا ہے :

بیدک أمرها فإن شئت فطلقها وإن شئت فأمسكها .

یعنی اس کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تو چاہے تو اس کو طلاق دے دے اور چاہے تو اپنے پاس رکھ۔

اور جو جنت میں نہ جائیں گے ان میں ماں باپ کا نافرمان، شراب پر مداومت کرنے والا اور احسان جتلانے والا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 139 : مثل اور محاورے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کلام فرمایا ہے وہ ایک ایسی مثال ہوگئی ہے کہ کسی نے آپ سے قبل بیان نہیں کی۔ اُن مثلوں میں معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل اقوالِ زرّیں بطورِ خاص پیش کیے جاسکتے ہیں :

لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين . (۱)

یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

(یعنی جب کسی کام میں نقصان پہنچتا ہے تو وہ دوبارہ وہ کام نہیں کرتا)۔

لا يجني على المرء إلا يده . (۲)

یعنی آدمی کو اس کا ہاتھ ہی گنہ گار کرتا ہے۔

الشديد من غلب نفسه والقوي من ملك غضبه وهو له. (۳)

یعنی شدید وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو، اور طاقت ور وہ ہے جس کا غصہ اس کے قابو میں ہو۔

غزوۂ حنین کے موقع پر فرمایا :

الآن حمي الوطيس . (۴)

یعنی اب وطیس گرم ہوگئے۔

(۱) صحیح بخاری:۳۱/۸حدیث: ۶۱۳۳ ...... صحیح مسلم:۲۲۹۵/۴...... سنن ابوداؤد:۴۷۱/۴حدیث: ۴۸۶۴ ......سنن دارمی:۴۱۱/۲حدیث:۲۷۸۱......مسند احمد بن حنبل:۴۹۷/۱۴حدیث:۸۹۲۸۔
(۲) جامع الاحادیث سیوطی:۲۵۵/۹حدیث:۸۳۶۳......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱۷۷/۱حدیث:۲۶۔
(۳) صحیح ابن حبان:۴۹۳/۲حدیث:۷۱۷......مسند اسحٰق بن راہویہ:۴۴۶/۱حدیث:۵۱۶۔
(۴) صحیح مسلم:۱۳۹۸/۳حدیث:۱۷۷۵......صحیح ابن حبان:۵۲۳/۱۵حدیث:۷۰۴۹۔

یعنی لڑائی سخت ہوئی، اور لڑائی کے ہونے کا غلبہ ہوا۔

ليس الخبر كالمعاينة . (۱)

یعنی سنا ہوا دیکھے ہوئے کے برابر نہیں۔

يرى الشاهد ما لا يرى الغائب . (۲)

یعنی حاضر جو دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا۔

ساقي القوم آخرهم شربا . (۳)

یعنی جو لوگوں کو پلاتا ہے وہ خود آخر میں پیے گا۔

لو بغى جبل على جبل لدكه الله . (۴)

یعنی اگر ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر بغاوت کرے، تو اللہ اس کو بھی ریزہ ریزہ کردے۔

الحرب خدعة . (۵)

یعنی لڑائی دھوکے کا نام ہے۔

ابدأ بنفسک ثم بمن تعول . (۶)

یعنی اپنی ذات سے آغاز کرو، پھر متعلقین کا خیال کرو۔

البلاء موكل بالمنطق . (۷)

---

(۱) صحیح ابن حبان:۹۶/۱۴ حدیث:۶۲۱۳ ......مستدرک حاکم:۳۲۲/۲ حدیث:۳۲۵۰۔

(۲) کشف الخفاء عجلونی:۲۹۴/۲ حدیث:۳۲۳۷۔

(۳) سنن ابوداؤد:۳۹۱/۳ حدیث:۳۷۲۷......سنن ابن ماجہ:۱۱۳۵/۲ حدیث:۳۴۳۴۔

(۴) جامع الاحادیث سیوطی:۱۱۱/۱۸ حدیث:۱۸۹۹۴......شعب الایمان بیہقی:۶۴/۹ حدیث:۶۲۶۶۔

(۵) صحیح بخاری:۶۴/۴ حدیث:۳۰۲۸......صحیح مسلم:۱۳۶۱/۳ حدیث:۱۷۳۹۔

(۶) صحیح ابن خزیمہ:۹۷/۴ حدیث:۲۴۳۹۔

(۷) مسند شہاب قضاعی:۱۶۱/۱ حدیث:۲۲۷......مسند فردوس دیلمی:۴۴/۴ حدیث:۶۱۳۸۔

یعنی بولنے سے ہی انسان بلا میں گرفتار ہوتا ہے۔

المسلم مرآة المسلم . (۱)

یعنی مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے۔

الناس كإبل مائة لا تكاد تجد فيها راحلة . (۲)

یعنی لوگ سو اونٹوں کی طرح ہیں کہ ان میں سواری کے لائق کوئی ہی ہوتا ہے۔

الناس كأسنان المشط . (۳)

یعنی لوگ کنگھی کے دندانے کی مانند ہوتے ہیں۔

الغنى غنى النفس . (۴)

یعنی تونگری (امیری) دل سے ہوتی ہے۔

ترک الشر صدقة . (۵)

یعنی برائی کو چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

سيد القوم خادمهم . (۶)

یعنی قوم کا سردار قوم کی خدمت کرنے والا ہوتا ہے۔

عدة المؤمن أخذه بالكف .

یعنی مومن کا وعدہ کرنا ہاتھ کا پکڑ لینا ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ:۳۸۵/۸حدیث:۲۶۰۴۴......اتحاف الخیرۃ المہرۃ:۱۶۰/۶حدیث:۵۵۷۰۔
(۲) صحیح مسلم:۱۹۷۳/۴حدیث:۲۵۴۶......سنن ابن ماجہ:۱۳۲۱/۲حدیث:۳۹۹۰۔
(۳) مسند شہاب قضاعی:۱۴۵/۱حدیث:۱۹۵......مسند فردوس دیلمی:۳۰۰/۴حدیث:۶۸۸۲۔
(۴) صحیح بخاری:۹۵/۸حدیث:۶۴۴۶......صحیح مسلم:۷۲۶/۲حدیث:۱۰۵۱۔
(۵) کشف الخفاء عجلونی:۳۰۳/۱حدیث:۹۶۶......معرفۃ التذکرۃ:۱۴۰/۱حدیث:۳۸۹۔
(۶) جامع الاحادیث سیوطی:۳۲۴/۱۳حدیث:۱۳۲۲۲......کنز العمال:۷۱۰/۶حدیث:۱۷۵۱۷۔

إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرًا . (۱)

یعنی بے شک بعض اشعار حکمت بھرے ہوتے ہیں، اور بعض بیان تو نرا جادو ہوتے ہیں۔

نية المؤمن خير من عمله . (۲)

یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

أرحم من في الأرض يرحمک من فی السمآء . (۳)

یعنی جو زمین میں ہے تو اس پر رحم کر، آسمانوں والا تجھ پر رحم کرے گا۔

استعينوا على قضاء الحوائج بالكتمان . (۴)

یعنی اپنی حاجتوں کو بر لانے میں خاموشی سے مدد حاصل کرو۔

المستشار مؤتمن فلا يخونن فلينصح . (۵)

یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے؛ لہٰذا وہ اس میں خیانت نہ کرے بلکہ خیر خواہی کرے۔

من لا يَرحم لا يُرحم . (۶)

یعنی جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

العائد فی هبته کالعائد فی قیئه . (۷)

یعنی ہبہ کی ہوئی چیز کا واپس لینا اپنی قے کو چاٹنے کے مترادف ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۱۲۳۵/۲ حدیث:۳۷۵۵......مسند فردوس دیلمی:۲۱۰/۱ حدیث:۸۰۳۔
(۲) مسند شہاب قضاعی:۱۱۹/۱ حدیث:۱۴۸......معجم کبیر طبرانی:۱۸۵/۶ حدیث:۵۹۵۲۔
(۳) مسند ابو یعلی موصلی:۴۷۴/۸ حدیث:۵۰۶۳......مسند طیالسی:۲۶۲/۱ حدیث:۳۳۳۔
(۴) معجم اوسط:۵۵/۳ حدیث:۲۴۵۵......جامع الاحادیث سیوطی:۳۴۰/۴ حدیث:۳۲۹۸۔
(۵) سنن ابن ماجہ:۱۲۳۳/۲ حدیث:۳۷۴۵......جامع ترمذی:۱۲۵/۵ حدیث:۲۸۲۲۔
(۶) سنن ابوداؤد:۵۲۴/۴ حدیث:۵۲۲۰......سنن کبریٰ بیہقی:۱۰۰/۷ حدیث:۱۳۹۶۰۔
(۷) سنن ابوداؤد:۳۱۵/۳ حدیث:۳۵۴۰......سنن ترمذی:۵۹۲/۳ حدیث:۱۲۹۸۔

الدال علی الخیر کفاعله . (۱)

یعنی نیکی کی طرف بلانے والا ایسا ہے جیسا خود نیکی کرنے والا۔

حبک الشیيء یعمي و یصم . (۲)

یعنی کسی شئے کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

کل معروف صدقة . (۳)

یعنی ہر اچھا کام صدقہ ہے۔

لا یؤوي الضالة إلا الضال. (۴)

یعنی گم شدہ چیز کھونے والے ہی کو ملے۔

مطل الغني ظلم . (۵)

یعنی قرض دار جب غنی ہو جائے تو قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

السفر قطعة من العذاب . (۶)

یعنی سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

المؤمنون عند شروطهم . (۷)

یعنی مومن اپنی شرائط کے پاس ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی:۵/۴۱ حدیث:۲۶۷۰......مسند ابو عوانہ:۴/۴۷۸ حدیث:۴۰۰۷۔
(۲) سنن ابوداؤد:۴/۴۹۶ حدیث:۵۱۳۲......مسند احمد بن حنبل:۳۶/۲۴ حدیث:۲۱۶۹۴۔
(۳) صحیح بخاری:۸/۱۱ حدیث:۶۰۲۱......صحیح ابن خزیمہ:۴/۶۱ حدیث:۲۳۵۴۔
(۴) جامع الاحادیث سیوطی:۳۱/۴۴۹ حدیث:۳۴۵۴۹۔
(۵) صحیح بخاری:۳/۹۴ حدیث:۸۷۲۲......صحیح مسلم:۳/۱۱۹۷ حدیث:۱۵۶۴۔
(۶) صحیح بخاری:۳/۸ حدیث:۱۸۰۴......صحیح مسلم:۳/۱۵۲۶ حدیث:۱۹۲۷۔
(۷) صحیح بخاری:۳/۹۲ حدیث:۲۲۷۴......سنن دار قطنی:۳/۲۷ حدیث:۹۸۔

الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خیارھم في الجاھلیة خیارھم في الإسلام إذا تفقھوا . (۱)

یعنی لوگ ایسے ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کان۔ایامِ جاہلیت کا سردار اسلام میں بھی سردار رہے گا اگر وہ علم وفقہ سے آراستہ ہو۔

الظلم ظلمات یوم القیمة . (۲)

یعنی ظلم قیامت کے دن اندھیرا ہوگا۔

جبلت القلوب علی حب من أحسن إلیھا وعلیٰ بغض من أساء إلیھا . (۳)

یعنی دلوں کی فطرت یہ ہے کہ جو اس کی طرف احسان کرے گا یہ اس سے محبت رکھے گا اور جو برائی کرے گا اس سے دشمنی رکھے گا۔

لا یشکر اللّٰہ من لا یشکر الناس . (۴)

یعنی وہ اللہ کا شکرادانہیں کرتا جو لوگوں کا شکرادانہیں کرتا۔

عدل الملوک أبقی للملک . (۵)

یعنی بادشاہوں کا عدل ملک کو قائم رکھتا ہے۔

یعنی عادل بادشاہ اگر کافر بھی ہو تو اس کا ملک باقی رہتا ہے اور جاہل بادشاہ اگر مسلمان بھی ہو تو اس کا ملک قائم نہیں رہتا۔

یہ سب اقوال معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرہانہاے عظمت نشان تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۴/۱۷۸حدیث:۳۴۹۳......صحیح مسلم:۴/۱۹۵۸حدیث:۲۵۲۶۔
(۲) صحیح بخاری:۳/۱۲۹حدیث:۲۴۴۷......صحیح مسلم:۴/۱۹۹۶حدیث:۲۵۷۹۔
(۳) جامع الاحادیث سیوطی:۱۲/۳۳حدیث:۱۱۳۶۶......مسند شہاب قضاعی:۱/۳۵۰حدیث:۵۹۹۔
(۴) سنن ابوداؤد:۴/۴۰۳حدیث:۴۸۱۳......مسند طیالسی:۴/۲۳۲حدیث:۲۶۱۳۔
(۵) جامع الاحادیث سیوطی:۱۴/۲۱۴حدیث:۱۴۱۴۲......الجامع الصغیر:۲/۹۳حدیث:۵۴۳۹۔

ذیل میں حضرت منصور بن عمار کے حکمت آگیں اقوال ملاحظہ فرمائیں :

من أبصر عيب نفسه اشتغل من عيب غيره .

یعنی جو اپنے عیب دیکھنے میں مشغول ہوگا، وہ دوسروں کے عیبوں سے بے خبر رہے گا۔

من تعرى من لباس التقوى لم يستر بشيىء .

یعنی جو شخص تقوی کے لباس سے ننگا ہے وہ کسی چیز سے ڈھانپا نہیں جا سکتا۔

من رضى برزق الله لا يحزن على ما فى يد غيره .

یعنی جو شخص اللہ کے دیے ہوئے رزق پر راضی رہے گا اسے کسی دوسرے ہاتھ میں کچھ دیکھنے سے رنج نہ ہوگا۔

من سل سيف البغي لغيره قتل به .

یعنی جو کسی پر ظلم کی تلوار کھینچے گا آپ اسی سے قتل ہوگا۔

من حفر بئرا لأخيه وقع فيه .

یعنی جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودے گا خود اسی میں گرے گا۔

من هتک حجاب غيره انكشف عورته .

یعنی جو کسی کی پردہ داری کرے گا اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔

من نسي زلة نفسه استعظم زلة غيره .

یعنی جو اپنی خطا کو بھول جائے گا وہ دوسروں کی خطا کو بڑا سمجھے گا۔

من كابد الأمور عطب .

یعنی جو کاموں کو بھاری سمجھے گا، ہلاک ہوگا۔

من استغنى بعقل نفسه زل .

یعنی جو اپنی عقل پر بے پروا رہے گا، خطا کھائے گا۔

من تكبر في الناس ذل .

یعنی جولوگوں سے تکبر کرے گا وہ ذلیل ہوگا۔

من تعمق في العمل مل .

یعنی جو اعمال میں حد سے زیادہ مشقت کرے گا وہ تھک جائے گا۔

من فخر على الناس قصم، ومن سفه عليهم شتم .

یعنی جولوگوں پر فخر کرے گا وہ رسوا ہوگا اور جو ان کے ساتھ نادانی کا برتاؤ کرے گا، گالی دیا جائے گا۔

من صاحب الأراذل حقر، ومن جالس العلماء وقر،

یعنی جو کمینوں کے پاس بیٹھے گا بے وقعت ہوگا، اور جو علما کے پاس بیٹھے گا، وقار پائے گا۔

من دخل مدخل السوء اتهم، ومن تهاون بالدين ارتطم .

یعنی جو کسی بری جگہ جائے گا اس پر تہمت لگے گی۔اور جو دین میں سستی اختیار کرے گا مصیبت میں پڑے گا۔

من اغتنم أموال الناس افتقر، ومن انتظر العاقبة اصطبر .

یعنی جولوگوں کا مال لوٹے گا محتاج ہو جائے گا۔اور جو نیک انجام کے انتظار میں ہے، وہ صبر کرے گا۔

من جهل موضع قدمه مشى فی ندامة .

یعنی جو جہالت میں بے موقع قدم رکھے گا ندامت میں پڑے گا۔

من خشى الله فاز .

یعنی جو اللہ سے ڈرا، وہ مراد کو پہنچا۔

من لم يجرب الأمور خدع، ومن صارع اهل الحق صرع .

یعنی جو تجربہ کار نہ ہوگا دھوکہ کھائے گا۔اور جس نے اہل حق کو گرایا وہ گرایا جائے گا۔

من احتمل ما لا يطيقه عجز .

یعنی جو شخص اپنی طاقت سے زیادہ اٹھائے گا، عاجز ہوگا۔

من عرف أجله قصر أمله .

یعنی جس نے اپنی موت کو پہچان لیا وہ اُمید کو کم کردے گا۔

من استعان بالجهل ترک طريق العدل .

یعنی جو جہالت کے ساتھ استعانت کرے تو اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم .

یعنی نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی توفیق بزرگ و برتر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

یہ بھی منقول ہے :

جزية المسلم كراء بيته، وفک رقبته وفاء دينه، وذل رقبته دينه، وعذابه سوء خلق امرأته .

یعنی مسلمان کا جزیہ اس کے گھر کا کرایہ ہے۔گردن کا آزاد کرنا دین داری ہے۔گردن کا جھکنا، اس کا قرض ہے۔ اور اس کا عذاب اس کی زوجہ کی بداخلاقی ہے۔

بعض داناؤں کا کہنا ہے :

لقاء الإخوان تلقيح العقول .

یعنی بھائیوں سے ملاقات کرنا عقل کو پیوند کرتا ہے۔

حضرت ابوموسی اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مثل المؤمن الذي يقرء القراٰن كمثل الأترج ريحها طيب و طعمها طيب، ومثل المؤمن الذي لا يقرأ القراٰن كمثل التمرة طعمها طيب ولا ريح لها، ومثل الفاجر الذي يقرأ القراٰن كمثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر، ومثل الفاجر الذي لا يقرء القراٰن مثل الحنظلة طعمها مر ولا ريح لها .

یعنی قرآن کی تلاوت کرنے والے مومن کی مثال ایسے ہے جیسے اترجہ کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے۔ اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال ایسے ہے جیسے چھوہارا کہ اس کا مزہ اچھا ہے؛ مگر اس میں خوشبو نہیں۔ اور اگر کوئی بدکار قرآن پڑھتا ہے تو اس کی مثال نازبو کی سی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی ہے؛ لیکن مزہ کڑوا ہے۔ اور جو فاجر کہ قرآن نہیں پڑھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے پھل پھیندوا کہ اس میں نہ کوئی مزہ ہے اور نہ ہی خوشبو۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اترجہ سے مراد اہل حجاز کا اترجہ ہے؛ کیونکہ اس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اور اس کا مزہ میٹھا ہوتا ہے، اور ہمارے ملک (سمرقند، ترکی) کے اترجہ کا مزہ اچھا نہیں ہوتا، اگر چہ اس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 140 : تعمیرات کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علما کے نزدیک مکان بنانے میں مال خرچ کرنا مکروہ ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا أراد اللّٰه بعبد شرًا أهلک ماله فی اللبن والطين . (۱)

(۱) معجم اوسط:۹/۱۴۵حدیث:۹۳۶۹......جامع الاحادیث سیوطی:۲/۲۶۹حدیث:۱۲۶۹۔

یعنی جب اللہ کسی کے لیے برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے مال کو مٹی اور اینٹوں میں تلف کر دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

من بنی فوق ما یکفیه جاء یوم القیامة حاملا علی عنقه .(۲)

یعنی جو کوئی اپنی حاجت سے زیادہ مکان بنائے گا، قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔

حضرت حسن بصری کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میں نے ایک مکان بنایا ہے، آپ تشریف لے چلیے اور میرے لیے برکت کی دعا فرما دیجیے۔

تو حضرت حسن بصری اپنے اصحاب سمیت اٹھے اور مکان کو دیکھ کر فرمایا کہ تو نے اپنے نفس کا گھر اُجاڑ دیا، دوسروں کا گھر آباد کیا، زمین والوں نے تیری عزت کی اور آسمان والے تجھ سے ناراض ہوئے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں کچھ حرج نہیں؛ اس لیے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے :

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ o (سورۂ اعراف:۷/۷۴)

نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو۔

تو اللہ نے خبر دی ہے کہ محل و مکان اللہ کی نعمتیں ہیں اور ایک جگہ پر اللہ نے فرمایا :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ o (سورۂ اعراف:۷/۳۲)

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی۔

(۲) جامع الاحادیث سیوطی:۲۰/۱۲۱حدیث:۲۱۶۷۲......معجم کبیر طبرانی:۱۰/۱۵۱حدیث:۱۰۳۰۹۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیٹے نے گھر بنایا اور اس میں بہت سا مال خرچ کیا۔ جب اس کا ذکر محمد بن سیرین سے کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک کچھ حرج نہیں اگر آدمی مکانات کے بنانے میں مال خرچ کرے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا :

إذا أنعم اللّٰه تعالى على عبده نعمة أحب أن يرى عليه أثر النعمة . (١)

یعنی جب اللہ کسی بندہ پر کوئی انعام فرماتا ہے تو پسند کرتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔

نعمت کے اثر میں اچھا مکان بنانا اور اچھا لباس شامل ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اگر کوئی خوبصورت باندی بہت مال کے عوض خریدے تو جائز ہے، اور اس کو کوئی برا نہیں کہتا، خواہ اس کو اس کی حاجت نہ ہو، بس ایسے ہی مکان ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ اپنا مال آخرت کے کاموں میں خرچ کرے، اور اگر اس کو دنیا کے کاموں میں صرف کرے تو مکان یا اچھے لباس بنائے تو یہ حرام نہیں جبکہ تین چیزوں سے بچا رہے۔

ایک یہ کہ مالِ حرام یا مالِ مشتبہ سے نہ ہو۔ دوسرے کسی مسلمان یا معاہد پر ظلم نہ کرے۔ تیسرے اللہ کے فرائض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) کنز العمال:٦/٦٤١ حدیث:١٧١٧٦......جامع صغیر:١/١٣٧ حدیث:١٦٦٨۔

باب نمبر 141 : کافروں سے معاملات

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں کچھ حرج نہیں کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی ضروری معاملہ رہا کرے۔ نیز اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، اور ہو سکے تو کلمہ توحید اس کو سکھا دے۔

روایتوں سے ثابت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت کے وقت اس پر اسلام پیش کیا، اور وہ اسلام لایا پھر مر گیا۔ جب آپ وہاں سے نکلے تو فرمایا :

الحمد للّٰه الذي أعتق بی نسمة من النار . (۱)

یعنی اللہ کا شکر ہے کہ میری وجہ سے ایک شخص آگ سے آزاد ہو گیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عیسائی کے پاس عیادت کے لیے پہنچے اس حال میں کہ وہ بستر موت پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا :

تب إلى اللّٰه تعالیٰ .

یعنی اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔

تو وہ زبان سے تو کچھ نہ کہہ سکا؛ تاہم اپنی آنکھوں سے اشارہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! آپ کی مسکراہٹ کا سبب کیا ہے؟۔ فرمایا :

لما أومأ بعينيه قال اللّٰه تعالیٰ: يا ملائكتي أشهدكم أني قبلته لما أومأ إلي ولا أضيع إيمانه .

---

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۲/۲۳۸ حدیث: ۹۷۳۔

یعنی جب اس شخص نے آنکھوں سے اشارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'اے میرے فرشتو! گواہ رہنا اس کے اشارے کو میں نے قبول کرلیا ہے اور اس کا ایمان ضائع نہ ہوگا'۔

اس میں بھی کچھ حرج نہیں کہ اگر مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی قرابت ہو اور اس کو کچھ روپیہ تحفہ دے۔ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خالہ حارثہ کو مکہ میں تحفہ بھیجا حالانکہ وہ کافرہ تھیں۔

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ نے اپنے تہائی مال کی وصیت اپنے یہودی بھائی کو کردی۔

حضرت میمون بن مہران نے فرمایا کہ میں بعض آدمیوں کو اپنے اور اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں، اور بعض آدمیوں کو اپنے اور اللہ کے لیے دشمن جانتا ہوں، اور بعض آدمیوں کو اللہ کے لیے دشمن اور اپنے لیے دوست، اور بعض آدمیوں کو اللہ کے لیے دوست اور اپنے لیے دشمن جانتا ہوں۔

جس کو میں اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں اور اپنے لیے دشمن تو وہ مومن ہے کہ مجھ کو تکلیف دیتا ہے۔ اور جس کو اپنے اور اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں تو وہ مومن ہے کہ مجھ کو نفع پہنچاتا ہے۔ اور جس کو میں اپنے اور اللہ کے لیے دشمن رکھتا ہوں تو وہ کافر ہے کہ مجھ کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اور جس کو میں اللہ کے لیے دشمن اور اپنے لیے دوست رکھتا ہوں تو وہ کافر ہے کہ مجھ کو نفع دیتا ہے۔

یعنی اس کے کفر کے سبب میں دشمن رکھتا ہوں اور بسبب نفع کے اس کو دوست رکھتا ہوں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 142 : سرِ صبح کھانا کھانے کا بیان

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا :

في مباكرة الغداء ثلاث خصال: يطيب النكهة، ويطفئ المرة، ويزيد في المروءة .

یعنی صبح سویرے کھانے میں تین فائدے ہیں: ایک منہ اچھا رہتا ہے، دوسرے صفرا یعنی پیاس بجھاتا ہے اور تیسرا مروت بڑھتی ہے۔

لوگوں نے عرض کی کہ مروت کیونکر بڑھتی ہے؟، تو فرمایا: جب تو نے اپنے گھر میں کھانا کھالیا تو دوسروں کے کھانے کی طرف دل نہ للچائے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ صبح سویرے کھانا کھارہے تھے، چنانچہ آپ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ میں کھاچکا ہوں، تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ تو کھانے کا بڑا حریص لگتا ہے، تو نے تو اس کو وقت سے پہلے ہی کھالیا۔

اس نے عرض کی، نہیں۔ میں نے یہ کام چار خصلتوں کی وجہ سے کیا ہے: پہلی منہ میں خوشبو رہنا۔ دوسرے اگر مجھے پیاس لگی تو پانی پیوں گا۔ تیسرے جب مجھے کوئی کام ہوگا اور اس میں ٹھہروں گا تو دل فارغ رہے گا۔ اور چوتھا یہ کہ جب میں کھانا دیکھوں گا تو اس کو بے غرضی سے دیکھوں گا۔

کہتے ہیں کہ ندامت چار ہیں: دن بھر کی ندامت۔ سال بھر کی ندامت۔ عمر بھر کی ندامت۔ اور ہمیشہ کی ندامت۔

دن بھر کی ندامت یہ ہے کہ آدمی گھر سے بغیر کھانا کھائے نکلے، پھر اگر اس کو کوئی معاملہ پیش آئے اور لوٹتے ہوئے گھر نہ پہنچ سکے تو دن بھر شرمندہ رہے گا۔ سال بھر کی

ندامت یہ ہے کہ کسان جب کھیتی چھوڑ دیتا ہے تو سال بھر شرمندہ رہتا ہے۔ عمر بھر کی ندامت یہ ہے کہ غیر موافق عورت سے نکاح کرے تو عمر بھر شرمندہ رہے گا۔ اور ہمیشہ کی ندامت یہ ہے کہ جو اللہ کے حکم کو نہ مانے گا اور اس کی نافرمانی کرے گا تو آخرت میں ابدالآباد تک شرمندہ رہے گا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص دائمی بقا چاہتا ہے تو صبح سویرے کھانا کھایا کرے، چادر چھوٹی بنائے، ہمیشہ جوتیاں پہنے اور عورت کے پاس کم جائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ چادر کے چھوٹی ہونے سے کیا مراد ہے؟۔ فرمایا: کم قرض لینا۔

باب نمبر 143 : داناؤں کی باتیں

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت یزید قاشی فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں پانچ طرح کے لوگوں کو زیب نہیں دیتیں: امیروں کو جھوٹ بولنا۔ زاہدوں کا حرص کرنا۔ ذی نسب آدمی کا نادانی کرنا۔ مالداروں کا بخیل ہونا، اور فقیروں کا سوال میں زیادتی کرنا۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یوں تو یہ چیزیں کسی کو زیب نہیں دیتیں؛ لیکن مذکورہ لوگوں سے بہت ہی بری ہیں۔

منقول ہے کہ دس آدمیوں میں دس چیزیں بری معلوم ہوتی ہیں: بادشاہ میں تیزی۔ امیروں میں بخل۔ علما میں طمع۔ فقیروں میں حرص۔ صاحب حسب میں بے حیائی۔ دنیاداروں کے دروازوں پر زاہدوں کا آنا۔ بوڑھوں کا جوان بننا۔ عابدوں میں جہالت۔ غازیوں میں نامردی۔ مردوں میں عورتوں کی صورت بنانا اور عورتوں کا مردوں کی صورت بنانا۔

بعض داناؤں کا کہنا ہے :

التفكر نور، والغفلة ظلمة، والجهالة ضلالة وأنقص الناس عقلا من ظلم من دونه .

یعنی فکر نور ہے، غفلت تاریکی ہے، جہالت گمراہی ہے، اور کمترین عقل والا وہ ہے کہ اپنے سے چھوٹے پر ظلم کرے۔

حضرت ابراہیم بن زیاد عدوی فرماتے ہیں کہ تین چیزیں دل کو خوش کرتی ہیں اور عقل کو بڑھاتی ہیں :

الزوجة الجميلة، والكفاف من الرزق، والأخ المؤنس .

یعنی خوبصورت بیوی، رزق کی فراغت اور غم خوار بھائی۔

بعض حکما کا کہنا ہے :

وجدت العلم في الطلب، والحكمة في البطن الجائع، ونور الإسلام في صلوٰة الليل، وهيبة الخلق في هيبة الخالق .

یعنی میں نے علم کو طلب کرنے میں، حکمت کو خالی پیٹ میں، نورِ اسلام کو رات کی نماز میں، اور مخلوق کی ہیبت خالق سے ڈرنے میں پایا۔

حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے چھ باتیں ایسی فرمائی ہیں کہ نہ زمانۂ جاہلیت میں کسی نے کہیں نہ ہی اسلام میں کسی نے ایسی باتیں کرنے کی توفیق ملی، فرمایا :

أولها: من لانت كلمته وجبت محبته .

پہلی: جس کا کلام نرم ہوگا اس کی محبت ضرور ہوگی۔

والثانية: ما هلک امرؤ عرف قدره .

دوسری: وہ آدمی کبھی ہلاک نہ ہوگا جس نے اپنی قدر پہچانی۔

والثالثة: إن لكل شيىء قيمة وقيمة المرء ما يحسنه .

تیسری: ہر چیز کی قیمت ہے اور آدمی کی قیمت اس کی نیکی ہے۔

والرابعة: سل من شئت فأنت أسيره .

چوتھی: جس سے تو سوال کرے گا تو اس کا قیدی ہو جائے گا۔

والخامسة: أعط من شئت فأنت أميره .

پانچویں: جس کو تو کچھ عطا کرے گا تو اس کا سردار ہو جائے گا۔

والسادسة: استغن عمن شئت فأنت نظيره .

چھٹی: جس سے تو بے پروائی کرے گا تو اس جیسا ہی ہو جائے گا۔

بعض کتابوں میں لکھا ملتا ہے کہ اس شخص کا ضامن بننا برا ہے جس میں چھ باتیں ہوں: ناشکری، گھاٹا، تاوان، قطع دوستی، ملامت اور ندامت۔ جسے ان باتوں پر یقین نہ آئے وہ تجربہ کر کے دیکھ لے اگر اس کی سلامتی خطرے میں نہ پڑ گئی تو کہے گا۔

منقول ہے کہ شاہِ روم کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے :

إن في الكفالة ثلاث خصال: أولها ندامة، وأوسطها ملامة، وآخرها غرامة .

یعنی ضامن ہونے میں اول ندامت ہے، درمیان میں ملامت ہے اور آخر میں تاوان ہے۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت اور انجیل اور زبور فا ور فرقان سب دیکھیں تو میں نے ہر ایک سے ایک بات لے لی اور ایک ورق میں لکھ کر اپنے گلے میں لٹکا لی اور ہر روز ایک بار اس کو دیکھتا ہوں۔ توریت میں سے میں نے یہ لکھا ہے کہ بادشاہ پر مطمئن نہ رہ اگرچہ تیرا باپ ہی کیوں نہ ہو تو وہ جلا دینے والی آگ ہے اور زبور میں سے یہ لکھا ہے کہ عورت پر مطمئن نہ رہ اگرچہ تیرے پاس بہت دنوں سے ہو اور انجیل میں سے یہ لکھا کہ تندرست پر ہرگز مطمئن نہ ہو اور بیمار سے ناامید مت ہو کہ بے شک

اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے اور قرآن مجید میں سے یہ لکھا ہے کہ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے۔

منقول ہے کہ چار چیزوں میں آدمی اگر زیادتی کرے گا تو اس کو ہلاک اور ذلیل کر دیں گی: پہلی عورت، دوسری شکار، تیسری جوا، اور چوتھی شراب۔

بعض داناؤں کا قول ہے کہ جو گمراہ کی صحبت میں بیٹھے گا اس کا دین خطرے میں ہے، جو فاسق کی تعریف کرے گا اس کے چہرے کی رونق جاتی رہے گی، جو کوئی کسی غیر کے مال پر نگاہ کرے گا تو اس کے مال کی برکت چھن جائے گی اور جو کوئی مال دار کے سامنے جھکے گا اس کا دو حصہ دین جاتا رہے گا۔

کسی دانائے راز نے کیا خوب کہا ہے کہ جو شخص تین چیزوں کو برتے گا تو اس کا دین سلامت رہے گا: جو دیے ہوئے پر قناعت کرے۔ جو نہ ملے اس سے بے پروا رہے۔ جس نے علم پر عمل کیا تو اس علم پر واقفیت نصیب ہو جائے گی جو وہ نہیں جانتا۔ جو بے فائدہ بات ترک کر دے گا تو بے فائدہ کاموں سے فراغت حاصل کرے گا اور جس نے مستقبل پر نظر رکھی اس کو وسوسہ نہ ہو گا۔

بعض داناؤں کا کہنا ہے کہ خوش طبعی سے بچو اس لیے کہ اس میں سات بری خصلتیں ہیں: اول: پرہیزگاری کا جاتے رہنا، دوم رعب و دبدبہ کا ختم ہو جانا، سوم دل کا سخت ہو جانا، چہارم ہم مجلس کی خیانت، پنجم دوستی کا ختم ہونا اور دشمنی کو فروغ دینا، ششم عقل مندوں کا اسے برا جاننا اور نادانوں کا ہنسی اُڑانا، ہفتم اس کی پیروی کرنے والا کا گناہ میں ملوث ہونا۔

کہا جاتا ہے کہ بہت زیادہ ضائع ہونے والی چیزیں دس ہیں: جس عالم سے کوئی سوال نہ کرے، جس علم پر عمل نہ ہو، اچھی رائے کہ قبول نہ کی جائے، ہتھیار گھر میں پڑے رہیں اور استعمال نہ ہوں، ایسی قوم میں مسجد جہاں لوگ نمازیں نہ پڑھتے ہوں، قرآن گھر

میں رکھا ہو اور پڑھا نہ جائے، ہاتھ میں مال ہو اور خرچ نہ کیا جائے، ایسے کے ہاتھ میں گھوڑا جس پر وہ سواری نہ کرتا ہو، زہد کا علم ایسے شخص کے پاس جو دنیا کا طالب ہو، اور عمر تو دراز ہو مگر توشہ آخرت تیار نہ ہو سکے۔

ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا اے ابن عباس! جوہر عقل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو کوئی اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے، اپنے سے کمتر کی تواضع کرے اور بات سوچ سمجھ کر کرے۔

اس شخص نے استفسار کیا کہ کمالِ نادانی کیا ہے؟ فرمایا: آدمی کی خود بینی، بے فائدہ باتیں کرتے رہنا اور لوگوں کے عیب نکالنا کہ اس چیز میں خود بھی مبتلا ہو۔

پھر اس شخص نے سوال کیا کہ آدمی کی زینت کیا ہے؟ فرمایا: قوت کے باوجود بردباری کرنا، ثواب پر نگاہ رکھے بغیر سخاوت کرنا اور دنیا کی طلب رکھے بغیر عبادت میں محنت کرنا۔

بعض داناؤں سے پوچھا گیا کہ عقل مند کون ہے؟ جواب دیا: جس نے تین کاموں میں تین چیزوں کو اختیار کیا تو وہ عقل مند ہے: جس نے اللہ کی اطاعت میں صدق اور اخلاص اختیار کیا، جس نے مخلوق کے ساتھ معاملات میں نیکی اور مروت اختیار کی، اور نفس کے ساتھ سختی و ابتلا میں صبر اور قناعت کو اختیار کیا۔

بعض داناؤں نے کہا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہیں: بہت بخشش کرنے والا، بخیل، فضول خرچ اور اندازہ سے عطا کرنے والا۔

بہت بخشش کرنے والا وہ ہے کہ اپنا دنیا کا حصہ آخرت کے لیے کر دے۔

فضول خرچ وہ ہے کہ اپنا آخرت کا حصہ دنیا کے لیے کر لے، بخیل وہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں بے بہرہ رہے کسی کو اس کا حصہ نہ دے، اور درمیانہ وہ کہ دنیا اور آخرت میں بہرہ ور رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریوں کے گروہ! دنیا کو کمینہ سمجھ کر دین کے ساتھ راضی رہو جیسے دنیادار دین کو کمینہ سمجھ کر دنیا کے ساتھ راضی ہوئے۔

باب نمبر 144 : کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں رخصت دیتے ہیں، جب کہ بعض نے مکروہ کہا ہے- اگر کوئی عذر نہ ہو- اور یہی ہمارا موقف ہے۔

مباح کہنے والوں نے یہ روایت لی ہے کہ حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور پیشانی کے بالوں پر مسح کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

جو لوگ اس کو مکروہ کہتے ہیں وہ اس روایت کی طرف گئے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :

ما بال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم قائما منذ نزل علیہ القرآن فمن أخبرک أن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بال قائما فکذبہ .

یعنی جب سے قرآن نازل ہوا حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پیشاب نہ فرمایا۔ اور اگر آپ کو کوئی خبر دے کہ حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو آپ اس کو جھٹلا دیں۔

حضرت نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا :

ما بلت قائما منذ أسلمت .

یعنی جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ شہریارِ ارم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أربعة من الجفاء: أن يبول الرجل و هو قائم، وأن يمسح جبهته قبل أن يفرغ من صلوته، وأن يسمع النداء ولا يشهد مثل ما شهد، وأن أذكر عنده فلم يصل علي . (۱)

یعنی چار خصلتیں ظلم کی علامت ہیں۔۱: آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔ ۲: اپنی پیشانی کو نماز سے فارغ ہونے سے قبل پونچھ لے۔۳: اذان سنے اور اس کا جواب نہ دے۔۴: جب اس کے پاس میرا ذکر ہو تو میرے اوپر درود نہ پڑھے۔

رہی بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی، تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایسا کسی عذر کی وجہ سے کیا ہو، یا وہ محل نجاست تھا، یا اس کے سوا کوئی اور وجہ رہی ہو۔تو جب اس میں یہ سب احتمالات ہیں تو احادیثِ مشہورہ کا اختیار کرنا ہی اولی ہے۔

باب نمبر 145 : حیوانات کو خصی کرنے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے ہر ایک حیوان کا خصی کرنا مکروہ لکھا ہے، اور اس روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۶۰ حدیث: ۷۴۷۴۔

لا خصاء في الإسلام و لا كنيسة سوى ما كان في القديم.(۱)

یعنی اسلام میں خصی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اسلام میں کوئی کنیسہ ہے (یعنی دارالاسلام میں گرجا نہ بنایا جائے) مگر جو پہلے بن چکے ہوں۔

اللہ نے شیطان کے قول کی حکایت کی ہے :

و لآمرنَّهُم فليغيِرن خلق اللّٰهِ .(سورۂ نساء:)

اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے۔

یعنی وہ خصی کریں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ، بیل، بکری اور گھوڑے کو خصی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے :

منها نشأة الخلق فلا تصلح الإناث إلا بالذكور.

یعنی مخلوق کی نسل اسی سے ہے؛ کیونکہ مادہ اور نر کے بغیر نسل کی درستی نہیں ہوسکتی۔

یعنی اللہ نے نر اور مادہ کو نسل بڑھانے کے لیے پیدا کیا ہے جبکہ خصی کرنے میں نسل قطع ہوتی ہے، اور نسل کشی جائز نہیں۔

مگر بعض کہتے ہیں کہ جانوروں کا خصی کرنا جائز ہے سوائے گھوڑے کے۔ اور دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے گھوڑے کو خصی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ سب جانوروں کو-سوائے آدمی کے-خصی کرنا جائز ہے، اور ہم

---

(۱) نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۴۵۳/۳۔

اسی قول کو لیتے ہیں؛ کیونکہ اس میں نہ صرف لوگوں کی منفعت ہے، بلکہ آدمیوں کو اس کی حاجت بھی ہے، جیسے کہ حیوانوں کا گوشت کے لیے ذبح کرنا جائز ہوا، اسی طرح ضرورت کے تحت ان کو خصی کرنا بھی جائز ہے جبکہ اس میں لوگوں کی منفعت ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے آتا ہے کہ آپ نے دو خصی کیے ہوئے مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔ تو اگر اس خصی کرنے میں منفعت نہ ہوتی جو اس کے غیر میں نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے لیے خصی مینڈھا ہی کیوں اختیار فرماتے؛ تو آپ کا خصی کو اختیار فرمانا اس لیے تھا کہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور اس میں چربی زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خصی کرنا سب حیوانوں کا جائز ہے۔

رہی بات اس حدیث 'لا خصاء فی الاسلام' (یعنی اسلام میں خصی کرنا نہیں ہے)، تو اس سے مراد اکثر اہل علم کے نزدیک آدمی کا خصی کرنا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو خصی کر ڈالے۔ تو یہ روایت دراصل اسی پر محمول ہے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے خصی ہونے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا، تو انھوں نے رجوع کیا؛ لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ آدمی کا خصی کرنا کیوں جائز نہیں، حالانکہ اس میں بھی تو منفعت ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ اس میں کوئی منفعت نہیں؛ کیونکہ خصی مرد کو عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں جیسا کہ نر کو دیکھنا جائز نہیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہا سے روایت ہے :

لا يجوز نظر الخصي إلى النساء كما لا يجوز الفحل .

یعنی خصی کو عورتوں کی طرف نظر کرنا جائز نہیں جیسا کہ نر کو جائز نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے چوپایوں کے نشان کرنے کو مکروہ جانا ہے؛ کیونکہ اس میں چوپایوں کو بے فائدہ تکلیف ہوتی ہے؛ مگر بعض کہتے ہیں کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں اگر فائدہ

حاصل کرنے کے پیش نظر ہو؛ اس لیے کہ اس میں ایک نشان ہے (پہچاننے کے لیے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ اونٹ کی کمر کے بال داہنی طرف سے منڈھوادیا کرتے تھے، اور ایسا علامت کے لیے تھا، اور یہی صورت نشان کرنے میں بھی ہے۔

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حیوانوں کے منہ پر داغ دینے سے منع فرمایا ہے، تو اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ چہرے کے علاوہ دیگر جگہ پر داغنا جائز ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 146 : عشا کے بعد گفتگو کرنا کیسا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ عشا کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ کہتے ہیں، اور بعض نے جائز کہا ہے۔

مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے عشا سے پہلے سونے اور باتیں کرنے کو منع فرمایا ہے۔

حضرت عمر سے مروی ہے کہ وہ عشا کے بعد باتیں کرنے والے کو نہ چھوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ لوٹ جاؤ یعنی اپنے گھروں کو چلے جاؤ شاید اللہ تم کو نماز اور تہجد نصیب کرے۔

اور مباح کہنے والوں نے اس روایت سے دلیل لی ہے کہ حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار عشا کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں مسلمانوں کے امور کے متعلق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں نے

ثریا تارے کے نکلنے تک باتیں کیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باتیں تین قسم کی ہوتی ہیں: پہلی تو علم کے باب میں کچھ ذکر کرنا، اور یہ بلاشبہہ سونے سے افضل ہے۔ دوسری قدیم داستانوں اور جھوٹی باتوں اور ٹھٹھہ ہنسی کی باتیں ہوں تو وہ مکروہ ہے۔ اور تیسری یہ کہ دل لگی کی باتیں کرنا اور جھوٹ اور باطل باتوں سے بچنا تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن پھر بھی گفتگو سے بچنا نہی وارد ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔

تو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو چاہیے کہ اپنے گھروں کی طرف اللہ کا ذکر اور تسبیح اور استغفار کرتے ہوئے لوٹ جائیں کہ ان باتوں کا خاتمہ بالخیر ہو۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :

لا يسمر إلا المسافر أو المُصلي .

یعنی عشا کے بعد مسافر بات کرے یا نمازی۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ مسافر کو اس چیز کی حاجت ہوتی ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے چلنے میں غلبۂ نیند کو دفع کرتا ہے تو اس کے لیے یہ مباح ہوا، اگرچہ اس کے لیے قربت اور بندگی نہیں۔ اور نمازی جب باتیں کرے گا پھر نماز پڑھے گا تو یہ افضل ہے کہ اس کی نیند نماز پر ہو اور اس کی باتیں بندگی پر ختم ہوں۔

باب نمبر 147 : قرآن کی سورتوں کی تعداد

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایک سو بارہ سورتیں ہیں۔

فقیہ ابواللیث نے فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوّذتین (یعنی

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو قرآن میں شمار نہ کرتے تھے، اور نہ ہی ان دونوں کو قرآن پاک میں لکھتے تھے۔ البتہ اس کا اقرار کرتے تھے کہ یہ دونوں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور اللہ کا کلام ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو منتر کے طور پر پڑھا کرتے تھے، اور ان دونوں کے ساتھ پناہ مانگا کرتے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود کو یہ شبہہ رہا کہ یہ دونوں قرآن میں ہیں یا نہیں لہٰذا ان کو قرآن میں نہ لکھا۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ ایک سو سولہ سورتیں ہیں، اور انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ قنوت کو قرآن پاک کی دو سورتیں شمار کرتے تھے۔ ایک **اللّٰھمَّ إنا نستعینک** سے **من یفجرک** تک، اور دوسری **اللّٰھم إیاک نعبد** سے **ملحق** تک۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور یہی اکثر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے، اور ایسے ہی مصحف عثمانی اور سب شہروں کے قرآن میں ہے۔ جمہور علما کا یہی موقف ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب نمبر 148 : قرآن کی آیات وسور کی تعداد

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرا نے قرآن پاک کی آیات اور کلمات کی گنتی میں اختلاف کیا ہے، اور سب اقوال میں سے مختار قول اہل کوفہ کا ہے اور یہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف منسوب ہے۔ اس کے مطابق چھ ہزار دو سو تریسٹھ (6263) آیات ہیں اور علما نے اس کے علاوہ بھی کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ قرآن کی آیات چھ ہزار دو سو اٹھارہ ہیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا کہ قرآن کی کل آیات چھ ہزار دو سو سولہ ہیں۔

اسمٰعیل بن جعفر مدنی کے شمار کے مطابق چھ ہزار دو سو چودہ ہیں۔

اہل مکہ کے شمار میں چھ ہزار دو سو بارہ ہیں۔

شام والوں کی گنتی کے مطابق چھ ہزار دو سو چھبیس ہیں۔

حضرت ابراہیم تیمی نے کہا کہ چھ ہزار ایک سو ناوے آیات ہیں۔

اہل بصرہ کے شمار میں چھ ہزار دو سو چار آیات ہیں۔

اور شامیوں کے ایک شمار کے مطابق چھ ہزار دو سو پچاس آیات ہیں۔

اور اکثر کا قول یہ ہے کہ چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) آیات ہیں۔

قرآن پاک کے کلمات کے شمار میں بھی اختلاف ہے۔ حمید اعرج نے قرآن کے کلمات چھ ہزار چار سو تئیس (6423) بتائے ہیں۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سے اقوال اس کے علاوہ بھی ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا کہ ستر ہزار دو سو پچاس کلمات ہیں۔

ابراہیم تیمی نے کہا کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔

حضرت عطا خراسانی نے کہا کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ستتر ہزار چار سو چھتیس کلمات کہے ہیں۔

اور اس سے کم زیادہ کے بھی اقوال ملتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 149 : حروفِ قرآن کی تعداد

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ قرآن پاک کے حروف کی گنتی تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو نو حروف ہیں، اور قرآن پاک کے

پڑھنے والے کے لیے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کے کل حروف تین لاکھ تئیس ہزار چھو سو اکہتر ہے۔

حضرت مجاہد نے کہا کہ تین لاکھ اکیس حروف ہیں۔

ابراہیم تیمی نے تین لاکھ تئیس ہزار پندرہ حروف کہے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ نے کہا کہ قرآن کے حروف تین لاکھ گیارہ ہزار دو سو ہیں۔

قرآن میں کل 'الف' اڑتالیس ہزار آٹھ سو بہتر (48872) ہیں

'ب' گیارہ ہزار چار سو اٹھائیس (11428)۔

'ت' دس ہزار ایک سو ننانوے (10199)۔

'ث' دس ہزار دو سو ستتر (10277)۔

'ج' تین ہزار دو سو تہتر (3273)۔

'ح' تین ہزار نو سو ترانوے (3993)۔

'خ' ایک ہزار چار سو سولہ (1416)۔

'د' پانچ ہزار چھ سو بیالیس (5642)۔

'ذ' چار ہزار چھ سو نناوے (4699)۔

'ر' گیارہ ہزار سات سو ننانوے (11799)۔

'ز' ایک ہزار پانچ سو نوے (1590)۔

'س' پانچ ہزار آٹھ سو اکانوے (5891)۔

'ش' دو ہزار دو سو ترپن (2253)۔

'ص' دو ہزار تیرہ (2013)۔

'ض' ایک ہزار چھ سو سات (1607)۔

'ط' ایک ہزار دو سو چوہتر (1274)۔

'ظ' آٹھ سو بیالیس (842)۔

'ع' نو ہزار دو سو بیس (9220)۔

'غ' دو ہزار دو سو آٹھ (2208)۔

'ف' آٹھ ہزار چار سو ننانوے (8499)۔

'ق' چھ ہزار آٹھ سو تیرہ (6813)۔

'ک' نو ہزار پانچ سو (9500)۔

'ل' تیس ہزار چار سو تیئس (30423)۔

'م' چھبیس ہزار ایک سو پینتیس (26135)۔

'ن' چھبیس ہزار پانچ سو ساٹھ (26560)۔

'و' پچیس ہزار پانچ سو چھتیس (25536)۔

'ہ' انیس ہزار پانچ سو ستر (19570)۔

'لا' چار ہزار سات سو بیس (4720)۔

'ی' پچیس ہزار نو سو انیس (25919) بار آئے ہیں۔

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی اختلاف ہے؛ تاہم ہم نے اسے قرا کی ایک جماعت کے مطابق نقل کیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 150 : ثلث، نصف اور ربع قرآن

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حمید اعرج کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کے نصف کا حساب کیا تو میں نے اس کو سورۃ الکہف کے مندرجہ ذیل مقام پر پایا :

وَلْيَتَلَطَّفْ . (الکہف:۱۹)

اس طرح لام ثانی تو نصف اول میں اور ط اور ف نصف ثانی میں ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ نصف قرآن اللہ کے اس فرمان:

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا . (الکہف:۹۴)

پر ہے، اور قرا کی ایک جماعت نے کہا کہ ہے کہ نصف قرآن اللہ کے اس فرمان :

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا . (الکہف:۷۴)

پر ہے اور اکثر کے نزدیک سورہ کے اخیر کے قریب نصف پورا ہوتا ہے۔

بعض متقدمین سے مروی ہے کہ پہلا ثلث سورۂ توبہ میں اللہ کے اس فرمان :

وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ، سَيُصِيْبُ . (التوبہ:۹۰)

اور دوسرا ثلث سورۂ عنکبوت کی اس آیت :

اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ . (العنکبوت:۴۶)

پر ہے اور اکثر کے نزدیک ثلث اول اللہ کے اس فرمان :

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ .

اور ثلث ثانی سورۂ عنکبوت میں اس آیت پر :

وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ . (العنکبوت:۴۳)

اور تیسرا آخر قرآن تک ہے۔

بعض متقدمین کہتے ہیں کہ پہلا ربع سورۂ اعراف میں شروع کی تین آیات پر پورا ہوتا ہے، اور دوسرا جہاں نصف قرآن ہے اور تیسرا سورۂ صافات میں اس آیت پر :

فاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰـهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ۔ (الصّٰفّٰت:۱۴۸)

اور اکثر کے نزدیک پہلا ربع سورۂ انعام کے آخر تک، اور دوسرا سورۂ کہف کے آخر تک اور تیسرا سورۂ زمر کے آخر تک اور چوتھا آخر قرآن تک ۔

باب نمبر 151 : معلّمین کی فضیلت

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا :

أحب العباد إلى اللّٰه تعالى بعد الأنبياء و الشهداء المعلمون، و ما فى الأرض بقعة بعد المساجد أحب إلى اللّٰه من البقعة التى يتلىٰ فيها فى الكتاب .

یعنی اللہ کے نزدیک انبیا اور شہدا کے بعد محبوب تر وہ بندے اساتذہ و معلّمین ہیں ۔ اور مساجد کے بعد سب سے زیادہ پیاری جگہ اللہ کی نگاہ میں وہ ہے جہاں قرآن کی تلاوت کی جائے ۔

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا :

معلم الصيبان يستغفر له الملائكة في السماء والدواب فى الأرض والطيور في الهواء والحيتان فى البحار .

یعنی بچوں کو پڑھانے والے کے لیے فرشتے آسمانوں میں، چار پائے زمین پر، پرندے ہواؤں میں اور مچھلیاں دریاؤں میں بخشش کی دعا کرتی ہیں ۔

منقول ہے کہ جب بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سیکھتا ہے تو اللہ اس کے سبب تین شخصوں اس کے باپ اور اس کی ماں اور معلم یعنی اس کے استاد کو بخش دیتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

من علم ابنه أو ابنته شيئا من القرآن فكل درهم أعطاه للمعلم وزن جبل أحد، وإذا خرج الصبي من بيته إلى الكتاب يكثر الخير في بيت والده، ويقل الشر فيه، و يهرب الشيطان منه .

یعنی جس نے اپنے بیٹے یا بیٹی کو قرآن پڑھایا تو اس کے لیے ہر ایک درہم کے بدلے جو وہ معلم کو دے گا اُحد پہاڑ کے برابر ثواب ہے، اور جس وقت بچہ گھر سے مکتب کی طرف چلتا ہے تو اس کے والدین کے گھر میں خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے، برائیاں مٹتی ہیں اور شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

من علم ولده القرآن كساه الله يوم القيامة ثلاث حلل من حلل الجنة كل حلة منها خير من الدنيا و ما فيها والناس كلهم عراة، ثم له بكل حرف من كتاب الله تعالى درجة .

یعنی جو اپنی اولاد کو قرآن سکھائے گا تو قیامت کے دن جنتی حلوں میں سے تین حلے اس کو پہنائے جائیں گے کہ ہر حلہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا جبکہ سب لوگ برہنہ ہوں گے اور ہر حرف کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن سلمی نے حضرت عثمان غنی سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أفضلكم من تعلم القرآن ثم علمه .

یعنی تم میں سے افضل وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔(۱)

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھ کو اس مجلس میں بٹھایا اور وہ لوگوں کو تعلیم دیتے تھے، اور حضرت حسن اور حسین کے اُستاد تھے۔

حضرت ضحاک بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دعا فرمائی :

اللّٰھمَّ اغفر للمعلمین و أطل أعمارھم و بارک لھم فی کسبھم . (۲)

یعنی اے اللہ! معلّمین کی بخشش فرما، ان کی عمر زیادہ کر اور ان کے کسب میں برکت عطا فرما۔

حضرت انس کی روایت میں آتا ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یوں دعا فرمائی :

اللّٰھمَّ اغفر العلماء و أفقر الملعمین . (۳)

یعنی اے اللہ! علما کی بخشش فرما اور معلّمین کو محتاج رکھ۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ نے ان کے کسب میں برکت کی دعا فرمائی، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی قوت میں ہر روز برکت دے، اور جو یہ دعا فرمائی کہ ان کو محتاج رکھ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو غنی نہ کر؛ اس لیے کہ جب وہ غنی ہوں گے تو پڑھانا چھوڑ دیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۹۲/۶ حدیث: ۵۰۲۸......سنن ابن ماجہ: ۷۶/۱ حدیث: ۲۱۱......سنن ترمذی: ۱۷۴/۵ حدیث: ۲۹۰۸......مصنف عبدالرزاق: ۳۶۷/۳ حدیث: ۵۹۹۵۔

(۲) الفردوس بماثور الخطاب: ۵۰۰/۱ حدیث: ۲۰۴۰......کشف الخفاء عجلونی: ۴۸/۱ حدیث: ۱۰۶۔

(۳) ذخیرۃ الحفاظ: ۲۳۴/۱ حدیث: ۹۷......لیکن ابن جوزی نے 'الموضوعات' میں مذکورہ دونوں حدیثوں پر رد وقدح کیا ہے اور انھیں موضوع قرار دیا ہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ -چڑیاکوٹی-

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب معلم ثواب حاصل کرنا چاہے اور چاہے کہ اس کے اعمال انبیا کے اعمال کی مانند ہو جائیں تو اس کو لازم ہے کہ پانچ چیزوں سے اپنے نفس کو بچائے: اول یہ کہ کسی کے ساتھ تنخواہ وغیرہ کی شرط نہ کرے، اور نہ اس سے بے پرواہ رہے جس نے دے دیا لے لے اور جس نے کچھ نہ دیا اسے چھوڑ دے۔ اگر ہجے سکھانے اور بچوں کی حفاظت پر کچھ شرط تنخواہ وغیرہ کی کرلے تو یہ جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمیشہ باوضو رہے؛ کیوں کہ ہر گھڑی قرآن شریف کو چھونے کی حاجت پڑتی ہے۔ تیسرا یہ کہ تعلیم میں خیر خواہی کرے، اور اس کام میں مقید رہے۔ چوتھا یہ کہ جب بچے آپس میں کسی بات پر تنازع کریں تو ان میں عدل کرے اور انصاف کرادے اور غریبوں کو چھوڑ کر امیروں کی اولاد کی طرف نہ جھکے۔ پانچواں یہ کہ بچوں کو سختی سے نہ مارے اور حد سے نہ بڑھے؛ کیوں کہ قیامت کے دن اس کا حساب ہوگا۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت نے فرمایا :

المعلمون ولدوا بنجم الملوک یحاسبون کما یحاسب الملوک .

یعنی معلّمین بادشاہوں کے ستاروں کے وقت پیدا ہوئے ہیں اور ان سے بھی ویسے ہی حساب ہوگا جیسے بادشاہوں کا ہوگا۔

ایک تابعی سے مروی ہے کہ ان کا بیٹا ان کے پاس روتا ہوا آیا تو پوچھا اے بیٹے! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ مجھے استاد نے مارا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے مروی حدیث بیان کی :

معلم صبیناکم شرارکم عند اللّٰہ أقلھم رحمة للیتیم و أغلظھم علی المساکین .

یعنی اللہ کی نگاہ میں بچوں کا وہ معلم بہت برا ہے جو یتیموں پر رحم نہ کرے اور مسکینوں پر سختی کرے۔

ایک صحابی سے مروی ہے کہ تین شخص ہیں کہ اللہ ان پر قیامت کے دن نظر رحمت نہ فرمائے گا: ایک معلم جو یتیم کو اس چیز کی تکلیف دے جس کی اس میں طاقت نہ ہو۔ دوسرا وہ آدمی جو بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھے اوران کی خواہش کے موافق کلام کرے۔ تیسرا وہ آدمی جو بغیر حاجت کے سوال کرے۔

حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: جو شخص قرآن یاد کرے گا تو اس کا بیت المال میں سے ہر سال دوسو دینار یا ایک ہزار درہم ہیں۔ اور جو کوئی نصف قرآن یاد کرے گا تو ایک سو دینار یا ایک ہزار درہم۔ اگر دنیا میں اپنے حق سے محروم رہے گا تو قیامت کے دن دلایا جائے گا، اور بیت المال کا والی قیامت کے دن پکڑا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو وہ حافظ کو دلائی جائیں گی؛ ورنہ حافظ کے گناہ اُتار کر والی پر رکھ دیے جائیں گے۔

باب نمبر 152 : کم کھانے کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کو چاہیے کہ زیادہ نہ کھائے، اور بہت پیٹ بھر کر نہ کھائے؛ کیونکہ یہ نہ صرف اللہ اور لوگوں کے نزدیک مذموم ہے بلکہ بدن کے لیے بھی مضر ہے۔ بعض اطبا سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن مجید میں کہیں طب کا ذکر ہے؟، تو انہوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں، اللہ نے تمام طب کو اس آیت میں جمع فرمادیا ہے :

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلاَ تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ .

(الاعراف:۳۱)

کھاؤ اور پی اور حد سے نہ بڑھو کہ بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی کھانے میں زیادتی کرنے سے، بہت سے امراض جنم لیتے ہیں۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ چار باتیں آدمی میں ہونی چاہئیں: اپنی عادت کو قابو میں رکھے، بات تول کر کہے، اپنی پونجی کے مطابق معاملہ کرے اور آمدنی اور خرچ کی محافظت رکھے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

إن من السرف أن یاکل الرجل کل ما یشتهي .

یعنی یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کا جو دل چاہے کھالے۔

حضرت سمرہ بن جندب کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے بیٹے نے اس قدر کھایا کہ بخار آ گیا، پھر قے کر دی۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تو ایسی حالت میں مر جاتا تو میں تیری نمازِ جنازہ نہ پڑھتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ما ملأ ابن آدم وعاء شرا من بطنه حسب ابن آدم أکیلات یقمن صلبه فإن کان لا محالة فثلث لطعامه و ثلث لشرابه و ثلث لنفسه .

یعنی ابن آدم نے پیٹ سے برا برتن نہیں بھرا۔ آدمی کی کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو پیٹ کے تین حصے کر لے: ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک حصہ پانی کے لیے، اور ایک حصہ ہوا کے لیے۔

منقول ہے کہ زیادہ کھانے میں چھ بری خصلتیں ہیں: اول یہ کہ اس کے دل سے خوفِ خدا جاتا رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے دل سے رحم نکل جاتا ہے؛ کیونکہ وہ یہی گمان کرتا ہے کہ میری طرح سب شکم سیر ہیں۔ تیسرا یہ کہ عبادت میں سستی ہوتی ہے۔ چوتھا یہ

(۱) جامع الاحادیث سیوطی: ۱۰۳/۱۹ حدیث: ۲۰۳۰۱ ...... مستدرک حاکم: ۳۳۱/۴ حدیث: ۷۹۴۵ ...... سنن نسائی: ۱۷۷/۴ حدیث: ۶۷۳۷ ...... مسند شامیین طبرانی: ۱۳۶/۳ حدیث: ۱۹۶۴۔

کہ جب حکمت کا کلام سنتا ہے تو اسے رقت نہیں ملتی۔ پانچواں یہ کہ دانائی اور نصیحت کا کلام کرے تو لوگوں پر اس کی تاثیر نہیں ہوتی، اور چھٹا یہ کہ زیادہ کھانے سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔

منقول ہے کہ چار باتیں کھانے میں فرض ہیں اور چار سنت اور چار ادب کی ہیں۔ نیز دو دوا ہیں اور دو مکروہ ہیں۔ جو چار فرض ہیں ان میں سے پہلا فرض یہ ہے کہ حلال کھانا کھائے۔ دوسرا یہ کہ اس کو اللہ کے رزق سے جانے۔ تیسرا یہ کہ جو اللہ نے مقدر کیا ہے اس پر راضی رہے۔ چوتھا یہ کہ جب تک اس کی کھانے کی قوت باقی رہے تب تک اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔

جو چار سنت ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے۔ دوسرا یہ کہ جب کھا چکے تو الحمدللہ کہے۔ تیسرا یہ کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں دونوں ہاتھ دھوئے اور چوتھا یہ کہ بایاں پاؤں موڑ کر داہنا کھڑا کر کے بیٹھے۔

جو چار ادب ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اپنے آگے سے کھائے۔ دوسرا یہ کہ لقمہ چھوٹا لے۔ تیسرا یہ کہ اچھی طرح چبائے اور چوتھا یہ کہ دوسرے کے لقمہ کی طرف نہ دیکھے۔

اور جو دو دوا ہیں ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ دسترخوان پر جو لقمہ یا ریزے گریں ان کو اٹھا کر کھالے، اور دوسری یہ کہ انگلیاں اور پیالہ چاٹ لے؛ یہاں تک کہ صاف ہو جائیں۔

اور جو دو باتیں مکروہ ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ کھانے کو سونگھے نہیں اور نہ اس میں پھونک مارے۔ اور دوسری بات یہ کہ جب تک کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے نہ کھائے؛ کیوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لا بركة في الحار .

یعنی گرم کھانے میں کوئی برکت نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 153 : سلام وتحیت کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کی دعا آپس میں سلام ہے اور یہی اہل جنت کا سلام ہے جو جنت میں ایک دوسرے سے ملتے وقت کریں گے؛ لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ سلام کو مسلمانوں میں خوب پھیلائے؛ کیوں کہ یہ مسلمانوں کے اخلاقی فرائض میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک سے فرمایا :

إذا خرجت من منزلک فلا یقعن بصرک علی أحد من أهل قبلتک إلا سلمت علیه فتدخل حلاوة الإیمان قلبک، وإذا دخلت بیتک فسلم تکثر برکتک وبرکة بیتک . (۱)

یعنی جب تو اپنے گھر سے باہر نکلے تو تیری نگاہ جس اہل قبلہ پر (یعنی مسلمان بھائی) پر پڑے تو اس کو سلام کر؛ کیوں کہ یہ عمل ایمان کی حلاوت تیرے دل میں بٹھا دے گا۔ یوں ہی جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ پر سلام کر کہ اس سے تیری اور تیرے اہل خانہ کی برکت میں اضافہ ہوگا۔

یکے از صالحین کے تعلق سے آتا ہے کہ ایک شخص ان کے اصحاب میں سے ان کے پاس آکر پوچھتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ تیرا خانہ خراب ہو، یہ کیا طریقہ ہے، تم نے 'السلام علیکم' کیوں نہیں کہا کہ تیرے حصے میں دس نیکیاں لکھی جاتیں، اور پھر میں جواب دیتا تو مجھے بھی دس نیکیاں ملتیں اور جب بیس نیکیاں اکٹھی ہو جاتیں تو ہم نزولِ رحمت کے اُمیدوار ہوتے۔

ایک مردِ صالح سے پوچھا گیا کہ جب آدمی اپنے رفیق سے ملے اور یہ کہے: **أطال اللّٰه بقاء ک** . یعنی اللہ تیری عمر دراز کرے۔ تو یہ کہنا کیسا ہے؟۔

(۱) اتحاف الخیرۃ المہرۃ:۳۹/۶ حدیث:۵۲۷۹...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱/۶۰۵ حدیث:۱۲۷۰۔

انہوں نے جواب دیا کہ یہ دہریوں کی دعا ہے اور مسلمانوں کی دعا 'السلام علیکم' ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بارہا بازار جایا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ بازار کیوں جاتے ہیں کہ نہ تو آپ کچھ خریدتے ہیں اور نہ ہی کچھ بیچتے ہیں؟۔ فرمایا کہ میں تو فقط سلام کرنے کے لیے جاتا ہوں۔ آپ کی یہی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کسی پر گزرتے تو 'السلام علیکم' کہتے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! جب تو کسی قوم کی مجلس میں آئے تو اُن کی طرف اسلام کا تیر پھینک یعنی اُن پر سلام کر پھر بیٹھ اور اس وقت تک نہ بول جب تک کہ تو ان کو بولتا نہ دیکھ لے۔ تو اگر وہ پہلے بات کریں تو تو بھی ان کا شریک ہوجا؛ ورنہ ان سے کنارہ کرکے کسی اور کے پاس چلا جا۔

باب نمبر 154 : کچھ نکاح کے بارے میں

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة . (۱)

یعنی بڑی برکت والا ہے وہ نکاح جس میں زیادہ خرچ اور تکلیف نہ ہو۔

مروی ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بصری کے پاس آیا اور اپنی بیٹی کے نکاح کے متعلق ان سے مشورے کا خواستگار ہوا تو آپ نے فرمایا :

زوجها من تقي فإنه إن أحبها أكرمها، وإن أبغضها لم يظلمها.

(۱) مسند طیالسی:۳/۴۶حدیث: ۱۵۳۰......مسند اسحٰق بن راہویہ:۲/۳۹۴حدیث: ۹۴۶......مسند احمد بن حنبل:۵/۴۱۷حدیث:۲۴۵۲۹۔

یعنی کسی متقی آدمی سے اس کا نکاح کردے؛ اس لیے کہ اگر اس متقی کو اس سے محبت ہوگئی تو اس کی عزت کرے گا اور اگر اس کو ناپسند کرے گا تو پھر بھی اس پر ظلم نہ کرے گا۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ چار چیزیں بہت بری بلا ہیں۔۱: عیال کی کثرت ۲: مال کی قلت ۳: براہمسایہ ۴: اور خیانت کرنے والی زوجہ۔

حضرت مالک بن دینار کی اہلیہ ام یحییٰ جب انتقال کرگئیں تو کسی نے آپ سے کہا اے ابو یحییٰ! آپ نکاح کیوں نہیں کرلیتے؟۔فرمایا: اگر مجھے استطاعت ہوتی تو اپنے نفس کو بھی طلاق دے دیتا۔

بعض اَعراب کا مقولہ ہے :

التزوج فرح شهر، و غم دهر، و قطع ظهر، و وزن مهر وذل عمر .

یعنی نکاح میں کیا ہے؟ ایک ماہ کی خوشی، ہمیشہ کا غم، کمر کا ٹوٹنا، مہر کا بوجھ اور عمر بھر کی ذلت۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ثلاثة حق على الله تعالى عونهم: المجاهد فی سبیل الله، والناكح يستعف عن محارم الله، والمكاتب يريد الأداء .

یعنی تین لوگوں کی مدد اللہ نے خاص اپنے ذمہ کرم پر رکھی ہے۔۱: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔۲: نکاح کرنے والا پارسا کہ اس کے سبب سے معصیت الٰہی سے رکا رہے۔۳: اور مکاتب (یعنی غلام) کہ (اپنے مالک کو اپنا عوض) ادا کرنا چاہتا ہے۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت

تک نکاح نہ کروں گا جب تک اس بارے میں سو آدمیوں سے مشورہ نہ لےلوں۔ چنانچہ اس نے ننانوے آدمیوں سے مشورہ لیا باقی ایک آدمی رہ گیا۔اس نے ارادہ کیا کہ جس بندے سے صبح سب سے پہلے ملاقات ہوگی اسی سے مشورہ لےلوں گا اوراسی کی رائے پر عمل کروں گا۔

چنانچہ جب صبح ہوئی، اور وہ اپنے گھر سے نکلا تو اس کو ایک گھوڑے پر سوار ایک دیوانہ ملا، اس کو دیکھ کر اس شخص کو فکر ہوئی۔ جب وہ دیوانہ اس کے سامنے آیا تو دیوانے نے کہا کہ میرے گھوڑے کے سامنے سے ہٹ جا، کہیں تجھے مار نہ دے۔

اس نے کہا: اپنے گھوڑے کو ذرا روکو، میں تم سے کچھ سوال کروں گا۔ وہ ٹھہر گیا۔اس نے کہا: میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جو صبح سب سے پہلے ملے گا اس سے مشورہ لوں گا، اور تو ہی پہلے ملا ہے لہٰذا بتا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں کس طرح کروں؟۔

اس دیوانے نے کہا کہ عورتیں تین قسم کی ہیں: ایک میں تو تیرا فائدہ ہے۔ دوسری میں نقصان ہے۔اور تیسری میں فائدہ اور نقصان دونوں ہیں۔

اس نے پھر کہا کہ میرے گھوڑے سے بچ کہ کہیں وہ تجھ کو مار نہ دے اور چلتا بنا۔

اس شخص نے سوچا کہ مجھے اس کا مفصل بیان اس سے پوچھنا چاہیے،اور اس کے قریب جا کر کہا کہ ذرا اپنے گھوڑے کو روکیں تا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھ لوں۔

اس نے روک دیا۔ یہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں آپ کی بات کو سمجھ نہیں سکا، اس کی تفصیل بیان کر دیں۔

اس دیوانے نے کہا کہ وہ عورت جس میں تیرا فائدہ ہے تو وہ باکرہ (کنواری) ہے اس کا دل اور طبیعت تیرے ساتھ رہے گی کسی دوسرے کے ساتھ اُلفت نہ کرے گی۔

جس میں تیرا نقصان ہے تو وہ اولاد والی (یعنی بیوہ) ہے کہ تیرا مال کھائے گی، اور پہلے شوہر کو رویا کرے گی۔

اور جس میں تیرا فائدہ اور نقصان ہے وہ عورت ہے کہ اس کی پہلے شوہر سے کچھ اولاد نہ ہو، اگر تو اس کے لیے پہلے شوہر سے اچھا ہے تو وہ تیرے لیے اچھی ہے، اور اگر نہیں تو وہ تیرے لیے نقصان دہ ہے۔

اتنا بتا کر وہ دیوانہ چل پڑا؛ مگر یہ شخص پھر اس کو جا ملا اور اس سے کہا: تجھے خرابی ہو تو باتیں تو دانا لوگوں کی سی کرتا ہے اور کام دیوانوں جیسے کرتا ہے۔

اس دیوانے نے کہا: اے دوست! مجھ کو بنی اسرائیل اپنا قاضی بنانا چاہتے تھے، میں نے انکار کیا۔ انہوں نے اصرار کیا تو میں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا حتی کہ میں نے ان سے نجات حاصل کی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ سلیمان کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔ حضرت سلیمان کی عمر ان دنوں سات سال تھی، وہ شخص آپ کے پاس آیا تو ان کو ایک گھوڑے پر سوار بچوں کے ساتھ کھیلتا پایا۔ اس شخص نے عرض کی، میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، کس طرح کروں؟۔ حضرت سلیمان نے فرمایا :

علیک بالذهب الأحمر والفضة البيضاء، واحذر الفرس كيلا يضربک .

یعنی سرخ سونے اور سفید چاندی کو لے لے اور گھوڑے سے بچ کہ تجھے مارے نہیں۔

وہ شخص آپ کے جواب کو نہ سمجھ سکا۔ حضرت داؤد نے اس سے فرما دیا تھا کہ وہ جو جواب دیں وہ مجھے واپس آ کر بتانا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت داؤد کے پاس آیا اور حضرت سلیمان کا جواب سنا دیا تو حضرت داؤد نے فرمایا: 'الذهب الاحمر' (سرخ سونا) تو

باکرہ عورت ہے۔ 'الفضة البيضاء' (سفید چاندی) جوان بیوہ ہے، اور جوانہوں نے کہا 'احذر الفرس كيلا يضربك' اس سے مراد یہ ہے کہ بوڑھی عورت اور اولاد والیوں سے بچ۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکاح کا حکم دیا کرتے تھے اور مجرد (یعنی تنہا) رہنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور فرماتے :

تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيمة .

یعنی محبت کرنے والیوں اور زیادہ بچوں کو جنم دینے والیوں سے نکاح کرو؛ اس لیے کہ میں روزِ قیامت تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔(۱)

حضرت عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا :

ألا إن اللّٰه تعالىٰ لعن أربعة ولعنت عليهم الملائكة: رجل يحصر و لم يجعل اللّٰه حصورا، و امرأة تذكرت اللّٰه عزوجل وإنما جعلها اللّٰه أنثى، و رجل تخنث واللّٰه خلقه ذكرا، والذي يضل الأعمى عن الطريق .

یعنی اللہ اور اس کے فرشتے چار شخصوں پر لعنت کرتے ہیں۔ ۱: وہ شخص کہ نکاح سے باز رہے جبکہ اللہ نے اس کو نہیں روکا۔ ۲: وہ عورت کہ خدا نے اس کو عورت بنایا اور وہ خود کو مرد بنائے۔ ۳: وہ مرد کہ خنثیٰ بنے جبکہ خدا نے اس کو مرد بنایا ہے۔ ۴: اور وہ شخص کہ اندھے کو راستہ بھلا دے۔

حضرت ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں کہ جس کے پاس عورت نہیں اس کی مروّت نہیں، اور جس کے پاس اولاد نہیں اس کی خوشی نہیں، اور جس کے پاس یہ دونوں نہیں اس کو کچھ غم نہیں۔ (واللہ تعالی اعلم)

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۴۳۱/۵ حدیث: ۱۷۵۴...... مسند احمد بن حنبل: ۱۹۸/۲۵ حدیث: ۱۲۱۵۲...... مستدرک حاکم: ۲۹۲/۶ حدیث: ۲۶۳۵...... معجم الاوسط طبرانی: ۳۳۴/۱۱ حدیث: ۵۲۵۶۔

باب نمبر 155 : اَمرِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آغاز

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب پچیس سال ہوئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے کہا۔اے میرے بھتیجے! میرے پاس زیادہ مال نہیں کہ تمہارا نکاح کرسکوں اور نہ تمہارے باپ نے کوئی مال ترکے میں چھوڑا ہے تو خدیجہ بنت خویلد کے پاس جاؤ اور اُجرت پر اس کا کام کرو، جو کوئی اُجرت پر اس کے ہاں کام کرتا ہے وہ اس کو دو جوان اونٹنیاں دیتی ہے،شاید تجھے ایک زیادہ دے دے۔

چنانچہ ابو طالب آپ کو حضرت خدیجہ کے پاس لائے۔حضرت خدیجہ نے پسند کرتے ہوئے کہا: سرآنکھوں پر،اور میں ان کو دو کے ساتھ ایک اونٹنی مزید دوں گی۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے ایک غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے،اور کثیر منافع حاصل ہوا۔ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں آپ کی محبت وعظمت ڈال دی۔

جب دونوں سفر سے لوٹتے ہوئے 'مرالظہران' نامی ایک جگہ پر اُترے تو میسرہ نے کہا کہ آپ آگے جا کر حضرت خدیجہ کو منافع کی خوشخبری دیں شاید وہ آپ کو ایک اونٹنی مزید دے۔چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو حضرت خدیجہ نے اس خوش خبری پر آپ کو ایک اونٹنی مزید دی۔

پھر میسرہ نے حضرت خدیجہ کو بتایا کہ میں نے محمد (ﷺ) سے راستہ میں کئی عجائب اور نشانیاں دیکھی ہیں، جسے سن کر حضرت خدیجہ کے دل میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا ہوگئی اور وہ آپ کی طرف راغب ہوگئیں۔چنانچہ آپ نے کھانے کا اہتمام کیا اور سردارانِ قریش کی دعوت کی اور اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ محمد (ﷺ) سے ان کا

نکاح کردے۔

مگران کے والد نے انکار کرتے ہوئے غصے کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہ نے اپنے والد کو شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشے میں آ گیا تو پھر حضرت خدیجہ نے اجازت مانگی تو ان کے والد نے نشے میں حضور سے آپ کا نکاح کر دیا۔ جب ہوش میں آیا تو کپڑوں پر رنگ کا اَثر پایا تو کہا یہ کیا ہے؟۔

حضرت خدیجہ نے کہا: آپ نے محمد سے میرا نکاح کر دیا۔ تو اس نے کہا: مجھ سے بڑے بڑے اشراف لوگوں نے تیرے لیے درخواست کی اور میں نے انکار کر دیا اور تو نے ایک ایسے شخص کے ساتھ نکاح کیا جس کے پاس کچھ بھی مال و دولت نہیں۔

حضرت خدیجہ نے کہا کہ وہ حسب ونسب میں بہت بلند ہیں مجھے اُن کے مال کی کچھ حاجت نہیں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے قربت کی۔

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو آپ نے ہوا میں ایک ایسی چیز دیکھی جیسا کہ سائبان جو اوپر سے آپ کی طرف جھکتا چلا آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ گھبرائے، معاً ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے :

لا تخف فإني جبرئيل .

یعنی ڈریے مت، میں کوئی اور نہیں جبرئیل ہوں۔

آپ حضرت خدیجہ کے پاس غمگین حالت میں تشریف لائے اور فرمایا :

إني رأيت شيئا خفته، فقال لي: لا تخف فإني جبرئيل فأخاف على نفسي الجنون .

یعنی میں نے ایک ڈراونی چیز دیکھی، اور اس نے مجھ سے کہا: ڈرومت، بے شک میں جبرئیل ہوں۔ مگر میں اپنے نفس پر جنون کا خوف رکھتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت خدیجہ کھڑی ہوئیں اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس

آئیں جسے آسمانی کتابوں کا علم وفہم تھا،اور بولیں: اے میرے چچازاد بھائی! میرے اس شوہر نے ایک چیز دیکھی ہے اور ایک آواز سنی ہے کہ 'میں جبرئیل ہوں'۔ تو ورقہ بن نوفل نے کہا :

سبحان الملک القدوس: جبرئیل ناموس اللّٰہ الأکبر و سفیرہ إلی الأنبیاء .

یعنی پاکی ہے اس بزرگ و برتر بادشاہ کو۔ یہ جبرئیل اللہ کا ناموس ہے اور انبیا کی طرف اس کا سفیر ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ناموس' اچھی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ جاسوس' بری خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ اور سفیر'اس پیغام بر کو کہتے ہیں جو دو فریق کے درمیان صلح کرائے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا :

فإن کان صاحبک رآی فھو نبي .

یعنی اگر تیرے شوہر نے اس کو دیکھا ہے تو سمجھ لے کہ وہ نبی ہے۔

اب حضرت خدیجہ واپس آپ کے پاس آئیں اور آپ سے ساری بات بیان کی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف فرما تھے تو ایک وجود زمین و آسمان کے درمیان دیکھا۔

حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ اے خدیجہ! میں ایک شخص کو زمین وآسمان کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ تو حضرت خدیجہ نے آپ کو کہا کہ میرے قریب ہو جائیے۔ چنانچہ آپ ان کے قریب ہوئے۔ خدیجہ نے اپنا سر کھولا اور آپ کا سر مبارک اپنے پیٹ کی طرف کر تے ہوئے پوچھا کہ کیا اب بھی آپ اس کو دیکھ رہے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا :

لا قد أعرض عني .

یعنی نہیں، اب اس نے مجھ سے چہرہ پھیر لیا ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا :

أبشر فإنه ملك لو كان شيطاناً ما استحى .

یعنی میں آپ کو خوش خبری دیتی ہوں کہ بے شک وہ فرشتہ ہے، اگر شیطان ہوتا تو کبھی نہ شرماتا۔

یوں ہی ایک روز کی بات ہے کہ آپ کوہِ حرا پر جلوہ آرا تھے کہ یکا یک آپ نے جبرائیل کو دیکھا۔ انھوں نے آپ کے لیے ایک عمدہ فرش بچھایا، پھر زمین کھودی تو اس میں سے ایک چشمہ نکلا، اور آپ کو وضو کا طریقہ بتایا پھر دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کو اعلانِ نبوت کی بشارت دیتے ہوئے یہ آیت کریمہ: **اقرأ باسم ربك الذي خلق** سے **ما لم يعلم** تک آپ کو پڑھایا۔

پھر آپ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور ان کو بتایا تو وہ آپ پر ایمان لائیں، اور آپ نے ان کو وضو کا طریقہ سکھایا۔ اُن کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ایمان لائے۔

بعض نے کہا کہ پہلے حضرت علی، پھر حضرت ابوبکر، پھر بلال، پھر حضرت ابوبکر کے دوست حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، اور ان کے علاوہ دیگر لوگ ایمان لائے۔ اور جب حضرت عمر فاروق ایمان لائے تو چالیس آدمی پورے ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب نمبر 156 : ہجرتِ نبوی کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ کی طرف جایا کرتے تھے اور جو لوگ حج کے لیے آتے اُن پر اِسلام پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس بیچ آپ کی ملاقات چند اہل مدینہ سے ہوئی، آپ نے ان پر اسلام پیش کیا تو حضرت معوذ

بن عفراء کے ساتھ سارے لوگ داخل اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم میری مدد کروں گے تا کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دوں؟۔ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! پچھلے سال ہماری لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان کے ایک دنوں میں سے ایک دن تھا کہ جس میں قبیلہ اوس اور خزرج لڑے تھے، فی الحال ہماری آپس میں ایک دوسرے سے اَن بَن ہے؛ لیکن ہم آپ سے آئندہ سال حج میں ملنے کا وعدہ کر کے جاتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔

جب یہ لوگ مدینہ گئے تو پوشیدہ طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آئندہ سال حج سے قبل ہی کئی گھر اسلام لے آئے۔ پھر حج کا موسم آ گیا تو اہل مدینہ میں سے بہت لوگ حج کے لیے منیٰ میں آئے، پھر ان میں سے ستر مرد اور عورت نکل کر جمرہ کے داہنی طرف ریت کی گھاٹی پر آئے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس کے ساتھ وہاں تشریف لائے تو وہ سب آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام کیا تو آپ نے بھی انہیں سلام کیا اور فرمایا:

إن موسىٰ أخذ من بني إسرائيل اثني عشر نقيبا وأنا آخذ منكم النقباء كما أخذ موسىٰ من قومه .

یعنی حضرتِ موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ سردار لیے تھے، میں بھی تم میں سے سرداروں کو لیتا ہوں جیسے موسیٰ نے اپنی قوم سے لیے تھے۔

چنانچہ ان لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے اور اپنے لیے شرط کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا:

اشترط لربي أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئا واشترط لنفسي أن تمنعوني مما تمنعون منه أنفسكم وأهليكم .

یعنی میں اپنے رب کے لیے یہ شرط کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے لیے یہ شرط کرتا ہوں کہ جو چیز تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے نہ چاہو تو میرے لیے بھی نہ چاہو۔

انھوں نے عرض کی کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارے لیے کیا چیز ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لیے جنت ہے۔(۱)

سب نے کہا کہ اس میں تو بہت نفع ہے۔ تو اس وقت شیطان تین مرتبہ چلایا اور کہا اے گروہِ قریش! محمد نے یثرب والوں سے تمہارے خلاف حلف لے لیا ہے۔

چنانچہ قریش اُن کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے؛ لیکن ان کو نہ پایا۔ پھر جب وہ سردار جو ایمان لائے تھے مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر بھیجا؛ تا کہ وہ ان کو قرآن سکھائیں اور دین کی باتیں سمجھائیں۔

جب اہل مکہ کو اس کی خبر ہوئی کہ آپ نے مہاجرین اور انصار کو اپنا متبع کر لیا ہے تو ان لوگوں نے آپ کو جان سے مارنے کا قصد کیا تو اللہ نے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لائے تو وہ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہوئے اور آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ! کیا بات ہے؟۔

آپ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ قریش نے میرے قتل کا اِرادہ کیا ہے۔ ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ یارسول اللہ میرا خون اور میری جان آپ کے ساتھ ہے۔

آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھ کو ہجرت کا حکم دیا ہے تو ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

---

(۱) جامع الاحادیث سیوطی:۳۱۵/۳۷ ...... اخبار مکہ فاکہی:۲۳۲/۴ حدیث: ۲۵۴۰...... السیرۃ الحلبیۃ:۲/ ۱۷۵......دلائل النبوۃ بیہقی:۳۱۸/۲ حدیث:۷۱۳۔

حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ میرے پاس دو اونٹ ہیں، میں نے ان کو اسی لیے روک رکھا ہے تو ان میں سے ایک آپ لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو بلا قیمت نہیں لیتا۔ چنانچہ آپ نے ایک کو خرید لیا۔

جب رات ہوئی تو آپ اور ابوبکر صدیق پا پیادہ نکلے اور غارِ ثور کی طرف چلے۔ ایک غار میں جا پہنچے اور ابوبکر صدیق نے عبداللہ بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ اپنی بکریاں غارِ ثور کے پاس آ کر چرائے۔ اور حضرتِ علی اس رات بسترِ نبوت پر آرام فرما رہے۔

قریش آئے اور قتل کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے تو وہاں حضرت علی بن ابوطالب کو پا کر حیرانگی کے عالم میں پوچھا کہ محمد کہاں ہیں؟۔ حضرت علی نے کہا: میں نہیں جانتا۔

پھر کیا تھا، لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب شروع کیا، اور کھوج لگاتے ہوئے غارِ ثور تک جا پہنچے جبکہ آپ اور حضرت صدیق اکبر غار کے اندر تھے؛ لیکن قریش پر یہ بات چھپی رہی۔ چنانچہ انہوں نے ہر طرف آدمی ڈھونڈنے کے لیے بھیجے؛ لیکن آپ کو نہ پا سکے اور سب نامراد لوٹ آئے۔

حضرت اَسما یا عبداللہ بن ابوبکرؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے پاس ہر رات کو اہل مکہ کی خبر دینے کے لیے آ جاتے۔ نیز عبداللہ بن فہیرہ رات کو بکریاں وہاں لے آتا تھا، جتنا دودھ چاہتے وہ دوہ لیتے اور جو چاہتے ذبح کر لیتے۔ اس طرح آپ نے یہاں تین رات قیام کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ دن قیام کیا حتی کہ اہل مکہ کو یقین ہو گیا کہ آپ یہاں سے جا چکے ہیں۔ پھر آپ صدیق اکبر کے ساتھ غار سے نکلے، اور ایک آدمی کو راستہ بتانے کے لیے ملازم رکھا جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا حتی کہ پیر کے دن ربیع الاول کی دوسری تاریخ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔

(۱) مگر معروف و مستند روایت کے مطابق جس دن آپ نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا وہ بارہ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا۔ -چڑیاکوٹی-

باب نمبر 157 : غزواتِ رسول ﷺ

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے چھتیس جنگیں کیں: اٹھارہ میں آپ نے بذاتِ خود شرکت کی اور باقی میں کسی صحابی کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا اور خود شرکت نہ فرمائی۔

بعض احادیث کے مطابق آپ نے چالیس جنگیں کیں۔ اور اس سے بھی زیادہ کی روایتیں ملتی ہیں۔

پہلی لڑائی کی صورت یہ تھی کہ آپ کو خبر ملی کہ قریش کا ایک لشکر مکہ سے چڑھائی کر رہا ہے۔ آپ تمام اصحاب کے ساتھ چلے اور یہ صفر المظفر کا مہینہ تھا جبکہ ہجرت کو قریباً ایک سال ہوا تھا۔

چلتے چلتے آپ 'ودان' نامی ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں سے حضرت عبیدہ بن حارث کو مہاجرین کی جماعت کے ساتھ کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ قریش کی ایک جماعت سے مقابلہ ہوا اور آپس میں تیر چلنے لگے، پھر دونوں فریقین اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے اور اس کے علاوہ کوئی دیگر واقعہ رونما نہ ہوا۔

غزوۂ نخلہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ نخلہ ہے۔ یہ اس طرح ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے سولہ ماہ بعد حضرت عبداللہ بن جحش کو گیارہ مہاجر اصحاب کرام کے ساتھ عمرو بن عبد حضرمی اور اس کے قریشی ساتھیوں کی طرف روانہ کیا اور وہ ایک قافلہ میں دھوڑی اور روغن اور دیگر اسباب لیے ہوئے آ رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جحش نخلہ یعنی ایک کھجور کے درخت کے نیچے اُترے۔ جب وہ قافلہ آیا تو یہ سب ان کی طرف نکلے اور ان سے لڑائی کی اور عمرو بن عبد حضرمی کو قتل کر دیا اور اس کے دو ساتھیوں کو گرفتار کر لیا جبکہ باقی سب بھاگ گئے۔ ان کے پاس جتنا مال تھا

سب مال مدینہ لایا گیا۔ یہ معرکہ جمادی الآخرہ کے اختتام پر رونما ہوا۔

غزوۂ بدر: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بدرِ کبریٰ ہے۔ 'بدر' ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ جنگ رمضان کے مہینے میں ہجرت سے دو برس بعد ہوئی۔ امر واقعہ یہ ہوا کہ آپ کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ جس میں ابوسفیان بن حرب چالیس دیگر تاجرانِ قریش کے ساتھ سوار ہو کر ملک شام کی طرف گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ستر تاجر تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو تیرہ اصحابِ کرام کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لائے۔ مکہ میں بھی اس کی خبر پہنچ گئی تو وہاں سے بارہ سو پچاس آدمی قافلہ کی مدد کے لیے آ گئے۔

قافلہ تو کسی طرح سے بچ کر نکل گیا، اور مکہ والوں میں سے تین سو آدمی قافلہ کے ساتھ واپس ہو گئے؛ مگر باقی ساڑھے نو سو بچ گئے۔ پھر فریقین میں مقابلہ ہوا۔ اللہ نے کفار کو شکست دی، اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مشرکین کے ستر افراد قتل ہوئے، اور ستر کو گرفتار کر لیا گیا۔

جنگ بدر سے بڑھ کر دنیا میں کوئی لڑائی نہ ہوئی؛ کیونکہ اس میں خود ابلیس لعین، اس کی اولاد اور کافر جنات سب موجود تھے، اور ساڑھے نو سو صنادید قریش تھے۔ جبکہ مسلمان فقط تین سو تیرہ تھے اور وہ کل مخلوق سے افضل تھے، نیز نوے مسلمان جن اور ہزار فرشتے تھے۔

حضرت حسن بصری کے بارے میں آتا ہے کہ جس وقت آپ سورۃ الانفال پڑھا کرتے تھے تو فرماتے :

طوبی لجیش قائدهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، و مبارزهم اسد اللّٰه، وجهادهم طاعة اللّٰه، و مددهم ملائکة اللّٰه، و ثوابهم رضوان اللّٰه .

یعنی اس لشکر کی خوش نصیبی کے کیا کہنے! جس کے قائد اللہ کے رسول اللہ ہوں، مبارز اللہ کے شیر ہوں، جس کا جہاد اللہ کی اطاعت میں ہو، جن کے مددگار فرشتے ہوں، اور جن کو ثواب میں اللہ کی رضا مل جائے۔

غزوۂ سویق: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات میں سے ایک غزوۂ سویق ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ بدر کے بعد ابوسفیان ایک جماعت لے کر مدینہ کی طرف نکلا اور قسم کھائی کہ رسول اللہ کے بعض اصحاب کو قتل کیے بغیر واپس نہ پھرے گا۔ چنانچہ وہ چھپتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور ایک یہودی کے گھر میں ٹھہرا اور دو گھروں کو جلا دیا اور دو صحابیوں کو شہید کر دیا۔

حضور اکرم اپنے اصحاب کے ساتھ ابوسفیان کی تلاش میں نکلے، ابوسفیان ڈرا کہ کہیں رسول اللہ کے ہاتھ نہ آ جاؤں تو زادِ راہ رستہ میں پھینک کر اپنی جماعت کے ساتھ بھاگ گیا، جو زادِ راہ اس نے پھینکا تھا ان میں زیادہ ستو یعنی سویق تھے؛ لہٰذا اس غزوہ کا نام سویق پڑ گیا۔ رسول اللہ واپس تشریف لائے اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

غزوۂ بنو قینقاع: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ قینقاع ہے۔ یہ غزوہ مدینہ کے نواح میں ہوا۔ آپ نے اس کا محاصرہ کیا تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اہل مدینہ کی ایک جماعت لے کر سفارش کے لیے آ گیا۔ پھر آپ نے ان کا محاصرہ چھوڑ دیا۔

غزوۂ اُحد: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ احد ہے۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب قریش بدر سے واپس ہوئے تو بہت سا لشکر جمع کیا، اور یہ واقعہ دوسری صدی ہجری کا تھا تو کفار جمع ہو کر مدینہ کی طرف نکلے اور تمام عرب سے مدد طلب کی اور کثیر مال خرچ کیا۔

اِدھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی طرف نکلے تو کوہِ احد کے قریب لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے ہی حملہ میں کفار بھاگ گئے؛ مگر پھر کیا ہوا کہ کچھ لوگ جو حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر پہاڑ کے اوپر تیر پھینکنے پر مامور تھے' غنیمت سمیٹنے کے چکر میں حضور کی حکم عدولی کرتے ہوئے وہ مورچہ چھوڑ دیا، اور وہ کفار کے ہاتھ میں آ گیا، جس کو ان کو غلبہ مل گیا۔ یوں ستر مسلمان شہید ہو گئے اور کثیر زخمی ہوئے، اور کچھ بھاگ گئے۔ پھر اللہ نے کفار کو مسلمانوں سے پھیرا اور مسلمان جمع ہو گئے۔ اللہ نے اس کو مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے :

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ– تا– ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ. (آل عمران:۱۵۲)

یعنی تمہاری اپنی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔

غزوۂ بدر صغریٰ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بدر صغریٰ ہے۔ یہ یوں ہوا کہ ابو سفیان جنگ اُحد سے پھرنے لگا تو اس نے کہا کہ اب ہمارا مقابلہ بدرِ صغری میں ہوگا وہاں ایک بازار تھا، رسول اللہ ستر اصحابِ کرام کے وعدہ کے مطابق اس مقام پر پہنچ گئے؛ لیکن کفار میں سے کوئی بھی مقابلہ کو نہ آیا، اور مسلمان وہاں سے صحیح وسالم واپس ہوئے اور جو مال تجارت ساتھ لے گئے تھے وہ بازار میں بیچ کر کثیر نفع کمایا۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا :

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ .... فَانْقَلَبُوْا بِنِعمةٍ مِنَ اللّٰهِ ۝ (۱۷۲تا۱۷۴)

غزوۂ بطن الرجیع: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بطن الرجیع ہے۔ یہ یوں ہوا کہ آپ نے مرثد بن ابی مرثد کو سات اصحاب کے ساتھ جن میں عاصم بن ثابت بھی تھے، کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ابھی چلتے چلتے یہ 'بطن الرجیع' پر پہنچے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی، جس میں سب مسلمان شہید ہو گئے سوائے تین یا دو آدمیوں کے: ایک حضرت خبیب، جن کو گرفتار کر کے مکہ لے گئے اور وہاں اُن کو شہید کر دیا۔ اور ایک کو وہ مرا ہوا سمجھ کر چھوڑ گئے؛ لیکن ابھی ان کی زندگی باقی تھی، ان کا نام 'جریج' تھا۔

غزوۂ محمد بن مسلمہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوہ یہ تھا کہ جس میں حضرت محمد بن مسلمہ کو ایک جماعت صحابہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس مقابلہ میں تمام مسلمان شہید ہو گئے سوائے حضرت محمد بن مسلمہ کے کہ ان کو وہ مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تو یوں وہ محفوظ رہے۔

غزوۂ بیئرمعونہ: آپ کے غزوات میں سے ایک بیئرمعونہ ہے۔ یہ یوں ہوا کہ عامر بن مالک جس کا لقب 'ملاعب الاسنۃ' تھا اور جو عرب کے سواروں میں سے ایک سوار اور نیزہ بازی میں ماہر کار تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لکھا کہ کچھ آدمی ہماری طرف بھیج دیں؛ تا کہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں اور وہ سب میری امان میں ہوں گے۔

چنانچہ آپ نے منذر بن عمرو ساعدی کو چودہ اصحاب مہاجرین و انصار کے ساتھ روانہ کیا۔ جب ایک رات کی مسافت طے کر چکے تو خبر پہنچی کہ عامر بن مالک انتقال کر گیا۔ ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خط لکھا تو آپ نے چار آدمی مدد کے لیے بھیجے۔

یہ سب مل کر چلے۔ اور جب بیئرمعونہ کے مقام تک پہنچے تو عامر بن طقبل' قبیلہ رعل، ذکوان، بنی لحیان اور عصیہ کو ساتھ لے کر مقابلے میں آ گیا۔ لڑائی ہوئی اور سب مسلمان شہید ہو گئے، سوائے تین آدمیوں کے جن میں عمرو بن اُمیہ ضمری، سعد بن ابی وقاص، اور ایک اور صحابی بچ گئے، اور یہ وہ لوگ تھے جو لڑائی میں پیچھے رہ گئے تھے۔ جب ان کو شہادت کی خبر ملی تو مدینہ کو واپس ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس دن ان قبائل کی ہلاکت کے لیے قنوت پڑھی۔ یعنی نماز میں اُن کے لیے بددعا کی۔

غزوۂ کعب بن اشرف: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ کعب بن اشرف کا قتل ہونا ہے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو تیرہ اصحاب کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے اس کے

گھر میں جا کر قتل کر دیا۔

غزوۂ بنی نضیر: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بنی نضیر ہے۔اس کا سبب یہ ہوا کہ جب بیئرِ معونہ سے عمرو بن امیہ ضمری واپس مدینہ کے قرب میں آئے تو دو آدمی قبیلہ بنی کلاب سے نمودار ہوئے،اور ان دونوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان دی تھی؛مگر انھوں نے ان کو کافر حربی جانتے ہوئے قتل کر دیا جبکہ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ذمی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پناہ دی ہے۔

اب قبیلہ بنو کلاب بارگاہِ رسالت میں آ کر طالب دیت ہوا۔تو آپ چار اصحاب حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے؛ تاکہ اس دیت میں وہ آپ کی مدد کریں؛مگر بنی نضیر نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور آپ کو اطلاع دی۔آپ وہاں سے مدینہ کو واپس آئے اور لشکر جمع کر کے بنی نضیر پر چڑھائی کی،ان کا محاصرہ کیا اور کھجوروں کو کاٹ ڈالا اور گھروں کو اُجاڑ دیا حتی کہ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ آپ ہم کو چھوڑ دیں۔

اس طرح وہ اپنا مال واسباب چھوڑ گئے،اور آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ملک شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ.......

(الحشر:۲)

غزوۂ بنی مصطلق: آپ کے غزوات میں سے ایک بنی مصطلق ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ایک اونٹ پر ہمراہ تھیں۔ بہتان تراشنے والوں نے کہا جو کچھ کہا۔تو حضرت عائشہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ .... (النور:۱۱تا۲۶)

یہ سترہ آیات اُم المومنین حضرت عائشہ کی پاکیزگی کے بارے میں نازل ہوئیں۔

غزوۂ ذی قرد: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ ذی قرد ہے۔ یہ اس طرح ہوا کہ کچھ اعرابی آئے اور مدینہ کے گرد و نواح سے کچھ اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی اور حضرت ابوقتادہ کو صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے تعاقب پر روانہ کیا۔ اور یہ سب اونٹ لے کر بامراد واپس ہوئے۔

غزوۂ حدیبیہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ حدیبیہ ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ پہلے 'عسفان' میں قیام فرمایا، پھر 'حدیبیۂ' کے مقام پر اُترے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے اور اسی کے نام سے یہ جگہ موسوم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے درمیان یہاں پر پتھراؤ ہوا۔

غزوۂ خندق: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ خندق ہے۔ یہ یوں ہوا کہ اہل مکہ اور تمام اعرابی کل اٹھارہ ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے، اور یہی 'احزاب' ہیں جن کا ذکر سورۂ احزاب میں ہے۔

انہوں نے سترہ دنوں تک مدینہ منورہ کا محاصرہ کیے رکھا جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس سے قبل) خندق کھودنے کا حکم دیا تھا تاکہ مشرکین ہمیں بے خبری میں نہ آلیں۔ مشرکین نے وہاں پندرہ دن یا اس سے کچھ زیادہ قیام کیا۔ پھر اللہ نے سخت آندھی بھیجی تو وہ بھاگ گئے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا :

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَائَتْكُمْ .....o

(الأحزاب: ۹ تا ۲۵)

غزوۂ بنی قریظہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بنی قریظہ ہے۔ یہ مدینہ کے نواح میں ہی ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنی قریظہ کے یہودیوں کے

مابین ایک معاہدہ طے پایا تھا جوکہ بنی قریظہ نے احزاب (یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کے گروہ) کے آنے پر توڑ دیا تھا۔ جب اللہ نے ان کو بھگا دیا تو حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا حتی کہ یہ سعد بن معاذ کے حکم سے قلعہ سے اُترے اور کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے۔

حضرت سعد بن معاذ نے حکم دیا کہ لڑنے والے جوان قتل کر دیے جائیں اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ قتل کیے جانے والوں کی تعداد ساڑھے چار سو تھی۔ بعض نے کہا کہ اس سے زیادہ تھی، اور انہیں میں حیی بن اخطب اور کعب بن اسد تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا :

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنَ صَيَاصِيْهِمْ o

(الاحزاب:۲۶ تا ۲۷)

غزوۂ ذات الرقاع: ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'صلوٰۃ الخوف' پڑھی تھی، اس غزوہ میں اصحاب صفہ بھی ننگے پاؤں شامل تھے اور اپنے پاؤں پر رستہ کی شدت کی وجہ سے چیتھڑے رکھتے تھے جوکہ بار بار گر جاتے تھے؛ اس لیے اس غزوہ کا نام 'ذات الرقاع' ہوا۔

بعض نے کہا کہ یہ نام اس وجہ سے ہوا کہ یہ لشکر ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک پہاڑ تھا جس پر سرخ، زرد اور سفید لکیریں تھیں جیسا کہ گدڑی میں رقاع یعنی کئی رنگ کے چیتھڑے ہوتے ہیں، بس اسی مناسبت سے اس کا یہ نام پڑ گیا۔

غزوۂ موتہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ موتہ ہے۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو چند مہاجرین وانصار پر امیر بنا کر بھیجا۔ اس غزوہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔

غزوۂ خیبر: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ خیبر ہے۔ یہ ہجرت کے چھ سال بعد ہوا۔آپ نے فتح حاصل کی اور سب پر قبضہ حاصل کیا۔

غزوۂ انمار: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ انمار ہے۔حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس میں تشریف لے گئے؛ لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

غزوۂ فتح مکہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوہ فتح مکہ کا ہے۔آپ دس ہزار مہاجرین وانصار کے ساتھ تشریف لے گئے۔ یہ ہجرت کے آٹھویں سال ہوا۔آپ نے فتح حاصل کی،اوراسلام کا ہر طرف پھریرا لہرانے لگا۔

غزوۂ بنی خزیمہ: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ بنی خزیمہ ہے۔آپ نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید کو بنی خزیمہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔تو آپ نے ان کو قتل کیا اور قیدی بنایا؛ حالانکہ ان لوگوں نے اسلام کا اظہار کیا؛ لیکن حضرت خالد نے اس کو قبول نہ کیا،(اس گمان پر کہ شاید یہ لوگ خوف کی وجہ سے محض زبانی اظہار کر رہے ہیں)۔حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مالِ غنیمت واپس کردیا اور مقتولین کی دیت کا ذمہ لیا۔

غزوۂ حنین: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ حنین ہے۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ سے قبیلہ بنی ہوازن تشریف لے گئے۔تو بعض صحابہ نے اپنی کثرت پر اظہارِ فخر کیا اور کہا کہ اب کوئی بھی ہم پر غالب نہ ہوگا،تو اللہ نے ان کی آزمائش کے لیے ان کو ہزیمت دی، پھر اپنی مدد ونصرت عطا کر کے مشرکین پر فتح عطا فرمائی؛ حتی کہ ان کو بھگا دیا اور بہت سا مالِ غنیمت ملا اور اس کو 'یوم اوطاس' بھی کہتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ یَومَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ .... (التوبہ:۲۵)

غزوۂ طائف: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ طائف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حنین میں موضع اوطاس سے طائف کی طرف تشریف لے گئے اور چالیس دنوں تک ان کا محاصرہ کیا حتی کہ فتح حاصل کی۔

غزوۂ دومۃ الجندل: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوہ دومۃ الجندل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سات سو صحابہ کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا تو انھوں نے صلح کی اور اسلام قبول کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وہیں مقیم رہے اور عاطر بنت اصبع بن عمر وکلبی سے نکاح کیا اور عاطر کی کنیت اُم ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن ہے۔

غزوۂ تبوک: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوۂ تبوک ہے۔ یہ شام کی طرف ہوا، اور آپ کو فتح حاصل ہوئی اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

غزوۂ خالد بن ولید: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوہ یہ ہے کہ جس میں آپ نے حضرت خالد بن ولید کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دوم الجندل کے آنے سے پہلے تین سو اصحاب کے ساتھ بھیجا، اور اس میں بھی بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

غزوۂ نجد: آپ کے غزوات میں سے ایک غزوہ وہ ہے جو نجد کی جانب ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے اور بہت سے غزوات ہیں جن کو ہم نے طوالت کے باعث ذکر نہیں کیا، شائقین سیر و مغازی کی کتب دیکھیں۔

باب نمبر 158 : ناپسندیدہ باتیں

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچ جگہ کلام کرنا مکروہ ہے: اول جنازہ کے پیچھے۔ دوم تلاوتِ قرآن کے وقت۔ سوم خطبہ اور ذکر اللہ کی مجلس میں۔ چہارم استنجا کرتے وقت۔ پنجم جماع کے وقت۔

پانچ جگہوں میں نظر کرنا ناپسندیدہ ہے: اول نماز میں دائیں بائیں دیکھنا۔ دوم لوگوں کے دروازہ میں دیکھنا۔ سوم جماع کے وقت عورت کی شرمگاہ پر نظر کرنا۔ چہارم بطورِ حرص اپنے سے زیادہ دنیادار کی طرف دیکھنا۔ پنجم اپنے سے کمتر دین دار کی طرف دیکھنا کہ اس سے دین میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

پانچ چیزوں کی طرف کان دھرنا مکروہ ہے: اول تماشا اور سرور کی مجلس کی طرف۔ دوم نوحہ کی طرف۔ سوم جھوٹے اور فضول کلام کی طرف۔ چہارم دو شخصوں کی باتوں پر کان دھرنا۔ پنجم لوگوں کے دروازوں سے کان لگا کر سننا۔

پانچ جگہ ہنسنا مکروہ ہے: اول جنازہ کے وقت۔ دوم قبروں کے پاس۔ سوم مصیبت کے وقت۔ چہارم تلاوتِ قرآن کے وقت۔ پنجم ذکر اللہ کے وقت۔

منقول ہے کہ کسی پسندیدہ چیز کو دیکھے بغیر ہنسنا ایک قسم کا جنون ہے۔

سونے کے دانت اور ناک بنوانے میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر چاندی کا بنوائے؛ مگر حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سونے کا بنوانے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ اور ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ عرفجہ بن اسعد کی ناک ایام جاہلیت میں جنگ کلاب کے دن کاٹی گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی۔ کچھ دن کے بعد وہ بدبودار ہوگئی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سونے کی بنوانے کا حکم دیا۔

پانچ دن روزہ رکھنا مکروہ ہے: اول عید الفطر کے دن۔ دوم عید الاضحیٰ کے دن اور تین دن اُس کے بعد (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ)۔

پانچ وقت میں نفل پڑھنا مکروہ ہے: اول نمازِ عصر کے بعد سے نمازِ مغرب تک۔ دوم طلوعِ فجر کے بعد سوائے دو رکعت سنت کے۔ سوم نمازِ فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک۔ چہارم عین دوپہر کے وقت۔ پنجم جمعہ کے دن خطبہ کے وقت۔

تین وقتوں میں فرض پڑھنے مکروہ ہیں: اوّل طلوعِ آفتاب کے وقت۔ دوم عین دوپہر کے وقت۔ سوم غروبِ آفتاب کے وقت؛ مگر اس دن کی عصر کہ وہ اس وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

باب نمبر 159 : دعاؤں کا بیان

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدمی کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ سے دعا کرتا رہے اور تمام حاجتیں اسی سے مانگے کہ یہی شانِ بندگی ہے۔ اللہ کو وہ شخص بہت پیارا لگتا ہے جو اس سے مانگے۔ اور اللہ کے نزدیک وہ بندہ سب سے برا ہے جو اللہ سے بے پرواہ ہے۔ حالاں کہ لوگوں کو سب سے زیادہ پسند وہ شخص ہے جو ان سے بے پرواہ ہے اور ان کے نزدیک براوہ ہے جو اُن سے مانگے۔ کسی شاعر نے مزے کی بات کہی ہے۔

اللّٰہ یغضب إن ترکت سؤاله

وبني آدم حین یسئل یغضب

یعنی اللہ اس وقت ناراض ہوتا ہے جب اس سے مانگا نہ جائے۔ اور لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ مانگنے سے غصہ ہو جاتے ہیں۔

معلم کائنات تاجدارِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لیس شیيء علی اللّٰہ تعالی أکرم من الدعاء . (۱)

یعنی اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ بزرگی والی کوئی شئے نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

(۱) ترمذی:۲۵۹/۱۲حدیث:۳۶۹۶......ابن ماجہ:۴۲۶/۱۱حدیث:۳۹۶۱......مسند احمد:۱۳/۱۹حدیث:۸۹۸۲۔

الدعاء مخ العبادة . (۱)

یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔

پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی :

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ٥ (سورۂ غافر:۴۰/۶۰)

اورتمہارے رب نے فرمایا ہے: تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

لا يزال العبد بخير ما لم يستعجل .

یعنی آدمی ہمیشہ خیر کے ساتھ رہتا ہے جب تک جلدی نہ کرے۔

لوگوں نے عرض کی کہ جلدی کرنا کیا ہے؟۔فرمایا :

يقول قد دعوته فلم يستجب لي .

یعنی جو آدمی کہتا ہے کہ میں نے اللہ سے دعا کی؛ لیکن قبول نہ ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من دعا بدعوة ليس فيها إثم ولا قطعية رحم أعطاه اللّٰه عزوجل إحدىٰ ثلاث: اما أن يغفر له بها ذنبا قد سلف، وأما أن يعجلها له في الدنيا، وأما أن يدخرها له في الأخرة .

(۱) سنن ترمذی:۱۲/۲۶۲حدیث:۳۶۹۸......معجم اوسط طبرانی:۷/۲۹۴حدیث:۳۳۲۴۔نیز یہ بھی آیا ہے: الدعاء هو العبادة . دیکھیے: سنن ابوداؤد:۴/۴۹۳حدیث:۱۴۸۱......سنن ترمذی:۱۱/۲۰۱حدیث: ۳۲۳۲......سنن ابن ماجہ: ۱۱/۴۲۵ حدیث: ۳۹۶۰......صحیح ابن حبان:۳/۱۷۲احدیث: ۸۹۰...... مسند شہاب قضاعی:۱/۵۲حدیث:۳۰۔ -چڑیاکوٹی-

یعنی جو آدمی ایسی دعا مانگے جس میں نہ کوئی گناہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ

تعالیٰ اس دعا کے بدلے میں تین میں سے ایک چیز ضرور دیتا ہے یا اس دعا کی وجہ سے اس کا کوئی سابقہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے یا اسے وہ چیز (جو اس نے مانگی ہے) فوراً دنیا میں دے دی جاتی ہے یا یہ دعا اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر لی جاتی ہے۔(۱)

حضرت اعمش حضرت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی خواب میں ایسی چیز دیکھے کہ اس کے نزدیک بری ہے تو اسی وقت تین بار بائیں طرف تھوک دے اور یہ دعا پڑھے :

أعوذ بالله بما عاذت به ملئكة الله تعالیٰ و رسوله من شر رؤياي هذه التى رأيت أن تضرني في دنياي أو في آخرتي .

یعنی میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ان کلمات کے ساتھ کہ جن کے ساتھ اس کے فرشتوں اور رسول نے اس کی پناہ مانگی، اس خواب کی برائی سے جو میں نے آج رات دیکھا کہ یہ مجھے دنیا و آخرت میں ضرر دے۔

تو جس نے اس کو پڑھ لیا تو اللہ کے حکم سے اس کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا :

إذا حلم أحدكم حلما فليبزق عن شماله ثلاث مرات، و ليستعذ بالله من شره فإنه لا يضره . (۲)

یعنی جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دے اور اللہ سے اس خواب کے شر سے پناہ مانگے تو اللہ کے حکم سے اس کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

(۱) مسند شامیین: ۴/۳۵۳ حدیث: ۲۷۱۰...... معجم اوسط طبرانی: ۱۰/۵۷ حدیث: ۴۵۲۱۔
(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۳/۹۴ حدیث: ۱۴۷۸۰...... مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱/۴۲۱ حدیث: ۴۷۹...... سنن کبریٰ نسائی: ۶/۲۲۶ حدیث: ۱۰۶۸۱۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جب تم اپنی زوجہ کے پاس پہلی مرتبہ جاؤ تو اسے دو رکعت پڑھنے کا کہو پھر اس کے سر کو پکڑ کر یہ کہو :

اللّٰھم بارک لي فی أھلی و بارک لأھلي في، وارزقنی منھا وارزقھا مني، و اجمع بیننا ما جمعت فی خیر، و فرق بیننا ما فرقت في خیر .

یعنی اے میرے اللہ! میرے لیے میری عورت میں اور میری عورت کے لیے مجھ میں برکت عطا فرما۔ مجھ کو اس میں اور اس کو مجھ میں نفع عطا فرما۔ اور ہمیں خیر میں جمع رکھ، اور اگر جدائی میں بہتری ہو تو جدا کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے اپنی زوجہ کے پاس جائے یہ کہے :

اللّٰھم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان مما رزقتنی .

یعنی اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو شیطان سے بچا۔

اب جب اس سے کوئی اولاد ہوگی تو اللہ کے حکم سے شیطان اس کو ضرر نہ پہنچائے گا۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا :

ما أنعم اللّٰہ علی عبد من نعمة فی أھل أو مال أو ولد أو دار فقال: ما شاء اللّٰہ ولا قوة إلا باللّٰہ .

یعنی اللہ نے بندے کو جو نعمت عطا کی ہیں جیسے عورت، مال اولاد یا گھر، تو جو کوئی اس پر یہ کہے: ماشاء اللہ لاقوۃ اِلا باللہ۔

تو اس میں موت کے سوا کوئی آفت نہ دیکھے گا۔ پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی :

وَلَولاَ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ لاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ ہ

(سورۂ کہف: ۳۹/۱۸)

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا: 'ماشاء اللہ لاقوۃ اِلا باللہ' (وہی ہونا ہے جو اللہ چاہے کسی کو کچھ طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)۔(۱)

حضرت مجاہد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب تجھے کوئی بدشگونی کی علامت معلوم ہو تو پڑھ کر آگے بڑھ جایا کر :

ما شاء اللّٰہ لا قوۃ إلا باللّٰہ لا یأتی بالحسنات إلا اللّٰہ و لا یدفع السیآت الا اللّٰہ .

وہی ہونا ہے جو اللہ چاہے کسی کو کچھ طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے۔ نیکیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں اور برائیوں سے اللہ کے سوا کوئی نہیں بچاتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس کا جانور گم ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھے اور اس میں التحیات کے بعد یہ پڑھے :

اللّٰھم یا ھادی الضالین و یا راد الضالة اردد علي ضالتي بعزتک وسلطانک فإنها من فضلک وعطائک .

یعنی اے اللہ! بھولے ہوؤں کو رستہ بتانے والے، اے پھیرنے والے، میرے گم ہوئے جانور کو اپنی عزت اور سلطنت کے ساتھ میری طرف پھیر لا۔ یہ تیرا فضل اور بخشش ہے۔

حضرت سفیان اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب عورت پر ولادت تنگ ہو جائے تو یہ دعا لکھ کر اس کو دے دیں :

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، بسم اللّٰہ الذي لا إله إلا هو الحلیم الکریم، و سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم، و الحمد للّٰہ رب العٰلمین،

---

(۱) معجم اوسط: ۱۲۶/۶ حدیث: ۵۹۹۵..... معجم صغیر طبرانی: ۳۵۲/۱ حدیث: ۵۸۸۔

[كَأَنَّهُمْ يَومَ يَرَوْنَهُمْ لَمْ يَلْبَثُوْا إلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا] [كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوا إلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ بَلاَغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إلَّا الْقَوْمُ الفَاسِقُوْنَ .

حضرت سفیان نے فرمایا کہ اس کو ایک پیالہ میں لکھ کر دھوئیں اور پانی پلا دیں۔

حضرت ابان بن عثمان بن ابی العاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی صبح کو تین مرتبہ یہ کہے :

بسم اللّٰه الذي لا يضر مع اسمه شيىء في الأرض ولا في السماء و هو السميع العليم . (۱)

تو اس شخص کو شام تک کوئی بلا نہ پہنچے گی، اور شام کے وقت کہے تو صبح تک کوئی بلا نہ پہنچے گی۔

حضرت عثمان بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میرے داڑھ میں ایسا درد تھا کہ لگتا تھا میں ہلاک ہو جاؤں گا، تو آپ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ کو اس پر رکھ اور سات مرتبہ پھیر اور یہ کہہ :

أعوذ بعزة اللّٰه وقدرته من شر ما أجد وأحاذر . (۲)

میں نے ایسا ہی کیا تو درد جاتا رہا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسلم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ مجھے آج رات نیند نہیں آئی۔ آپ نے پوچھا، کس سبب سے؟، اس نے کہا کہ مجھے بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے مندرجہ ذیل دعا پڑھ لی ہوتی تو تجھے -ان شاءاللہ- کچھ نقصان نہ پہنچتا :

(۱) سنن ابوداؤد: ۴/۴۸۴ حدیث: ۵۰۹۰......سنن ابن ماجہ: ۲/حدیث: ۳۸۶۹......سنن ترمذی: ۵/۴۶۵ حدیث: ۳۳۸۸......جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴/۲۴۳ حدیث: ۲۲۲۴۔

(۲) سنن ابوداؤد: ۴/۱۷ حدیث: ۳۸۹۳......سنن ابن ماجہ: ۲/۱۱۶۳ حدیث: ۳۵۲۲......سنن ترمذی: ۴/۴۰۸ حدیث: ۲۰۸۰......صحیح ابن حبان: ۷/۲۳۱ حدیث: ۲۹۶۵۔

أعوذ بكلمات الله التامات كلها من شر ما خلق .

بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جو کوئی چھینک کے وقت درجِ ذیل دعا پڑھ لے تو دانتوں کی تکلیف سے محفوظ رہے گا :

الحمد لله رب العالمين على كل حال .

یعنی ہر حال میں کل جہانوں کے پالنے والے اللہ کے تعریفیں ہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من سبق العاطس بالحمد لله أمن من الشوص واللوص والعلوص . (۱)

یعنی جس نے چھینکنے والے کے 'الحمد للہ' کہنے سے پہلے 'الحمد للہ' کہا تو دانت، کان اور پیٹ کے درد سے بچا رہے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص سورۂ بقرہ کی دس آیات: چار اولِ سورہ سے، آیۃ الکرسی، دو آیۃ الکرسی کے بعد والی اور تین آیات سورت کے آخر والی اگر صبح کو پڑھ لے تو شام تک اس کے گھر میں شیطان داخل نہ ہوگا، اور اگر رات کو پڑھ لے گا تو صبح تک شیطان داخل نہ ہوگا۔ اور اگر تو ان کو کسی مجنون پر پڑھے گا تو ہوش میں آ جائے گا۔

بعض متقدمین نے کہا کہ جس کے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ہوں تو وہ 'الحمد للہ' کثرت سے پڑھا کرے۔ جس کو غم بہت زیادہ ہوں تو 'استغفار' کی کثرت کرے۔ اور جس کو فقر گھیر لے تو 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم' کثرت سے پڑھا کرے۔

حضرت جعفر بن محمد الباقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو چار

(۱) اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب: ۱/۲۷۲ حدیث: ۱۴۰۹۔

چیزوں میں مبتلا ہے اور وہ چار سے غافل رہتا ہے۔ حیرت ہے اس شخص پر جو غم میں مبتلا ہو پھر بھی یہ آیت نہیں پڑھتا :

لاَ اِلٰهَ اِلَّآ أَنۡتَ سُبۡحَانَکَ اِنِّی کُنۡتُ مِنَ الظَّالِمِیۡنَ . (انبیا:۸۷)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔

کیونکہ آگے اللہ فرماتا ہے :

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ وَنَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ .

پس ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی، اور ہم نے انھیں غم سے نجات بخشی، اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

مجھے اس شخص کے حال پر تعجب ہے جو کسی چیز سے خوف کھاتا ہے لیکن یہ نہیں پڑھتا :

حَسۡبِیَ اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ .

اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔

کیونکہ اللہ فرماتا ہے :

وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ . (سورۂ آلِ عمران:۱۷۳،۱۷۴/۳)

اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔ پھر اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس پلٹے انھیں کوئی گزند نہ پہنچی۔

میں تعجب کرتا ہوں اس شخص کے حال پر کہ لوگ اس کی برائی کے درپے ہیں اور وہ یہ نہیں کہتا :

اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیۡرٌ بِالۡعِبَادِ . (سورۂ مؤمن:۴۴/۴۰)

میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

کیونکہ اللہ فرماتا ہے :

فَوَقٰـهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا . (سورۂ مؤمن:۴۰/۴۵)

تو اللہ نے اسے بچالیا ان کے مکر کی برائی سے۔

اور مجھے اس پر تعجب ہے جو جنت کی طرف رغبت رکھتا ہے اور یہ نہیں کہتا :

مَا شَاءَ اللّٰهُ لاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ . (سورۂ کہف:۱۸/۳۹)

جو چاہے اللہ، ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ کی مدد کا۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَعَسٰى رَبِّىْ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ . (سورۂ کہف:۱۸/۴۰)

تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے۔

وباللّٰه التوفيق ، وهو حسبي في كل ضيق

أسـألــه الهداية للـرشد والتحقيق

والصلوٰة والسلام على سيدنا

محمـد خـاتم الــنبيين

وإمـام المـرسلين

وعلى اٰله وصحبه

أجمعين إلى

يوم الدين

کتابیات:

'بستان العارفین' کی تخریج وتحقیق کے لیے مندرجہ ذیل مصادرِ عربیہ سے مدد لی گئی :

- قـــرآن کریم. ابتدائے نزول: ۶۱۰ء- انتہائے نزول: ۹/ذی الحجہ۱۰ھ/۶۳۲ء
- جامع معمر بن راشد : معمر بن راشد ازدی [۱۵۳ھ]
- مؤطا إمام مالک : امام مالک بن انس مدنی [۱۷۹ھ]
- مسند الطيالسي : سلیمان بن داؤد طیالسی [۲۰۴ھ]
- مصنف عبد الرزاق: ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی [۲۱۱ھ]
- مسند الشافعي : ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی [۲۰۴ھ]
- مسند الحميدي : عبداللہ بن زبیر مکی [۲۱۹ھ]
- مسند ابن الجعد : ابوالحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی [۲۳۰ھ]
- مصنف ابن أبي شيبة: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]
- مسند عبد بن حميد : ابومحمد عبد بن محمد حمید کشی [۲۳۸ھ]
- مسند اسحق بن راهويه : حافظ اسحاق بن راہویہ [۲۳۸ھ]
- مسند امام احمد بن حنبل: امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- الزهد لأحمد بن حنبل: امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- صحيح ابن حبان : ابوالشیخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- الأدب المفرد للبخاري: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- التاريخ الكبير : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]

- صحیح البخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- المعجم الکبیر : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- المعجم الصغیر : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- مسند الشامیین للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- صحیح المسلم : امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]
- المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- الجرح و التعدیل : احمد بن عبداللہ عجلی کوفی [۲۶۱ھ]
- سنن ابن ماجة : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]
- سنن سعید بن منصور : سعید بن منصور خراسانی [۲۷۳ھ]
- سنن ابی داؤد : امام ابوداوَد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- أخبار مکة للفاکهي : محمد بن اسحٰق بن عباس فاکہی [۲۷۵ھ]
- عیون الأخبار : عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کوفی دینوری [۲۷۶ھ]
- الزهد لأبي حاتم الرازي : محمد بن ادریس بن منذر ابوحاتم رازی [۲۷۷ھ]
- علل الترمذي الکبیر : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- جامع الترمذي : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- الشمائل المحمدیة : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- مسند الحارث : الحارث بن ابواسامہ [۲۸۲ھ]
- الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ابوبکر بن عمرو بن ضحاک شیبانی [۲۸۷ھ]
- البحر الزخار مسند البزار : حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]
- سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- السنن الکبریٰ للنسائي : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]

- مسند أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- مستخرج أبي عوانة : یعقوب بن اسحاق اسفرائنی [۳۱۶ھ]
- البعث لابن أبي داؤود : سلیمان بن اشعث بن اسحٰق ابوداوٗد سجستانی [۳۱۶ھ]
- مشكل الآثار للطحاوي : ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی [۳۲۱ھ]
- الضعفاء الكبير للعقيلي : ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی مکی [۳۲۲ھ]
- المسند للشاشي : ابوسعید ہثیم بن کلیب شاشی [۳۳۵ھ]
- تفسير ابن ابي حاتم : ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم [۳۲۷ھ]
- معجم ابن الأعرابي : ابوسعید احمد بن محمد بن اعرابی [۳۴۱ھ]
- معجم الصحابة لابن قانع : ابوالحسن عبدالباقی بن قانع [۳۵۱ھ]
- طبقات المحدثين : مسلمہ بن قاسم اندلسی [۳۵۳ھ]
- صحيح ابن حبان : ابوالشیخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- سنن الدارمی : امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [۲۵۵ھ]
- تهذيب الآثار للطبري : ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبری [۳۶۰ھ]
- سنن الدار قطني : ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی [۳۸۵ھ]
- حديث عمر بن أحمد : ابوحفص عمر بن شاہین بغدادی [۳۸۵ھ]
- المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]
- معرفة الصحابة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- حلية الأولياء : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- أمالي ابن بشران : ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن بشران [۴۳۲ھ]
- مسند الشهاب القضاعي : ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی شافعی [۴۵۴ھ]
- دلائل النبوة للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]

- الأربعون الصغریٰ للبیهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- معرفة السنن و الآثار : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الایمان للبیهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الزهد الکبیر للبیهقی : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- فوائد ابن مندة : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- شرح السنة للبغوي : حسین بن مسعود بغوی [۵۱۶ھ]
- الموضوعات : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- الترغیب والترهیب : زکی الدین عبدالعظیم منذری [۶۵۶ھ]
- مشکوٰة المصابیح : شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی عراقی [۷۴۲ھ]
- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف : ابوالحجاج یوسف بن زکی مزی [۷۴۲ھ]
- الجوهر النقي : احمد بن عثمان بن ابراہیم تاج الدین ترکمانی حنفی [۷۴۳ھ]
- تذکرة الحفاظ : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- میزان الاعتدال في نقد الرجال : حافظ ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- تاریخ الإسلام للذهبي : شمس الدین محمد بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- سیر أعلام النبلاء : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- مجمع الزوائد و منبع الفوائد : امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
- بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث : نورالدین ابوبکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
- موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان : نورالدین ابوالحسن ہیثمی [۸۰۷ھ]
- الموضوعات الکبیر : علی بن سلطان ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ]
- المقاصد الحسنة للسخاوي : شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی [۹۰۲ھ]
- جامع الأحادیث : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- جمع الجوامع : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

- الجامع الصغیر : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة : جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی [۹۱۱ھ]
- طبقات المفسرين للداؤدي : محمد بن علی بن احمد داؤدی مالکی [۹۴۵ھ]
- المطالب العالية : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- كنز العمال : علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]
- تذكرة الموضوعات : محمد بن طاہر صدیق فتنی گجراتی ہندی [۹۸۶ھ]
- كشف الخفاء و مزيل الألباس : ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی [۱۱۶۲ھ]
- نظم المتناثر من الحديث المتواتر : محمد بن جعفر کتانی [۱۳۴۵ھ]
- الأعلام : خیرالدین زرکلی [۱۳۹۶ھ]
- المسند الجامع : ابوالفضل سید ابوالمعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]

يقول أبو الرفقة **محمّد افروز القادری الجریاکوٹی** – أدام الله له سلوک سبيل السنة و الجماعة – هٰذا ما وفقني الله تبارک و تعالیٰ و أعانني عليه من وضع هٰذا الكتاب الذي دأبتُ في ترجمته و تحقيقه و تخريجه بكل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ۷] و إني أسئل الله سبحانه وتعالیٰ أن يجعل عملي هٰذا وجهدي خالصاً لوجهه الكريم و هدية إلیٰ جناب سيدي رسول الله العظيم أنجو به من نار الجحيم و ما توفيقي إلا بالله العظيم عليه توكلت و إليه أنيب . قد بدأت عمل الترجمة والتحقيق يوم الأربعاء ' الثامن وعشرين من جمادي الأولیٰ عام –۱۴۳۳ھ – الموافق شهر مايو –۲۰۱۲ء – و كان الفراغ منه –بفضل الله و منته و توفيقه و معونته– في ليلة يوم السبت ' الخامس من شعبان المعظم عام – ۱۴۳۴ھ من الهجــــرة النبوية علیٰ صاحبها الصلوٰة والتحية – ، الموافق شهر يونيو – ۲۰۱۳ء من ميلاد المسيح عليه الصلوة و التسليم– .

رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إنْ نَسِيْنَا أو أخْطَأنَا

﴿ تمَّت و بالخير عمَّت ﴾

مترجم کتاب کی چند دیگر مطبوعات

[حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اُترتی ہوئی]

[وقت ہزار نعمت] وقت' ایک عظیم نعمت اور اللہ کی عطا کردہ بیش قیمت دولت ہے؛ لہٰذا وقت کو ضائع کرنا عمر گنوانے کے برابر ہے۔ وقت کی قدر و قیمت کا اِحساس جگانے اور زندگی کو نظام الاوقات کا پابند بنا دینے والی ایک منفرد کتاب۔ ص: 184۔ ق: 90

[مرنے کے بعد کیا بیتی؟] یہ کتاب پس اِنتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف و اَحوال پر مشتمل ہے۔ اِس کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات' عبرت آموز اور نصیحت خیز ہے۔ یہ واقعات ہمیں اپنی اِصلاح کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد بھی دِلاتے ہیں۔ ہر گھر کی ضرورت۔ ص: 264۔ ق: 90

[برکات الترتیل] ترتیل وتجوید کے موضوع پر بے نظیر کتاب۔ یہ اپنے موضوع کے تقریباً سارے گوشوں پر اطمینان بخش دلائل ومباحث، اوراس کی جملہ پیچیدگیوں کا محققانہ حل پیش کرتی ہے۔ ہر قرآن خوان کی بنیادی ضرورت۔ ص: 216- ق: 60

[انوارِ ساطعہ در بیانِ مولود وفاتحہ] عقائد ومعمولات اہلسنّت خصوصاً میلاد و فاتحہ، نذر ونیاز وغیرہ اوراختلافی اُمور کے چیدہ چیدہ موضوعات پر لکھی گئی اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور لاجواب کتاب۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے جواب میں رسوائے زمانہ کتاب 'براہین قاطعہ' وجود میں آئی۔ ہر صحیح العقیدہ اسے ضرور زیرمطالعہ رکھے تاکہ اسے اپنے عقائد ومعمولات کی صحت وپختگی کا حق الیقین حاصل ہوجائے اور وہ پامردی سے اس پر گامزن رہے۔ ص: 820- ق: 200

[آئینہ مضامین قرآن] یہ قرآن مجید فرقانِ حمید کے خلاصے پر مشتمل ایک پُر مغز اور معرکہ آرا کتاب ہے۔ جس میں پارہ وائز قرآنی معانی وجواہر کو پیش کرنے کی سعادت حاصل

کی گئی ہے۔ بالخصوص تراویح کے بعد اسے مصلیوں کو سنا کر ہم معاشرے کے اندر ایک صالح انقلاب لا سکتے ہیں۔ خدا اپنی توفیق ہمارے رفیقِ حال کرے۔ ص:352۔ ق:150

❁ [بولوں سے حکمت پھوٹے] حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ کے حیات بخش اور روح پرور اقوال واعمال کا ایک سدا بہار گلدستہ، جو ہمیں عمل پر مہمیز کرتا ہے اور کردار کا غازی بنانے پر زور دیتا ہے۔ دارین کی نعمتوں سے بہرہ وری کے آرزومندوں کے لیے ایک دولت بے بہا، ہر مردِ مومن کی دینی وروحانی ضرورت۔ ص:184۔ ق:90

❁ [کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!] نوجوان ہی دراصل کسی معاشرے کا مستقبل اور گراں قدر سرمایہ ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے حُسنِ عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنادیں، اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ ملاحظہ فرمائیں ایک چشم کشا اور اِنقلاب آفریں تحریر دل پذیر۔ ص: 48۔ ق:30

❁ [چالیس حدیثیں] بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستانِ ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں۔ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں عادتیں وہیں سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ بے مثال تحفہ انھیں اسی لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ وہ قوم وملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ نونہالانِ قوم کے لیے سبق آموز کہانیوں کے ساتھ۔ ص: 96۔ ق:45

❁ [اور مشکل آسان ہوگئی] کرب و اِنتشار کے بادل چھانٹنے، غم روزگار کا مداوا کرنے، غیبی نصرت وفتح کا حصول، نیز فتح مشکلات اور کشف مہمات کے لیے ایک تیر بہدف تحریر۔ یہ دراصل امام جلال الدین سیوطی کی نایاب کتاب 'الارج بعد الفرج' کا سلیس ترجمہ وتلخیص ہے۔ ہر دکھی وپریشاں کے درد کا درماں۔ ص: 96۔ ق:50

❁ [پیارے بیٹے] یہ شیخ المشائخ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی کی قیمتی نصیحتوں کا روح پرور مجموعہ ہے، جس میں انھوں نے زندگی کی بہت سی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے اور دنیا وآخرت سنوارنے کے بہت سے زرّیں اصول بڑے موثر انداز میں پیش کیے ہیں۔ ص:36۔ ق:25

۞ [کلامِ الٰہی کی اَثر آفرینی] قرآنِ حکیم کی سلاست وروانی، جاودانی ونور فشانی، اِعجاز بیانی و کیف سامانی، ایمان اَفزونی و دل نشینی اور اِنقلاب و اَثر آفرینی کے حوالے سے علمی وفکری نکات وواقعات پر مشتمل ایک اچھوتی تحریر۔ ص:144- ق:60

۞ [مذاق کا اِسلامی تصور] مذاق ومزاح، خوش مزاجی، اور ظرافت وخوش طبعی کے تعلق سے ایک خوش تر تحریر اور دلچسپ معلومات آفریں کتاب۔ ص:72- ق:40

۞ [باتیں جو زندگی بدل دیں] معلم اَخلاق حضرت لقمان حکیم کے اِنقلاب انگیز، ولولہ خیز، نصیحت آمیز، اور دیدہ وروح کو نور وجلا بخشنے والے اقوال۔ ص:46- ق:30

۞ [آئیں دیدارِ مصطفیٰ کرلیں] دیدارِ مصطفوی کے فیوض وبرکات کے نسخہ ہاے کیمیا بانٹنے والی بہترین کتاب۔ کشتۂ عشق مصطفیٰ کے لیے ارمغان۔ ص:256- ق:250

۞ [فرشتے جن کے زائر ہیں] ذرا سوچیں کہ وہ لوگ کتنے سعادت مند ہوں گے جن کی زیارت کو فرشتے اُترتے ہیں!۔ تو یہ کتاب آپ کو اُن سعادتمندوں میں شامل کرنے ہی کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ محنت کیجیے اور صحبت قدسیاں سے محظوظ ہوئیے۔ ص:88- ق:40

۞ [مصطفیٰ جانِ رحمت پر الزامِ خودکشی!] صحیح بخاری کی ایک روایت پر اُٹھائے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات۔ عصمت انبیا کا تحقیقی جائزہ۔ ص:72- ق:40

۞ [چار بڑے اقطاب] آسمانِ ولایت وقطبیت کے چار ضوفشاں آفتاب (الجیلانی، الرفاعی، البدوی، الدسوقی) کے حالات وواقعات وتعلیمات۔ ص:58- ق:20

۞ [جامع ازہر کا فتویٰ] انہدام قبور اور ان کی بے حرمتی کی حرمت پر علماے ازہر کا متفقہ ایک مبسوط فتویٰ۔ محققین کے لیے ایک عظیم علمی دولت۔ ص:32- ق:12

فقیہ ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمہ کی جملہ تصانیف کتاب وسنت کی آئینہ دار، فقہ وتصوف کی ترجمان، ترغیب وترہیب کا آئینہ، اور اہل اسلام کی خیرخواہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ 'بستان العارفین' بھی وہی رنگ وآہنگ لیے ہوئے ہے۔ یہ کتاب ہمیں عمل پر مہمیز کرتی ہے، اور کردار کا غازی بنانا چاہتی ہے۔ جائے افسوس ہے کہ آج ہمارے قول وعمل شیوۂ منافقت سے آلودہ ہوگئے ہیں، اور افسوس بالائے افسوس یہ کہ معاشرے کے جس طبقے کو عوام کے لیے اُسوۂ حسنہ بننا تھا وہ بھی صرف گفتار کا غازی بن پایا ہے؛ نہ معلوم کردار کا غازی کب بنے گا؟۔ تاجدار کائنات ﷺ اور صحابہ ﷺ نے ہمارے لیے عملی زندگیاں پیش کی تھیں، اور ان کا سارا ارتکاز عمل پر تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان کے پاس صرف اللہ کی ایک کتاب تھی اور اس کی عملی تفسیر مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا اُسوۂ حسنہ۔ بس یہی دو چیزیں تھیں جنھوں نے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی؛ لیکن آج ہم لائبریریوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور کتابوں کے ہجوم میں رہنے کے باوجود دنیا کی کایا تو کیا، خود اپنے من کی کایا نہیں پلٹ پائے ہیں! امرِ واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس سب کچھ ہے، اگر نہیں ہے تو بس ایک 'دولت عمل' نہیں ہے۔ اور اسی ایک کمی نے سب کچھ پر پانی پھیر کر ہمیں بالکل مفلس وقلاش کر ڈالا ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ دین کی تعبیر وتشریح۔اس کے مزاج وتعلیم کے خلاف۔ سختی وتنگی کے ساتھ کی جارہی ہو اور مسلمانوں کو ایک منظم سازش کے تحت شریعت بیزاری اور تنفر دینی کے طوفان بدتمیزی کی طرف دھکیلا جا رہا ہو، اس قسم کے صالح لٹریچر اور سنجیدہ کتابوں کو فروغ دینے کی اہمیت وافادیت صد آتشہ ہو جاتی ہے۔ —رہے نام اللہ کا۔